Title – SULTAN MOHAMMAD QALI QUTB SHAH
Creator – Sayyed Mohi uddin Qadri Zor.
Publisher – Azam Steam Press (Hyderabad).
Date – 1940
Pages – 410
Subjects – Tazkira Shora Dakkin – Qali Qutb Shah; Qali Qutb Shah / Sultan Mohd – Sawaneh-o-Tanqeed.

بخدمت حضرت گرامی مولانا عبدالماجد صاحب مدظلہم دریابادی

برائے تنقید و تبصرہ رسالہ صدق

حقیر تحفہ سید محی الدین قادری زور

سُلطان محمد قلی قطب شاہ

یعنے اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر، شہر حیدرآباد کے بانی، اور
سِلسلۂ رفیعۂ قطب شاہیہ کے پانچویں حکمران سلطان محمد قلی (سنہ ۹۷۳ تا
سنہ ۱۰۲۰ھ) کے حالاتِ زندگی اور اُردو و فارسی کلام کے نمونے

از

سیّد محی الدین قادری زور

ایم، اے۔ پی، ایچ ڈی (لندن)

پروفیسر اُردو جامعہ عثمانیہ و معتمد اعزازی ادارۂ ادبیات اُردو

حیدرآباد دکن

سنہ ۱۹۴۰ء

پانچ سو صفحات اور انیس 19 عکسی تصویریں

قیمت

پانچ روپے

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد

ملنے کا پتہ
سب رس کتاب گھر خیریت آباد حیدرآباد دکن

فہرست مندرجات

دیباچہ

پہلا حصہ

دوسرا حصّہ

تیسرا حصّہ

چوتھا حصہ

پانچواں حصہ

چھٹا حصّہ

تدبر و سیاست (۳۰۵) ۔ دکن کے سیاسی توازن کا خیال (۳۰۷) چاند بی بی ہمشیرہ محمد قلی کی شادی (۳۰۷) ۔ شہزادہ اسمٰعیل کی بغاوت (۳۰۹) ۔ علی برید پر حملہ (۳۱۰) ۔ مغلوں کے مقابلہ میں احمد نگر کی امداد (۳۱۱) ۔ مغلوں سے لڑائی (۳۱۲) ۔ امیر برید کی پناہ گزینی (۳۱۳) ۔

بیرونی تعلقات (۳۱۴) اغزلو سلطان سفیر ایران (۳۱۴) میرک معین سبزواری سفیر احمد نگر (۳۱۹) ۔ خواجہ علی شیرازی سفیر بیجاپور (۳۲۱) شہنواز خاں سفیر بیجاپور (۳۲۱) محمد قلی قطب شاہ کے سفیر (۳۲۱) ۔ حاجی محمدؐ اصفہانی (۳۲۱) ۔ مہدی قلی سلطان (۳۲۲) جنوب کی ریاستیں (۳۲۳) ۔

ہندو رعایا کی سرپرستی (۳۲۵) ۔ آسیراؤ (۳۲۶) ۔ دھرماراؤ (۳۲۷) ۔ دوسرے ہندو امیر (۳۳۳) ۔ جگپت راؤ سری راؤ ۔ ساباجی (۳۳۳) بھالے راؤ ۔ (۳۳۴) یکندراج (۳۳۵) ۔ شنکر راج ۔ ہری چندر (۳۳۶) ۔ رام چندر (۳۳۷) ۔ راوت راؤ ۔ کرشنا راج (۳۳۸) ۔

ایرانیوں اور اجنبیوں کی نگہداشت و قدر افزائی (۳۳۹) ۔ اسباب (۳۴۰) ۔ میر مؤمن پیشوائے سلطنت (۳۴۳) محمد امین اصفہانی میر جملہ (۳۴۷) ۔ بعض غیر ملکیوں پر عتاب (۳۵۶) ۔ دکن کی محبت (۳۵۸) ۔

ساتواں حصّہ

آٹھواں حصّہ

نواں حصّہ

دسواں حصہ

فہرست تصاویر

دیباچہ

محمد قلی قطب شاہ اردو کا ایک رفیع المرتبت شاعر، اردو ادب کا فیاض سرپرست، گولکنڈہ جیسی عظیم الشان سلطنت کا مطلق العنان حکمران اور حیدرآباد جیسے خوبصورت شہر کا بانی تھا۔ اس کی زندگی کے حالات اور اس کے عہد حکومت کے واقعات سے دکن کی کوئی تاریخ خالی نہیں۔ ایسی ہستی کا نام جس نے حیدرآباد جیسا فرخندہ بنیاد شہر بسایا ہو اور اردو جیسی شیریں اور بین قومی زبان میں سب سے پہلے ایک عالی شان دیوان مرتب کیا ہو دنیا کی تاریخ سے کبھی محو نہ ہو سکے گا۔

محمد قلی نے تقریباً پچاس ہزار اردو شعر لکھے تھے۔ اور اردو کے علاوہ فارسی اور تلنگی میں بھی اس نے شاعری کی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کا پورا کلام ابھی تک دستیاب نہ ہو سکا۔ البتہ اردو دیوان کے چند نامکمل نسخے اس وقت موجود ہیں۔ لیکن یہ نامکمل دیوان بھی اردو کے اکثر بڑے شاعروں کے مکمل مجموعوں سے زیادہ بیش قیمت اور اہم ہیں۔ کوئی صنف سخن ایسی نہیں جس میں محمد قلی نے اپنا کمال نہ دکھایا ہو۔ اور نہ کوئی موضوع ایسا ہوگا جس پر اس نے طبع آزمائی نہ کی ہو۔

عاشقانہ مضامین، عارفانہ نکات، شاہی لوازم، درباری شان و شکوہ، محلات کی رنگینیاں، اور باغوں کی سرسبزی و شادابی کے ساتھ ساتھ غریبوں کی زندگی، عوام کے معتقدات، عیدوں اور تہواروں، کھیل کود اور تماشوں، بازاروں اور بیوپاروں، اور عام رسم و رواج کی جھلکیں بھی

اس کی شاعری میں جگہ جگہ نظر آتی ہیں لیکن ان سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ خود اپنی زندگی اور معاشرت سے متعلق محمد قلی نے اپنے کلام میں ایسی ایسی باتیں محفوظ کر دی ہیں جن کو شاید ہی کوئی مورخ قلمبند کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے کلیات کے مرتب کرنے کے اثناء میں راقم الحروف کے دل میں اس کے مکمل سوانح حیات کی ترتیب کا خیال بھی پیدا ہوا اور آج خدا کا شکر ہے کہ یہ خیال عمل کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔

"حیاتِ محمد قلی قطب شاہ" دس حصوں پر مشتمل ہے۔ اور اس کے مطالعہ سے واضح ہو گا کہ مرتب نے محمد قلی اعظم کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ شاید ہی کوئی کتاب ہو جس میں محمد قلی کا تذکرہ درج ہے اور مرتب نے اس کا مطالعہ نہ کیا ہو۔ اس طرح سے ہزارہا صفحات کی ورق گردانی، اور بیسوں قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی چھان بین، اور گولکنڈہ اور شہر حیدرآباد کی سیکڑوں عمارتوں، مقبروں اور عاشور خانوں، اور کتبوں کی تلاش و جستجو کے بعد دو سال سے زیادہ کی مدت میں یہ کتاب قلمبند کی گئی ہے۔

کتب خانۂ جامعۂ عثمانیہ، کتب خانۂ آصفیہ، کتب خانۂ ادارۂ ادبیات اردو، اور کتب خانۂ نواب سالار جنگ بہادر کے علاوہ برٹش میوزیم اور انڈیا آفس کے قلمی نسخوں سے بھی اس کتاب کی ترتیب میں استفادہ کیا گیا ہے۔ ان سب ماخذوں کے حوالے خود کتاب میں جگہ جگہ درج ہیں اور کتاب کے آخر میں تمام ماخذوں کی ایک فہرست بھی شریک ہے۔ یہاں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ تاریخ قطب شاہی، حدائق السلاطین اور حدیقۃ السلاطین اور ماہنامہ جیسی تاریخی کتابوں کے اوراق کے جو حوالے اس "حیات" میں درج ہیں وہ کتب خانۂ نواب سالار جنگ بہادر ہی کے قلمی نسخوں سے متعلق ہیں۔ کیونکہ وہاں کے تقریباً جملہ قلمی نسخے اپنی تاریخی اہمیت کی وجہ سے نوادر میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

سید محی الدین قادری زور

رفعت منزل خیریت آباد
یکم اکتوبر ۱۹۴۰ء
مطابق ۲۸ شعبان ۱۳۵۹ھ

پہلا حصّہ

محمد قلی قطب شاہ کی ابتدائی زندگی، واقعات اور معلومات کے لحاظ سے بجائے خود ایک کتاب کا موضوع بن سکتی ہے۔ اس کی ولادت، بچپن، تعلیم و تربیت، آغاز شباب، رندی و مستی، اور عشق و عاشقی کے حالات اس خوبی و صحت کے ساتھ اب تک محفوظ ہیں کہ شاید ہی کسی اور بادشاہ کے اوائل عمر کی نسبت صدہا سال کے بعد بھی ایسی تفصیلی معلومات حاصل ہو سکی ہوں۔

یہ اردو ادب کی خوش قسمتی ہے کہ اس کے پہلے عظیم الشان سرپرست اور صاحب دیوان شاعر کی حیات کے اکثر پہلو قابل مطالعہ ہیں۔

اس حصہ کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ حیدرآباد جیسا فرخندہ بنیاد شہر بسانے والے کی ابتدائی زندگی کیسے رنگین ماحول میں بسر ہوئی، اور اس کی ذہنی نشو و نما کے بنانے میں عشق و محبت اور شعر و سخن کی بے پناہ گہرائیوں کو کتنا دخل تھا۔

محمد قلی سلسلۂ قطب شاہیہ کا پانچواں بادشاہ تھا۔ اس سے قبل اس خاندان کے چار افراد یعنی ابراہیم قلی، سبحان قلی، جمشید قلی، اور سلطان قلی گولکنڈہ میں تخت نشین ہو چکے تھے۔ اور یہ سلطنت محمد قلی کی پیدائش سے انچاس سال اور تخت نشینی سے چونسٹھ سال قبل قایم ہوئی تھی۔ پیشرو سلاطین سے محمد قلی کو جو تعلق تھا وہ اس شجرہ سے واضح ہوگا۔

(۱) سلطان قلی قطب شاہ

ولادت ۔ جلوس ۔ وفات
سنہ ۸۶۰ھ سنہ ۹۲۴ھ سنہ ۹۵۰ھ

(۲) جمشید قلی قطب شاہ

جلوس ۔ وفات
سنہ ۹۵۰ھ سنہ ۹۵۷ھ

(۳) سبحان قلی قطب شاہ

ولادت ۔ جلوس ۔ وفات
سنہ ۹۵۰ھ سنہ ۹۵۷ھ ؟

(۴) ابراہیم قلی قطب شاہ

ولادت ۔ جلوس ۔ وفات
سنہ ۹۳۷ھ سنہ ۹۵۷ھ سنہ ۹۸۸ھ

(۵) محمد قلی قطب شاہ

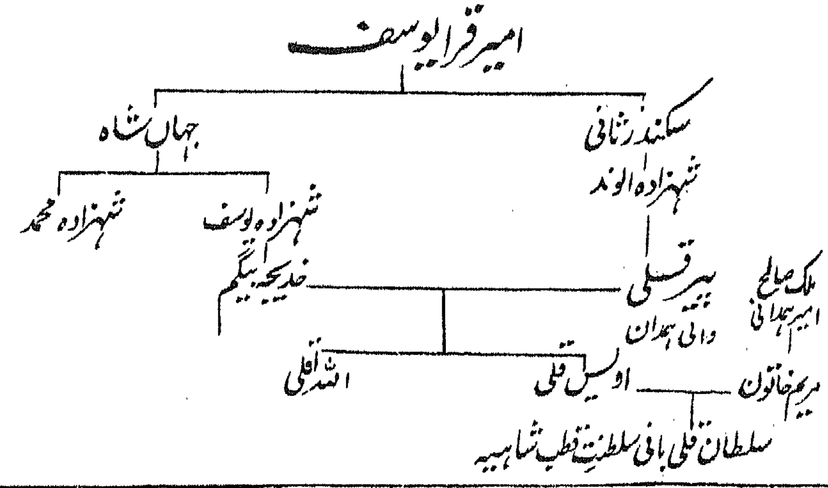
ولادت ۔ جلوس ۔ وفات
سنہ ۹۷۳ھ سنہ ۹۸۸ھ سنہ ۱۰۲۰ھ

اجداد

محمد قلی کا دادا اور بانیٔ سلطنت گولکنڈہ سلطان قلی ترکستان کے مشہور قبیلے قراقونیلو کا ایک بلند اقبال فرد تھا۔ اس قبیلے نے ترکستان کے ایک بڑے حصے اور غربی ایران پر

سالہاسال حکومت کی تھی ۔ اور اس میں سے قرایوسف، سکندر ثانی، اور جہاں شاہ جیسے افراد پیدا ہوئے تھے ۔ قرایوسف دنیا کے مشہور فاتح تیمور گورگان کا ہمعصر اور حریف مقابل تھا چنانچہ تیمور سے مقابلہ کر کے اس نے ۸۰۵ھ میں اپنے قبیلے کی آزادی برقرار رکھنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اور جہاں شاہ نے تیمور کے جانشینوں کو بارہا شکستیں دیں اور آخر کار شاہ رخ مرزا کے انتقال کے بعد ۸۶۳ھ میں تیموری تخت و تاج کا مالک بھی بن گیا ۔

جہاں شاہ نے اپنے بھائی سکندر ثانی کے پوتے پیر قلی سے خود اپنی پوتی خدیجہ بیگم کی شادی کر دی تھی جن سے اویس قلی اور اللہ قلی پیدا ہوئے ۔ اول الذکر اپنے باپ کے بعد ہمدان کا حکمران ہوا تھا اور وہیں کے ایک امیر ملک صالح کی دختر مریم خاتون سے شادی کی جس کے بطن سے سلطان قلی بانی سلسلۂ قطب شاہیہ پیدا ہوا[۱]۔ اس کے آباو اجداد کا شجرہ یہ ہے ۔



۱؎ قطب شاہی خاندان اور سلسلۂ نسب سے متعلق پروفیسر مجید صدیقی نے تاریخ گولکنڈہ میں بڑی تفصیلی اور مستند معلومات بہم پہنچائی ہیں اور گزشتہ مورخوں کے اختلافات پر وضاحت سے روشنی ڈالی ہے ۔ (دیکھو تاریخ گولکنڈہ صفحات ۹ تا ۱۹)

سلاطین قطب شاہیہ



(۱) سلطان قلی قطب شاہ

۹۲۴ تا ۹۵۰

(۲) جمشید قلی قطب شاہ ۹۵۰ تا ۹۵۷

(۳) ابراھیم قلی قطب شاہ ۹۵۷ تا ۹۸۸

(۴) محمد قلی قطب شاہ ۹۸۸ تا ۱۰۲۰

(۵) سلطان محمد قطب شاہ ۱۰۲۰ تا ۱۰۳۵

(۶) سلطان عبداللہ قطب شاہ ۱۰۳۵ تا ۱۰۸۳

(۷) سلطان ابوالحسن قطب شاہ ۱۰۸۳ تا ۱۰۹۸

جہاں شاہ کا نیر اقبال ۸۷۲ھ تک نہایت تابناک رہا۔ لیکن جب وہ بعد کو امیر حسن بیگ والی دیار بکر سے لڑتا ہوا مارا گیا تو اس کا خاندان گرفتار کر لیا گیا اور اس کے اعزہ و اقربا کو برے دن دیکھنے پڑے۔

اگرچہ پیر قلی اس دار و گیر سے بچ گیا تھا لیکن چند سال بعد جب حسن بیگ کا پوتا امیر یعقوب بادشاہ ہوا تو اس نے قدیم رقیبانہ تعلقات کی بنا پر اس خاندان کے بچے کھچے افراد کو بھی برباد کرنا چاہا۔ اس وقت سلطان قلی اس قبیلے کا چشم و چراغ تھا اور جب اس کی جان کے لالے پڑ گئے تو وہ اپنے چچا کے ساتھ ہندوستان چلا آیا۔ یہاں بیدر پہنچ کر سلطان محمود شاہ بہمنی کے مقربین میں شامل ہو گیا۔ آخر کار ۹۰۱ھ میں تلنگانہ کی صوبہ داری اور خطاب قطب الملک سے سرفراز ہوا۔ اگرچہ مرکزی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر دیگر صوبہ داروں نے محمود شاہ بہمنی کی زندگی ہی میں بغاوت کر دی تھی لیکن سلطان قلی اس بادشاہ کی زندگی تک وفادار رہا اور اس کے انتقال کے بعد ۹۲۴ھ میں گولکنڈہ کی آزادی اور سلطنت قطب شاہیہ کے قیام کا اعلان کیا۔

سلطان قلی اور اس کے جانشینوں کے حالات زندگی اور واقعات حکومت کی تفصیل بیان کرنا ہمارے لیے غیر ضروری ہے۔ صرف اس امر کا اظہار کافی ہے کہ ان بادشاہوں نے گولکنڈہ کی سلطنت میں ایک خاص انفرادیت پیدا کر دی تھی اور خاص کر ابراہیم قلی نے اپنے عہد میں اس ملک کو ایک بین قومی تہذیب و شائستگی کا مرکز بنانا شروع کر دیا تھا جس کی تکمیل اس کے فرزند محمد قلی کے ہاتھوں ہوئی۔

ابراہیم قلی اپنے بھائی جمشید قلی کی تخت نشینی کے بعد جنوب کی عظیم الشان ہندو سلطنت بیجانگر میں پناہ گزین ہو گیا تھا اور وہاں کے سات سالہ قیام کی وجہ سے اس میں ایک خاص تدبر، دور اندیشی اور وسعت نظر پیدا ہو چکی تھی۔ گولکنڈہ میں اس نے ہندو رعایا کی بڑی سرپرستی کی اور تلنگی کے شاعروں اور ادیبوں کی بھی ایسی قدردانی کی کہ قدیم تلنگی ادب میں اس کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔[1]

جس طرح ابراہیم کے دربار میں بڑے بڑے ہندو امیر اور سپہ سالار موجود تھے اس کے محلات میں بھی ہندو عورتیں شامل تھیں۔ چنانچہ خود محمد قلی کی ماں کے متعلق تاریخ ماہ نامہ میں لکھا ہے کہ وہ ایک تلنگن تھی جس کا نام بھاگ رتی تھا[2] چونکہ دوسری تاریخوں سے اس بات کی شہادت فراہم نہیں ہو سکی اس لئے اگر اس کو صحیح نہ بھی مانا جائے تو اس امر واقعہ سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ابراہیم قلی کے محل میں تلنگانے کی ہندو عورتیں ضرور موجود تھیں[3]۔ جن کے اثر سے اس کے فرزند سلطان محمد قلی نے تلنگی زبان پر اتنا عبور حاصل کر لیا کہ خود تلنگی میں شعر کہنے لگا اور اس کے علاوہ ایسا لباس اور وضع قطع اختیار کی جو اس کے آباواجداد سے مختلف تھی اور جس میں ہندوستانیت کا عنصر غالب تھا۔

ولادت

سلطان ابراہیم کو یوں تو تیس بچے ہوئے تھے لیکن چھ لڑکے اور تیرہ لڑکیاں سن بلوغ کو پہنچیں۔ لڑکوں میں صرف دو محمد قلی سے بڑے تھے یعنی عبدالقادر اور حسین قلی (سنہ ۹۶۹ تا ۹۹۴ھ)

---

[1] دیکھو مضمون پروفیسر سباراؤ صاحب مطبوعہ سب رس بابتہ فروری ۱۹۳۸ء۔

[2] دیکھو ماہ نامہ ورق ۲۹۹ تا ۳۰۷۔

[3] قطب شاہی محلوں میں تلنگانہ کے علاوہ کرناٹک اور گجرات کی ہندو عورتوں کی موجودگی کا ثبوت ملا وجہی کی قطب مشتری مؤلفہ ۱۰۱۸ھ سے ملتا ہے جس میں وہ لکھتا ہے ؎

جتیاں خوب خوش شکل تھیاں سندریاں
سو کرناٹک اور ملک گجرات کیاں وغیرہ

باقی تین یعنے مرزا عبدالفتاح (۹۷۵ھ تا ۱۰۰۳ھ)۔ مرزا خدا بندہ (۹۷۶ھ تا ۱۰۰۲ھ)۔ اور مرزا محمد امین (۹۷۹ھ تا ۱۰۰۴ھ) محمد قلی کے بعد پیدا ہوئے۔ ان میں صرف خدا بندہ، محمد قلی کا حقیقی بھائی تھا جو اس کے تین سال بعد عالم وجود میں آیا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ دونوں سگے بھائی چند ہی ماہ کے فصل سے ۱۰۰۲ھ میں فوت ہوئے۔ دوسرے بھائیوں میں عبدالقادر تو محمد قلی سے بہت ہی بڑا تھا لیکن حسین قلی سے محمد قلی صرف پانچ سال چھوٹا تھا۔

محمد قلی جمعہ کے روز پہلے پہر ۱۴ رمضان ۹۷۳ھ میں پیدا ہوا۔ تاریخ قطب شاہی کے الفاظ ہیں:

"در پہر اول روز جمعہ چہاردہم رمضان سنہ ثلث وسبعین و تسعمایہ بساعتے کہ سعود آسمان بداں تولا کند از افق ولادت طالع گردید۔" (ورق ۱۷۸ ب)

تاریخ قطب شاہی سے کئی سال قبل محمد قلی قطب شاہ کے ابتدائی حالات سے متعلق خود اس کی زندگی میں ملا وجہی نے ایک مثنوی قطب مشتری لکھی تھی۔ اس میں محمد قلی کی پیدائش کے سلسلہ میں لکھا ہے ؎

اجالا پڑا آج یوں نور کا — کہ حاجت نہیں چاند اور سور (سورج) کا
دو جگ آج نور اُ علّے نور ہے — زمیں چاند، اسماں سو سور (سورج) ہے
یو ناداں بالک نھنا لاڑ کا — نوا (نیا) پھول ہے شاہ کے جھاڑ کا

اور لکھا ہے کہ "پیدائش کے ساتھ ہی وہ اپنے ساتھ سکندر کے طالع اور خضر کی حیات لے آیا۔ آسمان نے رمال بن کر سورج اور چاند کے پانسے ڈالے اور بتایا کہ یہ لڑکا باپ سے زیادہ بخت ور ہوگا۔ اس خوش قسمت کا ہاتھ جہاں پڑ جائے گا اس جگہ کی مٹی سونا بن جائے گی۔" وغیرہ

مورخوں سے بھی ملا وجہی کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ کیونکہ انھوں نے بھی لکھا ہے کہ نجومیوں اور رمالوں نے اس شہزادہ کا زائچہ بنا کر اس کی خوش قسمتی اور عروج و اقبال کی پیشین گوئی کی۔[1] بادشاہ اس نیک خبر سے بہت خوش ہوا اور اس فرزند کا نام محمد قلی رکھا۔ وجہی لکھتا ہے۔

رکھے نام کرتار کن منگ پناہ (مانگ کر)   سُلکیھں (خوش قسمت) محمد قلی قطب شاہ

اس کے بعد شاعر نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ محمد قلی نے دائی کی گود میں کس طرح پرورش پائی اور جو دودھ وہ پیتا تھا اس میں کیا خاصیت تھی۔

جشنِ ولادت

ابراہیم قلی قطب شاہ کو محمد قلی کی پیدائش اور اقبال مندی کے آثار معلوم کر کے اتنی مسرت ہوئی کہ اس نے ایک عالیشان جشن منایا اور بقول تاریخ قطب شاہی

"چند روز بلوازم جشن و سور اشتغال نمود۔ و شعرائے بلاغت آثار را کہ اشعار آبدار در تہنیت شاہزادۂ ہمایون در سلک نظم کشیدہ بودند بصلات و تشریفات پادشاہانہ سرفراز گردانید۔ و سادات و علما و مساکین و فقرا را از خزائن اکرام و انعام چون بحر و کان تونگر ساخت۔"

اس بیان کے ساتھ ہی اس تاریخ میں کسی شاعر کا حسب ذیل قطعہ تاریخ بھی درج ہے ؎

شاہ را داد خدا فرزندے   کہ شد از دیدن او دل خرم
پئے شکرانہ شہ دریا دل   کرد با خلق بسے لطف و کرم
سال مولودش را یافت فلک   باعث روزی اہل عالم

---

[1] مورخ لکھتا ہے:۔ "منجمان استخراج زائچۂ طالع میمونش نمودہ چناں یافتند کہ یمن ولادت باسعادتش بحصول غایات امال و امانی و وصول باعلی مدارج و اقبال و کامرانی استدلال نماید و بر مراد کہ از طریق آرزو قدم بساحت امید نہد بے توقف با حسن وجہے بر منصۂ ظہور جلوہ گر آید۔" (تاریخ قطب شاہی ورق ۱۷۰ ب)

اس عظیم الشان جشن میزبانی کا بیان محمد قلی کے پہلے سوانح نگار ملا وجہی نے بھی خاص اہتمام سے لکھا ہے۔ لیکن انداز بیان شاعرانہ ہونے کی وجہ سے اس میں مبالغہ اور تلمیحوں کو بہت دخل ہے۔ اور چونکہ اس کی زبان بہت قدیم ہے اور بعض لفظ اس وقت آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے اس لئے ان کی جگہ ذیل کے اور آئندہ اقتباسات میں جہاں ممکن تھا جدید لفظ رکھ دیے گئے ہیں۔ وجہی لکھتا ہے ؎

خوشی سے جو شہ میزبانی کرے ۔۔۔ سو تر لوک کے لوگ مہمان آئے
عجب تحفے قدرت سے آنے لگے ۔۔۔ کہ دیکھ اُن ملک رشک کھانے لگے
چھپا تھا جو کچھ غیب میں آج لگ ۔۔۔ وہ ظاہر لگا دیکھنے اب ڈوجگ
نئی نعمتیں نو فلک بیچ بھر ۔۔۔ لیکر آئے ڈھو کر ملک شہ کے گھر
کہ شہ کو خوشی یہ بڑی آج ہے ۔۔۔ اندر بر اندر کاج پر کاج ہے
بیا پنجتن کا مدد لا ۓ کر ۔۔۔ سو توفیق کرتار سے پائے کر
محل شہ سنگارے جوں اس کاج کو ۔۔۔ سنوارے تھے جوں عرش معراج کو

اسی طرح مجلس آرائی اور زیب و زینت کی تفصیل بیان کی ہے اور کثیر التعداد مہمانوں کی آمد کے تذکرہ کے بعد اس تقریب میں ابراہیم قطب شاہ کی بخشش کا نہایت شاعرانہ تذکرہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔

"چونکہ اس مجلس میں فرشتے خدمت کرنے کے لئے آئے تھے اس لئے بادشاہ نے ان کو اتنا زیادہ دان دیا کہ انھوں نے سونے کا ایک نیا آسمان بنا ڈالا۔ خود آسمان کو بھی دان میں اتنا زیادہ سونا دیا گیا کہ وہ اس کو رکھنے کی جگہ ڈھونڈنے کے لئے رات اور دن چکر لگا رہا ہے۔ اور زمین کو بادشاہ نے اتنی دولت بخش دی ہے کہ وہ اس کے لئے آسمان سے جگہ مانگ رہی ہے۔"

تمام عالم کو دان دینے کے بعد خود بادشاہ نے جواہر سے بسنت کھیلی۔ محمد قلی کی پیدائش کی خوشی میں سونا اتنا وافر تعداد میں تقسیم ہوا کہ وہ اب مٹی سے بھی سستا ہو گیا۔ ملک میں موتی اس کثرت سے بکھیرے گئے کہ ہنس اب خشکی میں آکر چرنے لگے ہیں۔ سونا اپنی بے وقعتی کے غم میں پیلا ہو گیا" وغیرہ

مکتب

اس کے بعد وجہی نے محمد قلی کے مکتب میں بٹھائے جانے کا ذکر کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں کہتا ہے ؎

جو استاد دیوے سبق نت ملک　　پڑے ذہن سے شہ اپے نت ملک

آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ "شہزادہ کا ذہن اتنا چالاک تھا کہ خود استاد کو سبق دینے لگتا اور آخر کار استاد نام کو رہ گیا تھا۔" اس مکتب کی تعلیم کا نتیجہ اس آخری شعر میں بتاتا ہے کہ ؎

یوں مکتب میں شہ بیٹھ سب دین بیس[۲۰]　　ہوا عالم و شاعر و خوشنویس

یہ تو ایک شاعر کا بیان ہے لیکن محمد قلی نے خود اپنی تعلیم اور علم کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ آئندہ ایک عنوان "تعلیم و تربیت اور عاشق مزاجی" کے تحت لکھا جائے گا۔ وجہی کے بیان سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی زیادہ عرصہ تک مکتب میں نہیں بیٹھا اور یہ کہ اس نے مکتب ہی کے زمانے سے شاعری شروع کر دی تھی اور دوسرے یہ کہ خوشنویسی بھی اس کو سکھائی گئی تھی۔

آغازِ شباب

بچپن اور مکتب کے ذکر ہی میں وجہی نے محمد قلی کا حلیہ بھی لکھ دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدا ہی سے بہت خوشرو اور چھریرے بدن کا تھا۔ اس کا رنگ سفید، بال سیاہ، دہانہ چھوٹا اور آنکھیں بڑی تھیں۔ محمد قلی کی جو تصویریں ملتی ہیں ان سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

بدن سیم، قد سرو جوں راست ہے ۔۔۔ کہ صورت میں یوسف سے بھی زیاد ہے
چھپا سور (سورج) یوں اس کے مکھ نور انگے (آگئے) ۔۔۔ کہ جوں چاند چھپتا اہے سور انگے
زلف لام، الف قد، دہن میم ہے ۔۔۔ یہ خوبی سو اس کی ہی تقسیم ہے

حلیے کے بعد ہی شباب کی آمد آمد کے ساتھ محمد قلی میں جو کیفیتیں پیدا ہوئیں تھیں ان کا بیان بھی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں بھی وجہی نے بڑا شاعرانہ کمال دکھایا ہے ہم یہاں ان کا خلاصہ لکھے بغیر چند منتخب اشعار ہی پیش کر دیتے ہیں ؎

جوانی کے دریا کو آیا ادھان ۔۔۔ محمد قطب شہ ہوا اب جوان
اتا (اتنا) زور تھا اس کے اک دست (جوش) سوں ۔۔۔ اٹھا کر پچھاڑے متے ہست (مست ہاتھی) کوں
عجب جان ہمت ماتا ہے وہ ۔۔۔ کہ باگاں سے پنجہ ملاتا ہے وہ
اگر شاہ خنجر لیوے ہاتھ میں ۔۔۔ اُدھیڑے پکڑ باگ کو بات میں
اگر سخت فولاد سے ہوئے جھاڑ ۔۔۔ سٹے پیڑ سے اس کو جڑ سے اکھاڑ
کرے زور تعلیم خانہ منے (میں) ۔۔۔ وہ تنہا ہی تھا اس زمانے منے (میں)

اس آخری شعر اور اس کے بعد کے اشعارِ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی کے زمانے میں بھی ورزش جسمانی کے لئے "تعلیمیں" (یعنی ورزشی اکھاڑے) ہوتی تھیں۔ جن میں کشتی اور دوسرے جسمانی کرتب سکھائے جاتے تھے۔ چنانچہ محمد قلی نے بھی ایک "تعلیم خانہ" میں کشتی لڑنے میں مہارت پیدا کی تھی۔ خوشنویسی اور کشتی سے محمد قلی کو جو دلچسپی تھی اس کی طرف کسی مورخ نے بھی اشارہ نہیں کیا اور تاریخوں میں ایسے امور درج بھی نہیں کیے جاتے۔

اوائلِ شباب کی صحبتیں اور رندی و مستی	شباب کے بیان کے ساتھ ہی وجہی نے محمد قلی کی مجلس آرائیوں

اور ہم صحبتوں کا تذکرہ شروع کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی کی مصاحبت کے لئے بچپن ہی سے خوش رو اور خوش طبع وزیر زادے متعین کر دیے گئے تھے۔ جن کی تعریف وجہی نے ان الفاظ میں کی ہے ؎

ہر اک خوبصورت، ہر اک خوش لقا — سو ہر ایک دلکش، ہر اک دل ربا
وجاہت کے ساماں میں جم جم ہیں جوں — شجاعت کے کاموں میں رستم ہے جوں
ہر اک خوش طبع اور عاقل اچھے — ہر اک خوش فہم اور فاضل اچھے
ندیم اور مطرب سگھڑ، فہم دار اچھے — اتھے شہر سے مل کر یہ سب ایک ٹھار

لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود یہ نوجوان غالباً سب کے سب شراب کے عادی تھے۔ کیونکہ ساتھ ہی وجہی نے مجلس سرور کا ایک بڑا نفیس مرقع پیش کیا ہے۔ اور اس مقام کے علاوہ ایک اور جگہ بھی محمد قلی کی شراب نوشی کی بڑے کمال سے تعریف کی ہے اور کہتا ہے ؎

شراب اُس بہت تند اور تیز تھی — عجب آب وہ آتش آمیز تھی
فرشتے اگر آئیں آ کا س سے — پڑیں بھٹس اُپر مست ہو باس سے
جو یک بُند ہوے کوئی تو سینے کو لگ — اُٹھے آگ زمین تلوں سے تا رخ فلک
جو قطرہ سٹے آگ میں ایک کوئے — تو سر پاوں لگ آگ جل راکھ ہوئے
خصالت عجب گرم رکھتے ہیں شہ — کہ ایسی شراب ہضم کرتے ہیں شہ
کہ مے خوار پختہ ہے شہ، خام نیں — مد ایسا پیتے دوسرے کو کام نیں
صفت یہ جو شہ بے خبر نیں ہوتا — جتا پیتے بھی کچھ اثر نہیں ہوتا
درست رہ ہر اک بات گفتار میں — خطا کھانے نا کار اور بار میں

آخری اشعار میں محمد قلی قطب شاہ کی دیرینہ رندی اور مے پرستی کی بڑی سچی تصویر کھینچی ہے اور بادشاہ کے تیز سے تیز شراب کو بغیر اثر لیے پی جانے پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ

محمد قلی کی کثرتِ مے نوشی کا تمام ملک میں چرچا تھا اور شاعر نے بھی اس کے اظہار میں کوئی جھجک نہیں محسوس کی۔

غرض عنفوانِ شباب ہی سے محمد قلی کو شراب کا چسکا لگ چکا تھا۔ اور اسی کی کثرت کی وجہ سے آخر کار اس کی صحت خراب ہوئی اور اس نے انتقال کیا جیسا کہ "وفاتِ محمد قلی" کے عنوان کے تحت بیان کیا جائیگا۔

شباب اور شراب کے ساتھ ہی محمد قلی کی توجہ کا عورت کی طرف منعطف ہونا ضرور تھا چنانچہ وجہی نے اپنی پوری کتاب اسی عاشقی کے بیان کے لئے وقف کر دی ہے۔ وہ محمد قلی کے عین عنفوانِ شباب میں بھاگ متی کے ساتھ مشہور معاشقہ کے واقعات کو پیرایہ بدل کر بیان کرتا ہے صاف صاف بھاگ متی کا نام لینے اور اصل واقعہ کو بعینہٖ بیان کرنے میں وہ لطف پیدا نہ ہوتا جو اب وجہی نے قطب مشتری کے قصہ میں پیدا کیا ہے۔ وہ اس مقولہ پر عمل پیرا تھا کہ ؎

بہتر آں باشد کہ سرِ دلبراں — گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

جس وقت وجہی یہ کتاب لکھ رہا تھا بھاگ متی فوت ہو چکی تھی لیکن کے ساتھ بادشاہ کی جانبازانہ محبت کا افسانہ لوگوں کو یاد تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ محمد قلی کے پختہ کارانہ جذبۂ محبت نے اس کو جریدۂ عالم پر ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیا ہے۔ ایک ایسی اہم تاریخی داستانِ عشق قلمبند ہوئے بغیر رہ گئی تھی اور بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ وجہی جیسے صاحبِ کمال نے اس پر قلم اٹھایا اور اس واقعہ کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ اگرچہ اس میں بھاگ متی کا نام مشتری رکھا ہے اور اس کو چھلم کی رقاصہ کی جگہ بنگال کی شہزادی بتایا ہے لیکن اس سے اصل قصہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وجہی نے مجاز کے پیرائے میں حقیقت کی کامیاب ترجمانی کی ہے اور محمد قلی کے جذبۂ محبت کی شدت اور عزم و ارادہ کی پختگی کی نہایت خوبی سے ترجمانی کی ہے۔

جوانی و رعنائی

چونکہ محمد قلی کی عشق عاشقی اور عیش و عشرت کا تذکرہ ہم آئندہ خود اس کے کلام کی شہادت کے ساتھ پیش کرنا چاہتے ہیں اس لئے اس کے عنفوان شباب کے بیان کو اس کی جوانی کی رعنائیوں کے علاوہ نازنینان حرم کے لئے اس کی شخصیت میں جو موہنی تھی اسکے تذکرہ پر ختم کرتے ہیں ۔

تخت نشینی کے وقت اسکی عمر پندرہ سال کی تھی اور وجہی نے ذیل کے اشعار میں اسکے عالم شہزادگی کی یوں تصویر کھینچی ہے ؂

محمد قلی فرزند اِس راج کا — کہ لائق ہے وہ تخت اور تاج کا
یکس سے سو یک خوب ہیں سندریاں — دیوانی ہیں اُس کی سو حور و پریاں
جو کچھ نور شہ مکھ چندر میں اہے — نہ جن، نے پری، نہ بشر میں اہے
پریاں شاہ کے عشق کی پا امنگ — پڑیں شہ اپر شمع پر جوں پتنگ
جو انگلی چکل جب پہ دھرتا اہے — تو سوراخ شہ سنگ میں کرتا اہے
لگا عشق لاکھ استریاں لاکھ دھات — دیوانی ہو پھرتی ہیں اسکے سنگات
ہوا ظاہر اس کا حسن یاں تلک — کہ یوسف کی خوبی کو بھولا ہے جگ
جہاں پاؤں دھر شاہ چلتا اہے — وہاں آب زم زم ابلتا اہے
جو شہ باغ میں ٹک تماشے کو جائیں — تو بن رت (موسم) جھاڑاں پھلاں بار لائیں
شہنشہ کے دیدار کے نور سے — سو کتے جھاڑ ہرے ہوئیں پھر سرسے

واقعہ یہ ہے کہ ملا وجہی نے محمد قلی کے عالم شہزادگی کے جملہ منازل (یعنی ولادت، ایام شیر خوارگی، مکتب، ورزشی تعلیم، مصاحبین، رندی و مستی کے جلسوں، اور معشوقاؤں کی فریفتگی) پر اس خوبی سے روشنی ڈالی ہے کہ اس کے بیان میں اضافہ کرنا کسی مورخ کے بس کی بات نہیں ہے ۔

(۲)

تخت نشینی

محمد قلی کے باپ ابراہیم قلی قطب شاہ نے پنجشنبہ ۲۱ ربیع الثانی ۹۸۸ھ عصر کے وقت[1] انتقال کیا۔ اسوقت محمد قلی کی عمر ۱۴ سال سات مہینے آٹھ دن کی تھی۔ فرشتہ نے بالکل غلط لکھا ہے کہ "در سن دوازدہ سالگی مسند فرماندہی تلنگ بعد وجود خویش بیارات"

یہ عجیب بات ہے کہ محمد قلی کے بڑے بھائی حسین قلی کے موجود ہوتے ہوتے ہوئے محمد قلی کو تخت شاہی نصیب ہوا۔ حالانکہ حسین قلی ہی ولیعہد سلطنت تھا اور اسی خیال سے ابراہیم قلی قطب شاہ کے میر جملہ اور وزیر مطلق میر شاہ میر نے اس سے اپنی لڑکی منسوب کی تھی[2]۔ اسکے علاوہ حسین قلی نالائق اور معذور بھی نہ تھا کیونکہ خود تاریخ قطب شاہی کے الفاظ ہیں کہ:-

"بزیور علم و فضل آراستہ بود۔ و از علم حکمت و منطق بہرہ تمام داشت۔ و در وقت وفات شہریار بیست سالہ بود۔"

بیس[3] سال کے شہزادہ کی موجودگی میں چودہ پندرہ سال کی عمر کے لڑکے کو تخت نشین کرنے کے کوئی نہ کوئی اسباب ضرور تھے جب کہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ بڑا بھائی حسین قلی عالم و فاضل تھا اور سلطنت کے سب سے بڑے عہدہ دار کی لڑکی بھی اس سے منسوب تھی۔ اور اس کے مقابلے میں بہت کم عمر ہونے کے علاوہ محمد قلی صاحب علم و فضل بھی نہ تھا جیسا کہ آئندہ "تعلیم و تربیت اور عاشق مزاجی" کے عنوان کے تحت خود اس کے بیان سے بھی ثابت ہو گا۔

حسین قلی کے تخت و تاج سے محروم رہنے کا سب سے بڑا سبب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کی وفات کے وقت

---

[1] تاریخ قطب شاہی ورق ۱۰۷۔ سلطان ابراہیم کی قبر پر محمد قلی نے صحیح تاریخ کندہ کرائی ہے یعنی یوم الخمیس الحادی والعشرین من شہر ربیع الثانی سنہ ثمان و ثمانین و تسع مائتہ من الہجرۃ النبویہ۔ [2] دیکھو برہان مآثر صفحہ ۵۳۵۔

اس کا میر جملہ میر شاہ میر طباطبا اور اس کے جملہ طرفدار و ماتحت پایۂ تخت سے باہر معرکہ نلدرگ میں مصروف تھے۔ اور گولکنڈہ میں وہی امراء عماید موجود تھے جو شاہ میر کے مخالف تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ اس کا ہونے والا داماد حسین قلی تخت نشین ہو۔ کیونکہ اس کی وجہ سے شاہ میر کا اقتدار اور بھی بڑھ جاتا تھا۔ اور یہ غیر ملکی اقتدار تھا جس کو توڑنے کی اہل ملک برابر کوشش کر رہے تھے چنانچہ محمد قلی کی تخت نشینی کے بعد ان کی یہ کوششیں ان کی توقع کے مطابق کامیاب بھی ہوئیں اور شاہ میر معزول کر کے گولکنڈہ سے نکال دیا گیا۔ اس واقعہ سے گولکنڈہ کے تمام غیر ملکی امراء اور سپاہیوں کی کمر ٹوٹ گئی کیونکہ شاہ میر گولکنڈہ میں غیر ملکیوں کا اثر و اقتدار بڑھانے میں شروع ہی سے کوشاں تھا۔

صاحب برہان مآثر لکھتا ہے :۔

"چوں خبر گرفتن شاہ میر صافی ضمیر در لشکر منتشر شد تزلزل در اساس صبر و تحمل غریباں کہ روئے رزم قطب شاہ بودند راہ یافتہ پائے ثبات و قرار شاں از جائے رفت ..... چوں اکثر دلیران سپاہ قطب شاہ غریب بودند واز گرفتن میر شاہ میر پریشان خاطر" (ب۔ م صفحہ ۹۳۶۔)

اس واقعہ کی نسبت محمد قلی کی شادی کے بیان میں تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

حسین قلی کی محرومی اور محمد قلی کی تخت نشینی میں راے راؤ ہن کا بھی بڑا دخل معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ ابراہیم کا بہت چہیتا تھا اور آخر زمانے میں ابراہیم نے اس کو امور مملکت میں مطلق العنان بنا کر بہت بڑا مرتبہ عنایت کیا تھا جسکی تفصیل قطب شاہی تاریخ میں اس طرح درج ہے :۔

"شہریار بعد روانہ فرمودن سیادت پناہ میر شاہ میر جہت امداد افواج نظام شاہی، رائے راؤ نام برہمنے را کہ بجمال صورت معروف بود و بکمال معنی موصوف، در امور مملکت مطلق العنان گردانیدہ عزیز الملک و شریف الملک، دیر لاس خاں، افضل خاں، جمعے از مردم معتبر را با دہ ہزار پیادہ، دہ ہزار نفر مشتعلچی، و نوبت و نقارہ متعین او فرمود و ہر روز پاو سیر مشک و عنبر و عود، دو من صندل و انواع خوشبوئی، و چند ہزار برگ تنبول برائے او مکرمت می شد۔ و قرب او باقصی الغایت رسید"

رائے راؤ بھی اپنے آقا کا بے حد وفادار اور خیر خواہ تھا چنانچہ ابراہیم کو خوش کرنے کے لئے اس نے سرحد مرتضیٰ نگر پر حملہ کر کے چار لاکھ ہون نقد و بیش قیمت طلائی و نقرئی بت معہ جواہر و لآلی اور سیکڑوں گراں بہا تحفے لے آیا۔ بادشاہ اس خزانے کو دیکھ کر بیمار پڑ گیا یہاں تک کہ اسی مرض میں اس کا انتقال ہوا۔ بیماری کے زمانے میں رائے راؤ سے زیادہ اور

کوئی شخص بادشاہ کا مقرب خاص نہ تھا اور اسی نے بادشاہ کو رائے دی ہوگی کہ محمد قلی کو اپنا جانشین نامزد کرے کیونکہ ممکن ہے کہ ماہ نامہ کی روایت کے مطابق محمد قلی کی ماں ایک ہندو عورت بھاگیرتی ہو۔ اور اس لحاظ سے حسین قلی کے مقابلے میں اس کو محمد قلی سے ایک گونہ تعلق خاطر ہوسکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ حسین قلی بادشاہ ہوگا تو اس کے حریف مقابل امیر شاہ میر اور اس کے طرفداروں کو عروج ہوگا اور خود رائے راؤ کا وہ درجہ باقی نہ رہے گا جو اس وقت ابراہیم قلی کی عنایت سے نصیب ہوا تھا۔

غرض رائے راؤ کی تحریک ہو یا کسی اور کی اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ خود ابراہیم قلی نے بغاوت سے قبل محمد قلی کی جانشینی کی وصیت کی تھی چنانچہ برہان مآثر میں وضاحت سے لکھا ہے:۔

"چوں آں بادشاہ حمیدہ خصال آثار انتقال از ناصیۂ احوال خویش تفرس فرمود شایستہ سریر سلطنت وزیور اورنگ قطب شاہی محمد قلی قطب شاہ را کہ از سایر اولادش بمزید کیاست وفراست وزیور سخاوت وشجاعت منفرد بود طلب فرمودہ وصیت لاتعد ولاتحصی باآں فرزند ارجمند بجائے آوردہ ولیعہد خویش ساخت۔ آنگاہ امرا و سران سپاہ را طلبیدہ بمبایعت ومتابعت آں سرو جویبار سلطنت امر فرمود" (ب۔م۔ ۵۲۷)

اس بیان کی تصدیق وجہی کی قطب مشتری سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ لکھتا ہے کہ ؎

دیا شاہی اپنی قطب شاہ کو   کہ بوڑھا ہوا میں کر اب راج تو
قطب شہ کو شاہی مقرر ہوئی   کہ باپ اور بیٹے میں نہیں کچھ دوئی

ان سے پہلے کے اشعار میں وجہی نے اپنے قصہ کو زیادہ موثر بنانے کے لئے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابراہیم قطب شاہ نے خود اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے کو تخت نشین کر دیا۔ جس کے لئے نجومیوں سے نیک ساعت دریافت کی گئی اور اس تقریب کی خاطر تمام شہر اور محلات شاہی کو آراستہ کیا گیا۔

قطب شاہی تاریخ سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم قلی کی تجہیز و تکفین کے بعد تمام امرا و عمایدین کے اجماع سے محمد قلی تخت نشین ہوا۔ یہ اجماع بھی یقیناً ابراہیم قلی کی وصیت کی بنا پر پیدا ہوا ہوگا۔

جشن تخت نشینی اور انعام و اکرام

محمد قلی کی تخت نشینی کو گولکنڈہ کے ہندو اور مسلمان امرا اور باشندوں نے اپنی

ذاتی کامیابی سمجھ کر بڑی خوشیاں منائیں۔ برہان مآثر میں اس مسرت و کامرانی کا تذکرہ ان الفاظ میں درج کیا ہے:۔

"چوں امرادارکان دولت از لوازم تجہیز و تکفین آنحضرت فراغت یافتند بملازمت آں نوبادۂ بوستان سلطنت شتافتہ درساعتے کہ مایہ بخش سعادت و زینت دہ بخت و دولت بود آں فرازندۂ سریر جہاں بانی رابرتخت کامرانی نشانیدہ جشنے بآئین سلاطین پیشین ترتیب و تزئین دادہ آوازۂ عیش و عشرت بساکنان افلاک رسانیدند۔ امرا و اعیان بمراسم تہنیت و لوازم نثار افشانی قیام نمودہ چندروز بردوام بہ بسط و بساط انبساط گزرانیدند" (صفحہ ۵۲۸)

تاریخ قطب شاہی میں ملک کے عام باشندوں کی مسرت و اطمینان کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:۔

"جمہور انام از خواص و عوام زبان تہنیت کشودند و بادائی مراسم دعا و ثنا قیام نمودند"

خود محمد قلی کے لئے بھی اس سے بڑی خوشی کا دن اور کوئی نہ تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ وہ جمعہ ہی کے دن پیدا ہوا تھا اور اس کو جمعہ ہی کو تخت شاہی نصیب ہوا۔ چونکہ یہ غیر متوقعہ کامرانی تھی اور یوں بھی فطرتاً سخی اور کشادہ دل پیدا ہوا تھا اس لئے محمد قلی نے دل کھول کر انعام و اکرام تقسیم کیا۔ امیروں، سپاہیوں، سیدوں، اور عالموں کو تو خلعتیں اور بڑے بڑے انعامات دیئے لیکن عوام غربا اور مساکین کو بھی اپنی خیرات اور بخشش سے محروم نہ رکھا بلکہ اتنا دیا کہ اس روز سے اس کی رعایا و برایا فارغ البال و مرفہ الحال ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی کم عمری کے باوجود عدل و انصاف کی طرف خاص طور پر توجہ کی۔ اور شاہانہ جاہ و جلال اور شان و شکوہ میں بھی فرق نہ آنے دیا۔ کم عمر بادشاہوں پر بالعموم امرا غالب آجاتے ہیں اور ہر امیر اپنا اثر و اقتدار بڑھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن محمد قلی نے کسی کو اپنے حد سے بڑھنے نہ دیا۔ یہ اس کی تدبر و فراست کی آزمائش کا وقت تھا اور محمد قلی کی اقبال مندی نے ابتدا ہی سے اس کو ہر امتحان میں کامیاب اتارا۔ وجہی نے اس کی تخت نشینی کے تذکرہ کے بعد اس کی حکمرانی کا تذکرہ اس طرح کیا ہے ؎

کتے پادشاہی کیا نیں ہے یوں (کسی نے نہیں)	کہ کرتا ہے اب قطب شاہ جوں
یا شہ کے انصاف سے یوں دکھن	کہ بستا ہے پانی سے جوں پھول بن
شہی جوں کئے شاہ عالیجناب	نہ دارا کیا دوں، نہ افراسیاب

شہنشاہ غازی قطب شاہ تو   شہاں سب ستارے کہ ہے ماہ تو
ترا عدل ایسا ہے ائے جگ ادھار   کہ آگ اور پانی رہے ایک ٹھار
محمد قطب شہ ترا ناؤں ہے   ہما سو ترے پاؤں کا چھاؤں ہے
تو دانی تو گیانی تو دا تار ہے   تو فاضل تو کامل تو اوتار ہے
تو ایسا سخی ہے ترے وہم سے   دریا لائے کف منہ اپر شرم سے

چتر شاہی محمد قلی نے اپنے کلام میں جگہ جگہ قطب شاہوں کے سرکاری[1] نیلگوں رنگ کا ذکر کیا ہے۔ اس کو بڑا فخر تھا کہ خدا نے اس کو آسمانی رنگ کے چتر کے نیچے بیٹھنے اور آسمانی رومال اوڑھنے کا موقع دیا۔ وہ کہتا ہے کہ چونکہ میرا ستارا تمام ستاروں میں پاک و صاف تھا اس لئے مجھ پر آسمانی رنگ کا چتر لگایا گیا۔ اس سلسلہ کے شعر ہیں ؎

مرا قطب تارا ہے تاریاں میں مُحصّل   تو مجھ پر فلک رنگ کا چتر چھایا
نبی صدقے قطبا کے سر پر سدا   گگن رنگ کا چتر چھایا دسے
تانے ازل تجھے مجھ پہ گگن رنگ کا چتر   پیاریاں پریاں سو ماوے اپر اور رومال عید

ایک نظم میں اس نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ جب وہ آسمانی رنگ کے چتر کے نیچے تخت شاہی پر بیٹھا تو ہرے اور لال رنگ رکھنے والے بادشاہ قدمبوس ہوئے اور ہندو راجہ دونوں طرف ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوئے۔ اس کے شعر ہیں ؎

تخت پر جو شہ بیں رانے جگت سب   دیکھت چتر سمائی شہ کا جوں اسمان
دھر یا سب زکی وقت میں شہ کو سبز جو تیں   ہرے لال برداں کے ہر اک ملوکاں
جب آ شہ ملوکاں سوں مجلس بھرادیں   کھڑے ہوئیں دو رست جوڑ ہت ہندو راجاں

چتر کے علاوہ محمد قلی نے آسمانی رنگ کا شاہی رومال اوڑھنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کا شعر ہے:۔

ہے محمد قطب شہ بندہ علی کا کمترین   تو ازل تھے اوڑنے ہیں منج سر پہ آسمانی رومالا

---

[1] ابراہیم قلی قطب شاہ نے بیجانگر میں ایک امیر عنبر خاں حبشی سے مقابلہ کر کے اس کا نشان چھین لیا تھا جو اسمانی رنگ کا تھا اسوقت سے قطب شاہی نشان نیلگوں رنگ کا قرار دیا گیا اور محمد قلی نے اس رنگ پر اتنا زور دیا کہ یہی رنگ آخر تک اس سلطنت کا شاہی رنگ رہا۔

(۳)

لقب اور تخلص

تخت نشین ہونے کے بعد محمد قلی نے "ابوالمظفر سلطان محمد قلی قطب شاہ" اپنا لقب قرار دیا۔ چنانچہ اسی لقب سے وہ قطب شاہی تاریخوں میں یاد کیا جاتا ہے۔ اور اس کے زمانے کے کتبوں میں بھی یہی لقب کندہ ہے۔ چنانچہ بادشاہی عاشور خانہ کی غربی دیوار میں اس نے کارکاشی میں جو کتبہ بخط طغری سنہ ۱۰۰۳ھ میں منقوش کرایا ہے اس میں بھی یہی لقب درج ہے۔

اس سرکاری لقب کے علاوہ خانگی تحریروں میں محمد قلی ہمیشہ "غلام علی محمد قلی قطب شاہ" لکھا کرتا تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۰۰۱ھ میں جب اس نے گولکنڈہ میں حسینی علم استادہ کیا تو یہی لقب اس میں بطور مشبک لکھا گیا ہے۔ محمد قلی کے اس لقب کی تقلید میں اس کے داماد اور جانشین سلطان محمد نے اپنی مہر میں "بندۂ شاہ نجف سلطان محمد قطب شاہ" کندہ کرایا تھا۔

محمد قلی کو فخر تھا کہ وہ ازل سے محمدؐ کا قلی یا غلام ہے۔ اور اسی غلامی کی وجہ سے وہ دنیا میں سرخرو ہوا۔ اسی امتیاز اور فخر کے اظہار سے پورا کلیات بھرا پڑا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دوسرے بادشاہ اپنی سلطنت اور مال و دولت پر فخر کرتے ہیں لیکن میں صرف محمدؐ کے نام اور ان کا غلام ہونے پر فخر کرتا ہوں۔ کیونکہ محض اسی وجہ سے میں بچپن سے کامیاب ہوں اور آج ایک اقبال مند بادشاہ۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

بادشاہاں کرتے ہیں آپ مال پر جگ میں بڑائی — تج محمد ناوں تھے ہے تاج دولت خسروانی
اسم محمد تجھے اہے جگ میں سو خاقانی تجے — بندہ نبیؐ کا جم اہے بہتی ہے سلطانی تجے
محمد کی غلامی تھے محمد قطب شہ شہ ہے — اسی برکت تجھے دایم سب خواج کون بلا دیتا
نبیؐ کی غلامی میں ہیں قطب شہ — صفت اس کے ہے ناوں کی چاروں کھنڈ
محمدؐ کا غلامی تج خطاب سر بلندی ہے — سورج کرناں سوں باندے سایہ باں ہم عبید ہم نور و
کرتا ہے شاہی قطب محمدؐ کے ناؤ تجے — تو داس ہور ہیا ہے محمدؐ کے گھرا کا س

اسی طرح کے چند مصرعے یہ ہیں ع

نبی کا ناؤں ہے تیرا محمد قطب شہ ناڈر

محمدؐ ناؤں دل میں رکھہ محبت سوں محمد توں

محمد بال ہیں تجھے ہے محمدؐ کے غلاماں میں

سدا ہے داس محمد قلی محمدؐ کا

نبیؐ صدقے میں ہوں محمد غلام

تج محمد ناؤں تجھے سہتا ہے تاج احمدی

اپنے نام پر فخر کرتے اور اس کو باعث برکت سمجھنے کے ساتھ ہی اس کو اس بات کی بھی ہمت ہے کہ وہ ابراہیم (قلی قطب شاہ) کا تیسرا فرزند ہے اور جس طرح ابراہیم کے فرزند اسمٰعیل کی خدائے تعالیٰ نے نگہبانی کی اور قربان ہونے سے بچا لیا اسی طرح اس کو بھی ہر آفت و مصیبت سے بچا لیگا چنانچہ عید قرباں کے موقع پر ایک نظم میں ابراہیم کے فرزند ہونے اور محمدؐ کے ہم نام ہونے کی سعادتوں کو اس حسن و خوبی سے بیان کیا ہے ؎

توں ابراہیم کا فرزند تجے تج دوستاں سوں مل　　جوں اسمٰعیل کوں خنی پیاریوں دایم نگہباں ہے

جو کوئی تج سات یک چت نیں سو دشمن ہے محمد کا　　جو دشمن ہے محمد کا سدا خوار ہور پریشاں ہے

دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں محمد سے خود یعنی محمد قلی مراد لیا ہے اور دوسرے مصرعے کے محمدؐ سے آنحضرت پیغمبر اسلام۔ یہ محمد قلی کا شاعرانہ کمال ہے۔

اصل نام کے علاوہ سلطان محمد قلی نے اپنے کلام میں اپنے نام کی وہ تمام شکلیں بطور تخلص قلمبند کردی ہیں جو اس کی زندگی میں اس کے لئے مستعمل ہو سکتی تھیں۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی شخص کو مخاطب کرنے والے مختلف حیثیتوں کے لوگ ہوتے ہیں اور ہر شخص کا طریقۂ تخاطب جداگانہ ہوتا ہے۔ بڑے اور بزرگ ایک طرح سے نام لیتے ہیں۔ برابر کے لوگ دوسری طرح سے پکارتے ہیں اور کم رتبے کے لوگوں کا مخاطب کرنے کا طریقہ اور ہی ہوتا ہے۔ بے تکلف دوستوں اور معشوقوں کے طریقۂ تخاطب کی نسبت تو کچھ لکھا ہی نہیں جا سکتا۔ بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی نے ہر ایک کے طریقۂ تخاطب کا لحاظ رکھا اور جس جس نام سے لوگ اس کو پکارتے تھے

ان سب ناموں کو اپنے کلام میں تخلص کے طور پر لکھ ڈالا۔ شاید ہی کسی زبان کا کوئی شاعر ہو جس نے اپنے کلام میں اپنے نام یا تخلص کو اتنی طرح سے استعمال کیا ہے۔ کلیات محمد قلی میں حسب ذیل ۱۷ تخلص ملتے ہیں :-

۱۔ محمد ۲۔ محمد شاہ ۳۔ محمد قلی ۴۔ محمد قطب ۵۔ قطب ۶۔ قطب زماں
۷۔ قطب شہ ۸۔ محمد قطب شہ ۹۔ محمد قطب شہ غازی ۱۰۔ محمد قطب شہ راجہ
۱۱۔ محمد قطب شہ سلطان ۱۲۔ قطب شہ نواب ۱۳۔ معانی ۱۴۔ قطب معنی ۱۵۔ قطب معنا
۱۶۔ قطب معانی ۱۷۔ ترکمان۔

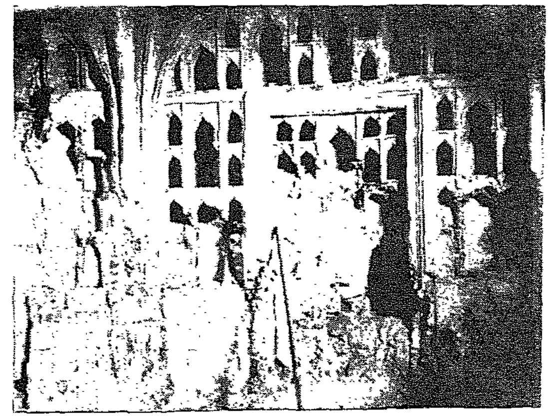
ان میں سب سے زیادہ معانی، قطب، قطب شہ اور ترکمان استعمال ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد قلی نے اصل میں اردو شاعری کے لیے معانی، فارسی کے لیے قطب شہ، اور تلنگی کے لیے ترکمان تخلص اختیار کئے تھے۔ کیونکہ اس کے قدیم ترین اردو دیوان میں تقریباً ہر غزل کے مقطع میں معانی تخلص موجود ہے۔ فارسی دیوان چونکہ دستیاب نہیں ہوا اس لئے وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے فارسی شاعری میں کونسا تخلص زیادہ استعمال کیا ہے۔ اسی طرح تلنگی دیوان بھی دستیاب نہیں ہوا لیکن لفظ ترکمان چونکہ تلنگی میں بھی مستعمل ہے جس کے معنی مسلمان کے ہیں اس لئے یقینی ہے کہ یہ لفظ تلنگی شاعری میں تخلص کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ اگر محمد قلی کی ماں بھاگ رتی تھی تو بہت ممکن ہے کہ یہ تلنگن ماں جیبیں اپنے بچہ کو محبت سے ترکمان پکارتی ہو اور اس بچہ نے بڑا ہو کر اسی عرف کو تخلص قرار دے لیا ہو۔

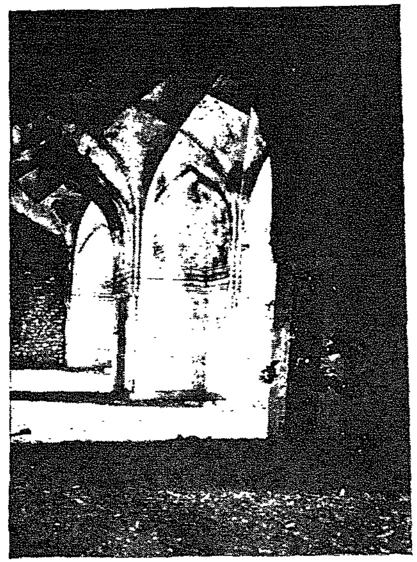
اردو کلام میں محمد قلی نے صرف آٹھ دس جگہوں پر لفظ ترکمان بطور تخلص استعمال کیا ہے۔ ایک نظم میں اپنے سہرا باندھنے کا ذکر کرتے ہوئے پہلے ایک شعر میں نام لکھا ہے اور آخر یا مقطع میں تخلص۔ وہ شعر یہ ہیں :-

محمد قطب شہ راجا اپن سر | محمد نانوں نے باندھیا ہے سہرا
نبی صدقے سدا کہتا ترکماں | کہ منج سرتاج ہے حضرت امیرا

اور ایک نظم میں اسی طرح دونوں تخلص استعمال کیے ہیں :-

بندہ آنمارا ترکماں تج واس ہے دونوں جہاں | منگتا سدا امن واماں تمنا تھے قطبا یا علیؑ
تم سے





قلعہ گولکنڈہ میں بالاحصار کے محلات شاہی کے وہ حصے جن میں محمد قلی پیدا ہوا
اور جہاں اسکی تربیت ہوی -



محمد قلی قطب شاہ

میلاد النبی کی ایک نظم میں اپنا پورا لقب اور تخلص ترکماں ساتھ ساتھ استعمال کرتا ہے ؎

گنائے نبی کے جو مولود اتداں ہمایوں محمد قطب شہ ترکماں

دوسری مختلف نظموں اور غزلوں کے مقطعے یہ ہیں ؎

نبی صدقے ہے ترکماں واس امام ہوا او جگت نپ سوال و جواب

نبی صدقے گنایا ہے ترکماں آج مہروانی علی صدقے سے دو جگ میں بلند اسکے سناتے ہیں

صدقے نبی ترکماں جم راج کرتوں عیشاں
شاہ علی نبی تھے منگ تج شہی ولایا

جب نبی صدقے ہوا ہے داس قنبر کا قطب
دو جگت میں ہیں ترکماں عاقبت محمود کا

دوسرے تخلصوں اور خاصکر معانی اور قطب شہ کے متعلق تفصیلی بحث آئندہ ایک عنوان ''کلیات کے نسخے'' کے تحت درج ہے۔

(۴)

تعلیم و تربیت اور عاشق مزاجی

معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی اپنے دوسرے بھائیوں سے تعلیم میں کم درجہ تھا۔ اس کے بڑے بھائی شاہ عبدالقادر کے متعلق وضاحت سے تو معلوم نہ ہو سکا اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ علم و فضل سے بہرہ ور تھا اور انہی خصوصیات کی وجہ سے بیدر کے مشہور و معزز مشائخ خاندان میں اس کی شادی کی گئی تھی۔ نیز وہ اپنے مذہبی تقدس کی وجہ سے شاہ صاحب کے عرف سے معروف تھا۔

محمد قلی کے دوسرے بھائی حسین قلی کی نسبت مورخین کی رائے ہے کہ:-

"بہ زیور علم و فضل آراستہ و از علم و حکمت بہرۂ تمام داشت"

اس کے ایک اور بھائی عبدالفتاح کی نسبت مشہور ہے کہ وہ فن قرات کا بڑا ماہر اور استاد تھا۔ لیکن محمد قلی کے علم و فضل کی تعریف کسی مورخ نے نہیں کی ہے اور چونکہ وہ بادشاہ ہو گیا تھا اس لئے صرف اتنا لکھ کر اس کو دوسروں پر ترجیح دی ہے کہ:-

"از برادراں بہ جمیع صفات صوری و معنوی ممتاز بود"

مورخوں کا یہ سکوت حق بجانب بھی تھا۔ کیونکہ محمد قلی بچپن ہی سے آزادہ رو اور عاشق مزاج تھا اور بادشاہ ہونے کے بعد بھی بچپن کی طبیعت باقی تھی۔ وہ اپنے کلام میں اپنی طبیعت کے اس انداز کے زبردست ثبوت چھوڑ گیا ہے۔ وہ اپنے اشعار میں صاف صاف اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ میرے استاد مجھے علم و ہنر کی تعلیم دینا چاہتے ہیں حالانکہ میں تو ازل سے عشق کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ اگر میں علم و ہنر سیکھنا بھی چاہوں تو علما مجھے کیا سکھائیں گے؟ میں نے تو اپنے دل میں صرف اپنے معشوق کے نام کے حروف بٹھا لئے ہیں۔ لوگ مجھے اُمّی سمجھتے ہیں۔ میں اِس حد تک خود کو امی کہہ سکتا ہوں کہ تیرے اوصاف منہ زبانی یاد نہیں رہے اور میرا قلم اُن کی وضاحت میں عاجز آ گیا۔ جب میں عشق عاشقی کے مکتب ہی کے ذریعہ سے علم و کمال حاصل کر لینے لگا تو علما بھی کبھی کبھی میری تعریف کرنے لگے۔

علما و فقہا خود حقیقی علم سے ناواقف ہیں وہ خود "ا" کے معنی نہیں جانتے اور مجھ سے کہتے ہیں کہ ب پڑھو۔ علمِ عاشقی میں ا ہی کے معنی سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اور پھر ظاہری علم و فضل سے سوائے غرور و تمکنت کے حاصل ہی

کیا ہوتا ہے۔ عالم لوگ اپنی بغلوں میں کتابیں رکھ کران کے بل بوتے پر غرور کرتے ہیں، حالانکہ ہمارے ہر مشام سے عشق عاشقی کی خوشبو مہکتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ علم اور یہ کتب ہر کسی سے نہیں پڑھی جا سکتیں۔ عالموں نے علم عاشقی کی کٹھن راہیں دیکھ کر راہ فرار اختیار کی اور میں نے نہ صرف اس میں کمال پیدا کیا بلکہ جذبۂ عشق میں کتابیں لکھ ڈالیں اور زندۂ جاوید ہوگیا۔ یہ خیالات جن اشعار میں بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں :-

لکھے ہیں ازل تھے ہمنا عشق قرارا   عالم منجے تعلیم کریں علم و ہنر کا
ازل تھے عشق کے پلڑے کتے ہیں کسی منج بٹ
فقیہ و زاہداں میانے منجے کئے ہیں سراج

وہ نانوں کہ حروف ہیں دل میں ہیں کلام   عالم مجے سکھائیں گے کیا آپ یتا علم
میں اُمی کر گنتے ہیں سب امیاں تو علم میں
موزبانی کا قلم تجہ وصف لکھ نا سک بھگیا

تو دیوے عالماں سب تا باشی مجکوں گاہ گاہ   میں طفل ہو تمارے مکتب تھے علم بوجھیا
سب فقیہاں مل الف نا پڑک کہتے ہے پڑو
میرے دل کے شہر کوں دایم رکھے معمور توں

کہیں معانی کوں بھنوا د عاقلاں سارے　　　ہجے پسر پے ابجد کے کرتے سر تھے یاد
پھر سے

عالم اپنے علم کا کرتے ہیں سب لوگاں میں لاف
تو نین کے جام کا مے پیکے پڑتا او حدیث
تیرے

کرتے غروری اپنے بغل میں رکھ کتاب　　　وہ نہہ کا سو باس نکلتا ہے ہم تمام
یے علم ہور یے کتب ہور کس سے پوچھیا جائے نا
یہ　اور یہ

عالماں بیچارے دکھ کر اسکی تک میں رہی بھگیا
عشق کی کتاباں کیا عشق سوں　　　قطب شہ نبی صدقے جاوید ہے

کہا
اور یہ سچ ہے کہ محمد قلی نے عشق عاشقی کے بیان میں دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور ایسے ایسے مضامین بیان کئے کہ اُن کی شرح کرنا آسان کام نہیں ہے۔ خود اس نے اِسکی بھی پیشین گوئی کر دی تھی کہ ؎

نہ لکھ سکے گا کیے شرح منج کتاباں کا
کوئی بھی　میری

ہمارا علم ہے سب عالماں میں جیوں اعجاز

---

(۵)

شعر و شاعری

عشق عاشقی کی وجہ سے سلطان محمد قلی کو بچپن ہی سے شعر و شاعری سے بھی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ جس کی خاطر اس نے اردو اور فارسی شعرا کے کلام کا بھی مطالعہ کیا۔ یوں تو کلیات میں اکثر شاعروں کے نام نظر سے گذرتے ہیں لیکن اس کو سب سے زیادہ خواجہ حافظ کے کلام سے لگاؤ تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ انہی کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ خواجہ حافظ کی شاعری اس کی طبیعت کے مناسب تھی۔ اسی لئے وہ دیوانِ حافظؔ کا گویا حافظ تھا۔ غزلیات حافظؔ کے ترجموں کے علاوہ کلیات محمد قلی میں سیکڑوں شعر حافظ ہی کی طرز میں موجود ہیں۔

حافظ کے بعد کلیات محمد قلی میں انوری، خاقانی، نظامی، عنصری، ظہیر، محمود اور فیروز کے نام ملتے ہیں۔ افسوس ہے کہ محمد قلی کے طویل قصیدے اور مثنویاں دستیاب نہیں ہوئیں ورنہ یہ معلوم ہوتا کہ اس پر ایران کے کس

قصیدہ گو شاعر کا رنگ غالب ہے۔ اور مثنویوں میں اس نے کس کی تقلید کی ہے۔ البتہ ایک قصیدہ بسنت میں اس نے اپنے شعر کو خاقانی کا شعر قرار دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید وہ خاقانی کے رنگ کو پسند کرتا تھا وہ کہتا ہے کہ ؎

معانی شعر تیرا ہے کہ یا ہے شعر خاقانی نزاکت شعر کے فن میں خدا بخشا ہے تو ں مجکو

محمود اور فیروز گولکنڈہ ہی کے دو شاعر ہیں جن کا تذکرہ آئندہ آئیگا۔ ان شعرا کے کارناموں کے علاوہ محمد قلی نے فارسی بزمیہ مثنویوں کا بھی اپنے عشق و عاشقی کے سلسلہ میں مطالعہ کیا ہوگا کیونکہ شاہنامہ کے علاوہ وہ اکثر عشقیہ قصّوں مثلاً لیلیٰ مجنوں، شیریں خسرو، یوسف زلیخا وغیرہ کا ذکر کرتا ہے اور یہ سب کلام اُس نے علم حاصل کرنے کی خاطر نہیں پڑھا بلکہ اپنی شاعری کے شوق میں۔ اور شاعری کا یہ شوق محض عشق عاشقی کی خاطر تھا۔ کیونکہ وہ جگہ جگہ اس کا ذکر کرتا ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ میں نے شعر گوئی میں جو کچھ ترقی کی یا شاعری میں کمال پیدا کیا وہ صرف اپنے معشوق کے حسن و خوبی کی تعریف و توصیف کرنے کے سلسلہ میں حاصل ہوا جنہوں نے مجھے شعر گوئی کی طرف راغب کیا اور چونکہ بادشاہ ہونے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ محبوبوں سے

سابقہ پڑتا تھا اس لئے شعر گوئی کے نئے نئے مہیجات اور اسباب پیدا ہوتے جاتے تھے۔ وہ خود کہتا ہے ؎

باتاں گھڑیاں نرملیاں واریا جو تیرے ناؤں پر (سی، نام)
سو جائے کر اسمان پر ہر اک بچن تارا ہوا

تمہارے وصف کہتے تھے ہوا منج شعر نورانی (میرا)
او شعراں کوں پڑیں سب شاعراں ہم عید ہم نوروز (ان)

ہوا سر تھے غزل کہتے ہوس اُس پوتلی خاطر
رتن ہے شعر بوجھو جوہریاں ہم عید و ہم نوروز

لکھیا تج ناؤں دل میں جب ہوا مقصود جیو کا تب (تیرا)
تدھاں تھے شعر میرا سب ہوا ہے گوہر رنگیں (تب سے)

شعر معانی ان بندے موتی ہیں جگ میں حسن کے
ہر یک صدف موتی جمیا اپ وار تیرے نام پہ (دل)

یہ تو شاعری میں کمال حاصل کرنے کے اسباب تھے۔ اب وہ اپنی عشق عاشقی کا اثر اپنی شاعری پر ظاہر کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس کا دردِ دل اس کے اشعار میں بھی نمایاں رہتا ہے اگرچہ محبت کا میٹھا میٹھا درد عاشقوں کو اپنی جان سے

زیادہ عزیز ہوتا ہے لیکن بے صبری اور اضطراب بھی تو عشق ہی کی خصوصیتیں ہیں جن کی وجہ سے ہر گھڑی عاشق کے داغہائے سینہ پر نمک پاشی ہوتی رہتی ہے۔ تاہم عاشق کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنی زبان سے کوئی سخن تلخ نہ نکلے اسی وجہ سے اس کے کلام میں لوچ اور شیرینی پیدا ہونے لگتی ہے۔ عشقیہ شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی سادگی اور شیرینی ہی ہے۔ اور یہ دونوں خصوصیتیں محمد قلی کے کلام میں نمایاں ہیں وہ اپنی اس خصوصیت کا ذکر یوں کرتا ہے ؎

جے چاکھے کہے ہے نمک سوں شکر   معانی کے باتاں تھے جھڑتا نمک
(جو)   (سے)

دسے سب شعر میں میٹھائی افزوں   معانی کے بچن تے پہنچے تا بات
(دیکھے)   (سے) (آگئے)

لے معانی سب کے بولاں دھرتے ہیں شکر ولیکن
بات تیری پھول تمنے اس نمک شکر خداداد
(کی طرح)

(۶)

تصوّف و عرفاں اور حافظ کا اثر

عشق عاشقی کے سلسلہ میں سلطان محمد قلی نے جہاں شاعری میں کمال حاصل کیا ساتھ ہی تصوف کا بھی چسکہ پیدا کر لیا۔ اس کی فطری آزادہ روی اور ظاہر پرستی کے تنفر نے اس کو واقعی ایک پختہ کار صوفی مشرب بنا دیا تھا۔ سمجھا جاتا ہے کہ عشق مجازی عشق حقیقی کا زینہ ہے۔ اگر یہ سچ ہی تو ہمارے خیال میں سلطان محمد قلی سب سے زیادہ عشق حقیقی کے مراتب حاصل کرنے کا مستحق تھا، کیونکہ اس کی ساری زندگی عشق مجازی کی رنگ رلیوں اور طے منازل میں گذری۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے بعض شعر واقعی صوفیانہ شاعری کی بہترین مثال کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں اگرچہ محمد قلی قطب شاہ کی صوفیانہ شاعری بجائے خود ایک جداگانہ مضمون کا موضوع بن سکتی ہے لیکن یہاں اس کے صرف چند ایسے اشعار کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن میں اس نے صاف صاف تصوف کے مضامین باندھے اور

اپنے صوفی صافی ہونے کا ادعا کیا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ میرے عشق مجازی کو دیکھ کر نقاش ازل نے مجھ پر رحم کیا۔ مجھے استاد نے ایک اور ہی تعلیم دی۔ اور میں نے کچھ دیکھ کر زنار باندھا ہے میرے دل میں جو درد ہے اس کو اغیار نہیں سمجھ سکتے۔ میں اپنے عشق حقیقی کو کب تک چھپاؤں جب کہ منصور سا عاشق بھی اس کو چھپا نہ سکا۔ اگرچہ تجھے ہر آنکھ نہیں دیکھ سکتی لیکن دیکھنے والوں کے لئے دنیا تیرے حسن کا ایک عکس نظر آتی ہے۔ اس دنیا کو حکما اپنے علم و فضل و حکمت کے زور سے نہیں سمجھ سکتے اس لئے اس کو سمجھنے کی کوشش کرنے کی بجائے پیا کے نام کا ترانہ عشق گانا بہتر ہے۔ کیونکہ جو لوگ دنیا کی طرف سے توجہ ہٹا کر راست خدا کا راستہ پکڑتے ہیں وہی خوش قسمت ہیں۔ میں تیری خاطر سب مذہبوں کا بھیس اختیار کرکے دیکھتا ہوں کہ شاید تو کسی طرح میرا ہو جائے۔ کوئی مجھے قبلہ کا سچا راستہ نہیں دکھاتا اس لئے میں چاروں طرف قبلہ سمجھتا ہوں تیرے ہی لئے ہندو اور مسلمان سب کوشاں ہیں اگرچہ تیرا بازار گرم ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ تو کس طریقہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے عشق میں "جیت" حاصل کی ہے تو وہ خام ہے۔ عشق میں کامیابی کا اعلان کرنیکی جگہ

محبت میں پختگی حاصل کرنی چاہیئے اور جو اپنے عشق کو کامل کر لیتا ہے وہی غنی ہے اور وہ دنیا میں کسی چیز کا محتاج نہیں رہتا کیونکہ وہ اصل تک پہنچ جاتا ہے۔ قطب شاہ نے نبی کے صدقے میں محبت کی تکمیل کر لی اور اسکو محبت کی وجہ سے بقا کا پیالہ پینا نصیب ہوا۔ اب اس کو فنا نہیں۔ اس نے عشق و مستی کے عالم میں ایسی کتابیں لکھیں جن کی وجہ سے وہ زندۂ جاوید ہو گیا اور یہ کتابیں چونکہ عام عالموں کی کتابوں کی طرح نہیں ہیں اس لئے ان کی شرح کوئی نہیں لکھ سکیگا۔ اسی قسم کے مضامین سے اس کا دیوان معمور ہے۔ ہم یہاں صرف چند اشعار جگہ جگہ سے نقل کرتے ہیں ؎

قطب دل کے صحیفے پر اول تیرا لکھیا صورت
کیا منج پر کرم آخر دیا سوں وو (وہ) اول نقاش

معانی آس تمیں کیا بوجھیں اے میخوار — تماری بزم میں کرتا ہے شمع بات مجاز
سکی کا حسن کیتا جذب مولود — اسی تے (سے) مج (مجھے) ہے مجذوباں آنند
معانی کوں تمن غمزیاں تھی نیں ہوش — پنجل صوفی بندا ہے نار کھو رنج
دیا استاد (تمہارے) منج (مجھے) تعلیم کچھ ہور (اور) (سے نہیں) — ہمیں کچھ دیکھ کر باندھی ہیں زنار
در و جا لے حکیم خوب دانا — ہمارا درد کیا بوجھیں گے اغیار

عشق کے منارے اوپر جیو و دل سوں
معانی کہے بانگ اللہ اکبر

میں فاش کیوں نا ہوں سکی تجہ عشق تھے دو جگت میتے
منصور سا عاشق ہوا اکر سو تیرے دار فاش

دیکھے نہیں کوئی نین تج توں سب نین میں ہے چھپیا
تیرے سو نینکے حسن کا دستا ہے سنسار نقش

ذرے سکل جگ بھر رہیں تجہ عشق کیرے گو دمیں
تو نور تھے ذرہ معانی ظاہر ہے انوار سوں

معشوق ہور عاشق ہمیں مل کے دونوں ہیں
نا آدو تن ہمن منے تیرا ہے رنگ بس

دنیا کا حکمت نابوجھیں ہر گز جکیاں علم سوں
گاؤ ترانہ عیش کا ہر دم پیا کے نام پر

دنیا کو ہیچ کرجے کوئی خدا کی باٹ پکڑے ہیں
او نو فضل ہیں یاریاں ہیں ان کا ہے بدل طالع

سب نہاں کی بجھیں لیجاتا ہوا ہیں سوں بیٹھے
دل دیتے ہیں ہے منج تو دلدار پکڑے ہور دوش

قبلہ کا پیتھ نہ کوئی دکھاؤ باج
منج کوں چو ندھر تمار یک قرار

تجھ دیکھ کر بھولے ہیں سب کافر و مسلماں
ناجانوں دنیا کیا ہوا اس کا ہو گرم بازار

جہاں توں واں ہوں میں پیارے منجے کیا کام کس سوں
نہ بت خانہ کا منج پروا نہ مسجد کا خبر منجکوں

جنت ہور دوزخ ہور اعراف کچھ نہیں ہے مرے لیکھے
جدھر توں واں مرا جنت جدھر نیں واں سقر منجکو

جنت کوں ہور دوزخ کوں سو مسجد بیت خانہ کیا
کسے ناجانوں نیں معلوم نیں کوئی تج بغیر منجکوں

معانی عشق جیتا ہوں کرنہ کہہ
جنے عشق جینا کہے او ہے خام

جنے کامل کیا ہے پیم اپنا
غنی ہے دو جگت میں نیں وو محتاج

نبیؐ صدقے فنا پا جانے قطب — محبت میں بقا پیالہ پیا ہے
عشق کی کتاباں کیتا عشق سوں — قطب شہ نبیؐ صدقے جاوید ہے
نہ لکھ سکیگا کئے شرح منج کتاباں کا — ہمارا علم ہے سب عالماں میں جیوں اعجاز

ان متفرق اشعار کے علاوہ محمد قلی کی متعدد غزلیں بالجملہ صوفیانہ مضامین پر مشتمل ہیں۔ مثال کے طور پر اس کی غزل نمبر ۲۴۰ (صفحہ ۲۳۷) ملاحظہ کیجیا سکتی ہے جس کا مقطع ہے :۔

عشق سوں بولیا غزل حضرت نبیؐ صدقے قطب — ساقی کے اوصاف میں کہے صوفی کی مشرب منجے

محمد قلی کے کلام میں تصوف کی چاشنی پیدا ہونے کا ایک اور سبب خواجہ حافظ شیرازی کا مطالعہ اس کی شاعری کی تقلید اور اردو ترجمہ کی کوشش ہے۔ محمد قلی کی شاعری پر سب سے زیادہ حافظ کا رنگ مسلط ہے۔ اس نے سیکڑوں غزلیں اسی رنگ میں لکھیں اور حافظ کی پچاسوں غزلوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اور یہ ترجمہ نہایت کامیاب سمجھا جاسکتا ہے جب یہ خیال پیش نظر رہتا ہے کہ اس زمانہ میں اردو کو اتنی وسعت اور پختگی حاصل نہیں ہوئی تھی حقیقی ایسے جیسی لیکن یہ محمد قلی کی زبردست شاعرانہ قوت اور غیر معمولی موزونی طبع کی دلیل ہے کہ اس نے حافظ کے جملہ مشکل سے مشکل مضامین کو اردو میں

منتقل کر لیا۔ وہ حافظ کا پہلا مترجم ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حافظ کے رنگ کو جس خوبی سے اس نے اپنے کلام میں نبھایا ہے شاید ہی اردو کے کسی اور شاعر کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہو۔ آخر میں مثال کے طور پر ہم حافظ کی چار غزلیں اور ان کے ترجمے ایک دوسرے کے مقابل پیش کرتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ محمد قلی نے کتنے قدیم زمانہ میں کیسے کامیاب ترجمے کئے تھے۔

حافظ

بعزم توبہ سحر گفتم استخارہ کنم
بہار توبہ شکن می رسد چہ چارہ کنم
سخن درست بگویم نمی توانم دید
کہ می خورند حریفاں و من نظارہ کنم
ز روی دوست مرا چوں گل مراد شگفت
حوالہ سر دشمن بسنگ خارہ کنم
گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

محمد قلی

منگیا جو توبہ کیے تیں صبح استخارہ کروں
ہنگام توبہ توڑن آیا کیا میں چارہ کروں
درست بات کتا ہوں نٹ جاسکے منجے تے دیکھیا
شراب پیوں حریفاں وہیں نظارہ کروں
سجن کے مکھ تھے کھلے ہیں امید پھول مرے
ونڈے کے سر کوں پتھر پڑ پھاڑ پارہ کروں
شرابخانہ کا مسکیں ہوں دیکھ مستی میں
کہ لاڑ انبر پہ کروں حکم تلے سوں تارہ کروں

محمد قلی	حافظ
جو منج میں نہیں ہیں پرہیزگاری کے کاماں	مرا کہ نیست رہ و رسم لقمہ پرہیزی
شرابخور کوں اہانت سوں کیوں اشارہ کروں	چرا مذمت رند شرابخوارہ کنم
پھولاں کے تخت پہ بیلاؤ میرے سلطاں کوں	بہ تخت گل بنشانم بتی چو سلطانی
سنبل سمن کوں گلے ہانس کر شنگارہ کروں	ز سنبل و سمنش ساز طوق و یارہ کنم

(۲)

پھول بن رخ یار خوش نہ دیسے	گل بے رخ یار خوش نباشد
بن مد پہلی جھاڑ خوش نہ دیسے	بے بادہ بہار خوش نباشد
گشت چمن و ہوائے کلیاں	طرف چمن و طواف بستاں
بن پیالہ کنار خوش نہ دیسے	بے لالہ عذار خوش نباشد
ناچے و نا سرو اب سو حالت	رقصیدن سرو و حالت گل
بن ناد ہزار خوش نہ دیسے	بے صوت ہزار خوش نباشد
مو یار شکر لب و چنپا رنگ	با یار شکر لب گل اندام
بن چُمّن یار خوش نہ دیسے	بے بوس و کنار خوش نباشد

(۳)

حافظ	محمد قلی
یوسف گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور	یوسف گم سو پھر آگا اب بہ کنعاں غم نہ کھا
کلبۂ احزاں شود روزی گلستاں غم مخور	گھر ترا امید کا ہوگا گلستاں غم نہ کھا
اے دلِ غم دیدہ حالت بہ شود دل بد مکن	اے ہیا نیہ دُکھ دکھیا سو خوب ہوگا حال تجھ
ویں سرِ شوریدہ باز آید بساماں غم مخور	من (دل) کا چنتا ہویگا پھر آکہ جاناں غم نہ کھا
گر بہارِ عمر باشد باز بر تختِ چمن	جم بہار عمر تج ہے پھر کہ آگا باغ میں
چترِ گل بر سر کشی اے مرغِ شب خواں غم مخور	چتر پھل کا کھلک رنگیں مرغ خوشخواں غم نہ کھا
ہاں مشو نومید چوں واقف نۂ از سرِ غیب	ہاں تو نا امید نا ہو کو (کوئی) نہ جانے سرِ غیب
باشد اندر پردہ بازیہائی پنہاں غم مخور	کیا اچھیگا پردہ او جھل کھیل بتیاں غم نہ کھا
در بیاباں گر ز شوق کعبہ خواہی زد قدم	او جنگل میں شوق سوں اب کعبہ خاطر رکھ قدم
سرزنش ہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور	تج اگر بولیں چبیں کانٹے مغیلاں غم نہ کھا
اے دل از سیلِ فنا بنیادِ ہستی بر کند	اے ہیا بوجاں تھی ناڈر من کا بھاتا ہویگا
چوں ترا نوح است کشتیبان ز طوفاں غم مخور	تو تجھے ہی نوح کشتی بان طوفاں غم نہ کھا
گرچہ منزل بس خطرناک است و مقصد ناپدید	باٹ تیرا دور اگر ہے عشق پنتھ (راہ) دکھلائیگا

حافظ

هیچ راهی نیست کان را نیست پایان غم مخور
حال ما در فرقت جانان و ابرام رقیب
جمله می داند خدای حال گردان غم مخور
حافظا در کنج فقر و خلوت شبهای تار
تا بود وردت دعا و درس قرآن غم مخور

محمد قلی

شاہ رایاں توں ہی رایاں ہیں رایاں غم نہ کھا
حال ہیر دو ہی نادان ہور کوپ رقیب
سب تو بوجھیا ہی خدا ہو شاہ مرداں غم نہ کھا
قطب شہ اس کنج فکر و خلوت دینی منے
تا اچھے وردت دعا و درس قرآں غم نہ کھا

(۴)
(دو نسخے)

حافظ

آنکس که بدست جام دارد
سلطانی جم مدام دارد
آبی که خضر حیات ازو یافت
در میکده جو که جام دارد
بر سینهٔ ریش دردمندان
لعلت نمکی تمام دارد

محمد قلی

چے کو کہ ہتیلی جام لیتا
سلطانی جسم مدام لیتا
پانی کہ خضر حیات پایا
مد گھر سنے ... جام لیتا
مو سینہ داغ درد و ٹکوں
رو پوں نمکی تمام لیتا

محمد قلی

جے کو کہ ہتا ہیں جام لی سے
سلطانی جم مدام کی سے
پانی کہ خضر حیات پایا
مد گھر [illegible]
مو سینہ داغ درد دو [illegible]
[illegible] نمکی تمام [illegible]

حافظ

بیرون ز لب تو ساقیا نیست
در دور کسے کہ کام دارد
نرگس ہمہ شیوہائے مستی
از چشم خوش تو وام دارد
ذکر رخ و زلف تو دلم را
وردیست کہ صبح و شام دارد
در چاہ ذقن چو حافظ ایجان
حسن تو دو صد غلام دارد

محمد قلی

باہر تو ادہر تھے ساقیا تا
اس دور کنے کہ کام لیّیا
لوچن ترے شیوہائے مستی
او دِشٹ چنچل تے وام لیّیا
ذکر مکھ و زلف تج ہمن دل
پوجن سو صبح و شام لیّیا
او چاہ ٹھڈی معانی کی جان
تو حسن دو سو غلام لیّیا

محمد قلی

باہر تو ادہر تے ساقیا نا
اس دور منے کوئی کام جھی ہے
لوچن ترے شیوہائے مستی
او دِشٹ چنچل تے وام لی ئے
ذکر مکھ و زلف تج ہمن دل
پوجن تجھے صبح و شام جی ہے
او چاہ ٹھڈی معانی کی جان
تو حسن دو سو غلام کی ہے

(۷)

کمالِ سُخن اور شاعرانہ تعلّی

موزونیٔ طبع، قوت مشاہدہ، بلندیٔ تخیل اور مسلسل مشق، وہ خوبیاں ہیں جو کسی شاعر کو عروجِ کمال تک پہنچانے کی ضامن ہوتی ہیں۔ اور خوش قسمتی سے محمد قلی میں یہ سب اور ان سے زیادہ خوبیاں جمع ہو گئی تھیں۔ اس کا دربار بڑے بڑے شاعروں سے معمور تھا۔ اس میں مشاہدہ اور تخیّل کی کمی نہ تھی اور ان سب سے بڑھکر عیش و عشرت کی زندگی نے اس کی شاعری کے پروان چڑھنے میں مدد دی۔ مے و معشوق کے ساتھ نغمہ بھی ضروری ہے اور اسی نغمہ کی خاطر اس نے بہت سی نظمیں اور غزلیں لکھ ڈالیں۔ اس کے اشعار میں اس امر کے صاف صاف اشارے موجود ہیں کہ اس کا کلام اس کے دربار اور حرم سراؤں میں شوق سے گایا جاتا تھا۔ اور اس کے درباری شاعروں اور صاحب ذوق امیروں کے علاوہ، رقاصانِ بزم اور مہ جبینانِ حرم بھی اس کو خوش کرنے اور اس کے فیضان سے لطف اندوز ہونے کی خاطر اس کا کلام دست بدست

لکھ لیتے اور گاتے رہتے تھے۔ شاعر اسی کے کلام کا دم بھرتے اور اس کی تقلید میں یا اُسی کی زمینوں میں غزلیں لکھنے کی کوشش کرتے۔ یہ سب امور خود اس کے اشعار سے ظاہر ہوتے ہیں جو آئندہ صفحہ پر پیش کئے جا رہے ہیں۔

ان حالات کے پیش نظر ضروری تھا کہ وہ روز کچھ نہ کچھ کہتا۔ ضرورت ہمیشہ ایجاد کا باعث رہی ہے۔ اور محمد قلی نے اپنے ماحول کو اپنے کلام کا اتنا حاجت مند بنا دیا تھا کہ اس کو ہر روز شعر و سخن سے دلچسپی لینا پڑتا۔ وہ ایک شعر میں کہتا ہے کہ

قطب شہ ہر روز اُسی طرح بے تکلف شعر کہتا ہے جس طرح دریا میں روز موجیں اٹھتی ہیں لیکن نہ تو دریا کی روانی میں فرق آتا ہے اور نہ موجوں کا طوفان کم ہوتا ہے۔ اس کا شعر ہے ؎

صدقے نبیؐ قطب شہ یوں شعر بولے ہر دن
دریا کو روز جوں ہے موجاں کا طلوع

اس روزانہ کی مسلسل مشق نے اگر محمد قلی کو ایک بلند پایہ شاعر بنا دیا تو کون تعجب کی بات ہے۔ یہ تو اردو زبان کی خوش قسمتی تھی کہ محمد قلی جیسا بادشاہ اسکی سرپرستی میں رات اور دن منہمک ہو گیا۔

اس کے کلام میں شیرینی اور سادگی پیدا ہو جانے کا سبب پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ یہی شیرینی اور سادگی اس کی مقبولیت عامہ کا بہت بڑا باعث تھی۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ محض بادشاہ ہونے کی وجہ سے اس کے زمانہ کے لوگوں نے اس کے کلام کی غیر معمولی قدر و منزلت کی۔ اسلوب کی فطری شیرینی کے علاوہ ایک اور سبب اس کی شاعری کی مقبولیت کا خود محمد قلی کی نظر میں موجود تھا اور وہ مذہبی موضوعوں پر شعر لکھنا ہے۔ عشق عاشقی کے بعض نہایت عریاں مضامین کے ساتھ صوفیانہ مسائل کی ترجمانی اور خاص کر نبیؐ و آلِ نبیؐ کی مدحت و منقبت میں محمد قلی نے جو کمال حاصل کیا ہے وہ اردو شاعروں میں اُسی کے لئے مخصوص ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ کس طرح ہر رنگ میں اعلیٰ درجہ کی شاعری کر سکتا تھا۔ اس کی معاملہ بندی دیکھنے کے بعد یہ خیال تک نہیں پیدا ہوتا کہ ایسا رند مشرب اور بے باک آزادہ رو شاعر بیسیوں پاک مذہبی نظمیں بھی لکھ سکے گا اور بزرگوں کی مدح سرائی کے وقت اتنا محتاط اور جوشِ عقیدت سے لبریز ہو جائے گا۔ اس خوبی کی وجہ سے بھی اس کی شاعری کو غیر معمولی مقبولیت اور وسعت حاصل ہو گئی اور خود اس کو بھی اس اہمیت کا احساس ہے۔

سدا تو مدح نبیؐ و علیؑ کی کہتا ہے   قطب شہ شعر ترا تو لکھے ہیں دست بدست

شعر تیرا معانی صدقے نبی[۱] — لکھ لیتے ہاتے ہات گاتے پلات (پلاتے)

صدقے نبی قطب زباں عیسیٰ نمن (کی طرح) بولے بچن — چوندھر تھے جیوں کیے بدل (بادل) عالم اپر چھاوین بعث

نبی صدقے کہا ہے قطب معبث کا غزل روشن

کہ اسکی تازگی ہور (اور) روشنی تھے ہے جہاں روشن

شاعراں پڑتے معانی شعر لیکے (لیکر) — شعر حضرت[۲] کی ہج پر پڑتا ہوں

محمد[۳] صدقے قطبا کی غزل سوری کی پوری حُسن

سکیاں متیاں ہویاں تو جو شرا باپی غیوراں کے

سبھی راگاں محمد قطب شہ کوں جم سہاتے تھے — نبی[۴] دولت شعر میرا شکر تھے (کی طرح) جگاتی ہے

محمد قلی بھی اکثر باکمالوں کی طرح اپنے کمال کی قدر و منزلت چاہتا ہے لیکن وہ خود بادشاہ تھا اور دوسرے باکمالوں کی قدر و منزلت کرتا تھا اسلئے وہ اپنی قدر و منزلت میں زر و جواہر کی جگہ سچی تعریف و تنقید مانگتا ہے۔ وہ اپنے کلام کے سچے خریداروں کا خواہشمند ہے اور کہتا ہے کہ دو[۲] ٹکڑے موتیوں سے میرا ایک دُردانہ زیادہ قیمتی ہے۔ اس کی قدر و قیمت معمولی شاعر اور سخن فہم نہیں کر سکتے۔ اگرچہ وہ ایک بڑا بادشاہ تھا لیکن شاعر بھی بہت بڑا تھا اس لئے بادشاہت اس کو شاعرانہ فخر و تعلی سے محروم نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے اپنی

نزاکت بیانی، جدت آفرینی، جودتِ طبع، اور استادی و صاحب کمالی کا اکثر شعروں میں دعویٰ کیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا دعویٰ بہت کچھ حق بجانب بھی تھا۔ اس قبیل کے چند شعر یہ ہیں ؎

رتن قطبا کے ہیں نرمول نہیں کس شہر میں مول اس
لیکر آؤوں جو بکھرا ہوئے اس کا شہر حیدر میں

معانی کے پرکھنے پر ہنساں کیا کام کرتے ہیں
نکو لیاڈو گھڑوں موتی مو یک دردانہ ہے یا عث

شعر تیرا درو گوہر ہے معانی ست میں
شعر حافظ کے سراو پر اہے تاج پرویز

نبی صدقے قطب کو ندیا بچن اچھے ثریا سے
فلک پر یو غزل سن سن کیے ہووے مشتری بیہوش

باتاں کی یے نزاکت ہن شاعراں نہ بوجھیں
دیتا خدا قطب کوں گفتار کا متاع

قطب شہ نبی صدقے آپی کیا ہے
نوا طرح جگ میں بچن کوں مرصع

نبی صدقے قطب کے شعر کی بحراں میں سب بازی
اگرچہ شاعراں یاندے ہیں شعراں لیے بحوراں میں

کرتے ہیں دعویٰ شعر کے سب اپنی طبع سوں
بخشیا فصیح شعر معانی کے تیں خدا

یہ واقعہ ہے کہ محمد قلی قطب شاہ نے اُردو شاعری کو بالکل نئی طرح سے مرصع کر دیا ہے۔ اس سے قبل زیادہ تر مذہبی تنظیمیں لکھی جاتی تھیں۔ اس نے ہر قسم کے موضوعوں پر پوری قدرت کے ساتھ طبع آزمائی کی اور اردو شاعروں کے لئے

نئے نئے میدان عمل پیدا کر گیا۔ ابھی ایک شعر میں اس نے اپنے اشعار کو حافظ کے اشعار پر ترجیح دی ہے لیکن وہ اس پر قانع نہیں ہے۔ وہ آگے بڑھ کر عام دعویٰ استادی کرتا ہے اور خود کو نہ صرف اپنے زمانہ کے شاعروں کا استاد بلکہ خاقانی و نظامی کا بھی استاد سمجھتا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

قطبِ زماں سب شاعراں کا شعر میں شاگرد ہے
صدقے نبی یاند یا کمر جیوں لشکریاں میں لشکری
جس طرح
خاقانی و نظامی کا قطب شہ ہے شاگرد[1]
شہنامے کی کہانیاں سن تجھے سناتی منجکوں
پھر سے

ایک قصیدے میں اس نے خود کو اپنے زمانہ کا انوری قرار دیا ہے اور مختلف جگہوں پر اپنے زمانہ کا شاعر یعنے شاعرِ دوراں لکھا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا سچا شاعر تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے عہد کی جتنی صحیح اور کامل ترجمانی کی ہے اس دور کے کسی شاعر نے نہیں کی۔

---

[1] شاگرد کے لفظی معنی شاہ کے گرد رہنے والے۔ اس لفظ سے استاد کا مفہوم لیا جاتا تھا۔

(۸)

عیش و عشرت کی فراوانی

سلاطین قطب شاہیہ میں محمد قلی قطب شاہ ہی ایک ایسا بادشاہ ہے جس کا زمانہ زیادہ سے زیادہ امن و امان اور راحت و آرام سے گذرا۔ اور جس نے اپنی تمام زندگی عیش و عشرت اور بہجت و کامرانی میں گذار دی مغل مورخوں نے قطب شاہیوں کے آخری یادگار ابوالحسن تانا شاہ کو بدنام کرنے اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی فتوحات کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے تانا شاہ کو بڑا عیاش اور رند بدمست مشہور کر رکھا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمد قلی کو عیاشی کے جو موقعے حاصل ہوئے تانا شاہ کو ان کا عشرِ عشیر بھی نصیب نہ ہو سکتا تھا۔

محمد قلی نے بچپن سے محل کے ناز و نعم میں پرورش پائی اور اگر وہ بھاگ متی والا قصہ صحیح ہے (جس کی رو سے بھاگ متی کی خاطر اس نے زبردست طغیانی

کے باوجود رود موسیٰ میں اپنا گھوڑا ڈال دیا اور بعد کو اس جرأت کی پاداش میں محل سرا میں نظر بند کر دیا گیا اور وہاں ملک ملک کی حسین دوشیزاؤں کو اس کے ساتھ چھوڑ دیا گیا تاکہ اس کا دل بہلائیں اور رقاصہ چھچلم کا خیال اس کے دل سے دور کر دیں) تو ظاہر ہے کہ عنفوان شباب کے ساتھ ہی وہ مہ جبینوں کے ماحول میں رہنے لگا جن میں سے ہر ایک اس پر جان و دل فدا کرنے تیار تھی۔

اس حسین و رنگین ماحول کے ثبوت خود محمد قلی کے کلام سے بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ ہر تقریب میں اس کے اطراف خوبرویوں کا جمگھٹا رہتا اور رمضان اور محرم کے مہینوں کے سوا اس کی زندگی کے بہت کم لمحے ایسے ہوں گے جب شاہد و شراب و نغمہ اس سے دور رہتے ہوں۔ اتنا ضرور ہے کہ رمضان اور محرم میں وہ شراب قطعاً ترک کر دیتا تھا اور عیش و عشرت چھوڑ کر ایسا زاہد مرتاض اور متقی و پرہیزگار بن جاتا تھا کہ اس کے رندِ شاہد باز ہونے پر شاید شبہ ہونے لگتا۔ یہ اس کی طبیعت کا استقلال اور تربیت کی خوبی تھی۔

بھاگ متی کے متعلق تفصیل سے آئندہ لکھا جائے گا لیکن اس کے علاوہ سلطان محمد قلی کی بیسیوں اور معشوقائیں تھیں جن میں سے حسب ذیل کے نام یا عُرف اس کے کلیات میں بار بار دستیاب ہوتے ہیں :-

(۱) ننھی (۲) ساونلی (۳) کونلی (۴) پیاری (۵) گوری (۶) چھبیلی (۷) لالا (۸) لالن (۹) موہن (۱۰) محبوب (۱۱) بلقیس زمانی (۱۲) حاتم (۱۳) ہندی چھوری (۱۴) پدمنی (۱۵) سندر (۱۶) سجن (۱۷) رنگیلی (۱۸) مشتری (۱۹) حیدر محل۔

ان بیسیوں مہ جبینوں میں بارہ ایسی ہیں جو خاص طور پر اس کی منظور نظر تھیں۔ کیونکہ محمد قلی بارہ اماموں کی رعایت سے ہر چیز میں بارہ کے عدد کا لحاظ رکھتا تھا چنانچہ جب اس نے حیدر آباد کے جانب جنوب کی خوش منظر پہاڑی پر (جہاں اب قصر فلک نما واقع ہے) ایک عالی شان قصر "محل کوہ طور" کی تعمیر کی تو اس میں انہی دوازدہ ائمہ معصومین کی رعایت سے بارہ برج بنائے تھے چنانچہ اس محل سے متعلق اس نے ایک نظم بھی لکھی ہے جس میں ان برجوں کا ذکر اس طرح کرتا ہے :۔

"چونکہ ان بارہ برجوں پر بارہ اماموں کی نظر عنایت ہے اسی لئے
ان پر ایمان کی تجلی جھلکتی رہتی ہے"

اس کا شعر ہے ؎

بارہ بروج پر ہے بارہ امام دِشٹی   تو اس اُپر جھلکتا ایمان کا اُجالا
نظر

بارہ پیاریوں کی تخصیص کے متعلق بھی اس کے کلام سے مستند شہادت ملتی ہے۔

شہر حیدر آباد کی تعمیر کے وقت محمد قلی نے کئی عالیشان قصر تعمیر کیے تھے اور خاص کر اپنے لئے ایک رفیع الشان محل بنوایا تھا جس کا نام خداداد محل رکھا تھا۔ اس محل کی آرائش وزیبائش کے متعلق اس کی ایک نظم اسکے کلیات میں موجود ہے (دیکھو صفحہ ۲۱۱) اس نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اس محل میں آکر رہا تو اپنے ساتھ صرف اُن بارہ پیاریوں کو لے آیا تھا جو اس وقت اُس کی منظورِ نظر تھیں۔ اس نظم کا ایک شعر ہے ؎

نبیؐ صدقے بارا اماماں کرم تھے ۔۔۔ کرو عیش جم بارہ پیاریوں سوں پیارے

اسی طرح عید میلاد النبی کی ایک نظم (دیکھو صفحہ ۳۹) میں بھی اس نے ان بارہ مہ جبینوں کا پھر بارہ اماموں ہی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

مُبارک منج اچھو یو عید مولود پیغمبر ۔۔۔ ملے ہیں قطب سوں بارہ اماماں ہور نگاراں خوش

ان بارہ پیاریوں میں سے چند کی خصوصیتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے ننھی قابل ذکر ہے۔ اس کی تعریف میں محمد قلی نے کئی نظمیں لکھی ہیں اور اکثر نظموں اور غزلوں میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ :-

ننھی کی جیسی حسین تو آسمانوں میں بھی نہیں۔ سرو اس کے قد کے مقابل کبھی نہیں آسکتا۔ اس نے مدن پھول کے رنگ کی ساڑی باندھی ہے جس کے کنارے عجیب و غریب موتی ٹنکے ہوئے ہیں۔ اس کی یاد کی مستی قطب شہ کو چڑھی ہوئی ہے اور وہ اس کو ریجھانے کی خاطر دوتارے پر عجیب تان بجاتا ہے۔

ایک دوسری نظم میں کہتا ہے :۔

اے سکھیو! میں ننھی کے پریم میں موتی بکھیر رہا ہوں، تم سمیٹ کر ان کو خوشی سے گوندھو۔ ننھی میرے ساتھ عشق کا داؤ کھیلتی ہے اور اپنے چاند سے چہرے پر نئی بہار دکھاتی ہے۔ اے ننھی میں تیرے جسم کی خوشبو کا ذکر کروں یا تیرے راز کی کہانی بیان کروں۔ کیونکہ تیری خوشبو کی مہکاٹ عاشق کی روح کو مہکا دیتی ہے، خوشبو تیرے جسم سے اسی طرح مہکتی ہے جیسے سانت کی بارش سے مہکتی ہو، تیری آنکھوں کی چمک میں کاجل بہت سہانا نظر آتا ہے اور یہ تو اس لئے لگاتی ہے کہ رقیبوں کے منتر تجھ پر کام نہ کریں۔

ایک نظم میں ننھی کے ہنستے کھیلتے اور ڈولتے ہوئے پیالہ پلانے کا ذکر کیا ہے معلوم

ہوتا ہے کہ وہ بڑی ہنس مکھ ظریف اور حاضر جواب تھی۔ وہ شراب کی صراحی ہاتھ میں لیتے یا قطب شہ کو پیالہ بھر بھر کر دینے کو پسند نہیں کرتی تھی اور چاہتی تھی کہ قطب شاہ زیادہ شراب نہ پیئے اس لئے طرح طرح سے ٹالتی رہتی تھی۔ اس کا ذکر سالگرہ کی ایک نظم میں بھی کیا ہے (دیکھو صفحہ ۱۵۸) یہ تو بعد کے اوصاف تھے ابتدا میں ننھی کی کیا حالت تھی اور بادشاہ نے اس کو ننھی کا لقب کیوں دیا تھا۔ اس کا علم اُن دو نظموں سے ہوتا ہے جو صفحات ۲۲۸ تا ۲۳۱ میں درج ہیں جنمیں وہ کہتا ہے کہ:۔

اے نازک ننھی تو ابھی محبت سے ناواقف ہے۔ تیری آنکھیں کاجل کی وجہ سے چمکتی ہیں لیکن تو نہیں جانتی کہ یہ کیا جادو جگا رہی ہیں تیرا دل عشق و عاشقی کی طرف بھی مائل نہیں، نہ تو شیشہ و پیالہ میں شراب بھرتی ہے اور نہ میری عرض مانتی ہے۔ لیکن مجھے تجھ سے آس ہے۔ اگرچہ تو دل لگانے کے طریقوں سے ناواقف ہے لیکن میرا معشوق تو ہے۔ تجھے اپنے بچپن کے کھیلوں کا مول نہیں معلوم نہ یہ جانتی ہے کہ تیرے ہونٹوں میں آبِ حیات ہے۔ اس لئے تو منہ سے صاف صاف بات نہیں کرتی سچ تو یہ ہے کہ تجھے ابھی اپنی قیمت معلوم نہیں۔ تجھے چاہئے کہ قطب زماں کو

جانے، محبت کی باتوں کو پہچانے اور عشق کی سیوا کرے تو کب تک
اِسی طرح اپنے کو کھینچتی رہے گی ۔
ایک اور نظم میں محمد قلی نے ننھی کے متعلق لکھا ہے کہ :۔
جب چمن میں ننھی محوِ خرام ہوتی ہے تو شرم کے مارے آنچل ڈال لیتی
ہے معلوم نہیں کہ اس ننھی ڈالی پر ابھی سے شباب کے پھل کیوں لگ
گئے! جب وہ غصہ یا ناز سے خطِ سرمہ کے اشارہ سے بات کرتی ہے اور
اس کے ہونٹ عرق آلود ہو جاتے ہیں تو دل چاہتا ہے کہ اس کو مگن ہو دیکھوں
میری محبت کے نونہالوں میں سے ایک کو اچھے پھل رتن لگے ہیں ۔ اے
خدا وہ میرے باغ کا ایک سرو ہے اس کی حفاظت کر۔ اس کی بہشتی خوشبو
سے جگ کے تمام پھول کھلتے ہیں ۔ اس کی خوشبو ختا اور ختن بھی نہیں
پا سکتے اے ننھی تیرے چہرے سے سب خوبرویوں کو روشنی ملی ۔ تیرے چہرے
کو زیور و جواہر کی کیا ضرورت! جب تو چاندنی میں نکلتی ہے تو چاند چھپ
جاتا ہے اور تارے آسمان پر سے تجھ پر نثار ہونے کے لئے آتے ہیں ۔
میں نہیں جانتا کہ تو کیسے نور سے پیدا ہوئی ہے ۔ سب پرند تیری چکا چوند
روشنی کے لئے اپنا اپنا وطن چھوڑ آئے ہیں ۔ تو غصہ سے کیوں میری طرف

بھوں کی کمان چڑھا کر دیکھتی ہے۔ تجھے تو چاہئے کہ ناز و غمزے کے ساتھ مجھے اپنے ہونٹوں کا بوسہ دے۔

کلیات میں ننھی کے بعد سانولی کا ذکر زیادہ ملتا ہے۔ اس کے متعلق محمد قلی نے لکھا ہے کہ:-

میری سانولی من کی پیاری نظر آتی ہے کیونکہ وہ رنگ روپ میں بالکل کونلی عورت ہے۔ سب سہیلیوں میں اس کا قد ایسا بالا ہے کہ معلوم ہوتا ہے سرو کو اُس پر سے نثار کر دیا گیا ہے۔ جب وہ سکھیوں کے ساتھ عشق کا کھیل کھیلتی ہے تو اس کے چہرہ کی روشنی میں چاند ذلیل و خوار نظر آتا ہے۔ کوئل اسکے بولوں کے مقابلے میں ہاری ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کی اچھی چال سب کے دل کو بھاتی ہے اور وہ اپنی ساتھیوں میں ایک نادر پھول نظر آتی ہے۔ اگرچہ سکھیوں نے اپنے چہرہ کو طرح طرح سے غازہ لگایا اور اپنے جسم کو رنگین بنایا لیکن اس کے قدرتی رنگ کی بات کسی عورت میں نہیں آتی۔

دوسری نظم میں لکھا ہے:-

سانولی پیاری نے اپنے سبز رنگ میں نزاکت دکھا کر ہمارے دل کو موہ لیا

اس کے ہونٹوں پر پان کی رنگیلی دھڑی ایسی سہانی معلوم ہوتی ہے کہ دنیا کی تمام رنگیلیاں اس پر ریجھ جاتی ہیں۔ جب وہ ہنستی ہے تو اس کے کنول جیسے منہ سے موتی جھڑتے ہیں اور ان موتیوں سے عالم چمکنے لگتا ہے۔

تیسری نظم میں لکھتا ہے کہ :-

جب سے اے سانولی تجھ پر نظر ہے ہوش و حواس گم ہیں اور بے خبر ہو گیا ہوں۔ جب تو اپنی شوخ آنکھوں سے ناز و غمزہ کرتی ہے تو میرا رواں رواں اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔ جب تو ناز سے ہنستی ہے تو تیرے دانتوں کی چمک چاند کی طرح جھلکتی ہے۔ تیرا سرو جیسا قد جب محوِ خرام ہوتا ہے تو تیرے بالوں کا لمبا جوڑا چھوڑ کا کام کرنے لگتا ہے۔ جب تو لباس پہن کر صحن میں نکل آتی ہے تو تیرے چمکدار کپڑوں سے آسمان روشن ہو جاتا ہے۔ جب تو موتی کے رنگ کی نیم تنی پہنتی ہے تو مجھے ایک بہشتی حور نظر آتی ہے۔ قطب شہ تیری نزاکت سے ناواقف نہیں۔

سانولی کے بعد محمد قلی کونلی کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ وہ لکھتا ہے :-

کونلی اپنے ہاتھ میں پیالہ لے کر کھڑی ہے اور اتنی دُبلی پتلی ہے کہ

ہوا سے ہل رہی ہے۔ وہ بالوں میں پھول جاتی ہے اور چوٹی میں دونا و بالا باندھتی ہے اپنے کو ملائے ہوئے چہرہ پر وہ اپنی بہوؤں کو اس طرح چڑھاتی ہے کہ نورانی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اگرچہ بظاہر شرم وناز سے کھنچتی کھچاتی کھڑی ہے لیکن آنچل کے اندر سے اپنی آنکھوں کی چنچل پتلیوں کو نچارہی ہے۔ اس کے جسم کے رنگ سے نورتن کو روشنی ملی ہے۔ اور اس کے گلے میں چاند سورج کے حمائل بنا کر ڈالے گئے ہیں۔

دوسری نظم میں لکھتا ہے کہ:۔

اے کوملی تیرا قد دیکھ کر چمن کے سرو اشارے کرنے لگتے ہیں تیرا قد باغ فردوس کے لئے بھی باعث زینت ہے۔ میں نے اپنی پلکوں کو تکیے بنا کر رکھا ہے تاکہ اے ہندی پتلی تو میری آنکھ میں آکر آرام کرے تیرے دونوں ہونٹ ایسے رنگیلے ہیں کہ یاقوت نے ان سے رنگ مانگا اور عقیقوں نے یمن میں ان سے بھیک لی۔ تیری باریک کمر کے عشق میں میں بال کی طرح باریک ہو گیا ہوں۔ یہ اتنی باریک ہے کہ پیرہن کا کوئی تار اتنا باریک نہ ہوگا۔ دکھن کی اس کوملی سکھی کو دیکھ کر میری جتنی کالی اور گوری سہیلیاں تھیں میں اُن سب کو بھول گیا۔

تیسری نظم میں لکھتا ہے کہ:۔

اے اچھی پیاری جب تو نظر بازی کرنے کے لئے آنکھ سے آنکھ ملا کر کھڑی ہوتی ہے تو میرے لئے نظر ٹکانا دشوار ہو جاتا ہے۔ تو کندنی رنگ کی ایک پُتلی ہے۔ جس کا روپ کو نلا ہے۔ تیری گلابی آنکھوں میں سمندر موجیں مارتا رہتا ہے۔ اور تیرے سورج سے گالوں میں دانت نورتن کی طرح جڑے ہوئے ہیں، تو بالے بال زنگار رنگ اور چنچل ہے۔ خوبرویوں پر راج کرنا تجھے سجتا ہے، اے گلابی آنکھ والی سہیلی تو میرے دل کی پیاری ہے۔

ایک اور نظم میں لکھتا ہے کہ:۔

یہ شگفتہ چنچل پھر میرے یہاں سبز آنچل اوڑھے اور پھولوں کی کلغی لگائی ہوئی آئی۔ اس کی الھڑ چال سے شراب کا خمار اور آنکھوں میں رنگ کے ڈورے نظر آ رہے ہیں۔ اس حسین کی محبت اور اس کے پاؤں کی جھنکار دل کے لئے امید، تن کے لئے عیش اور کان کے لئے ذوق کا باعث ہے۔ وہ گالی دیتی ہے اور دکھ سے کاری ہو کر گھات کرتی اور لاکھ خوشامد اور لوچ سے دروازے میں میرے آڑے آتی ہے۔ یہ سب میں ہوشیار عورت ہے، کیونکہ بھید کو جانتی عشق کو پہچانتی اور

اپنے گھر میں تخت پر بیٹھتی ہے۔

پیاری بھی محمد قلی کی نہایت چہیتی تھی، لیکن وہ اپنے حسن و نزاکت پر اتنی مغرور تھی کہ ہمیشہ محمد قلی کو ترساتی اور ستاتی رہتی تھی اور وہ ہمیشہ اس کو منانے کی فکر میں رہتا، چنانچہ کہتا ہے کہ :—

اے سکیو تم آج جا کر پیاری کو سمجھا منا کر لے آؤ کیونکہ تمام عشوہ طرازوں کا تاج اسی کے سر سجتا ہے۔ اس سے کہو کہ قطب شہ نے اپنے مکان کو بہت ہی زیبائش و آرائش سے سنوارا ہے لیکن تیرے بغیر گذارنا مشکل ہے اگر تجھے عشق ستاتا ہے تو آ اور دیوانہ بنا لے کیونکہ یہاں تیرا ہی راج ہے۔ تیرا لباسِ حسن ایسا عجیب ہے کہ اس کے ساتھ یہ عشوے تجھے زیب دیتے ہیں۔ تو اپنے روپ کی وجہ سے شاہِ خوباں ہے اس لئے سب تجھے خراجِ عشق ادا کرتے ہیں۔ جس وقت میں تیرے چہرہ کا نور دیکھتا ہوں تو وہ ایک لمحہ میرے لئے سو برس کی عشرت کے برابر ہے۔

دوسری نظم میں کہتا ہے :—

اے پیاری تو حچھ سے غرور نہ کر۔ جب یہ جوانی چلی جائے گی تو خمیدہ

ہو جائے گی۔ یقین جان کہ یہ بات دنیا میں مشہور ہے کہ ٹوٹے ہوئے موتی کا مول کم ہو جاتا ہے۔ جوانی اور جوبن اسی لئے ہے کہ اپنے سائیں کیلئے باعث عیش ہو۔ تو اپنے دل میں سائیں کی محبت قائم رکھ کیونکہ تیری ہی وجہ سے اس کا عیش ہے۔ جب تو عشوہ و ناز کے ساتھ سنگھار کر کے آتی ہے تو تیرے چہرے پر پسینہ کی بوندیں اسی طرح بھلی معلوم ہوتی ہیں جس طرح پھول پر شبنم۔ تو اپنی شراب حسن سے سکیوں کو فیض یاب کرتی ہے اور تمام خوبرویوں میں اپنا علم سرفرازی بلند رکھتی ہے۔

دوسری نظم میں یوں لکھا ہے :۔

اے پیاری تیرے بچھڑنے کی وجہ سے مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی تجھے قدرت نے ایسا اچھا گھڑا ہے کہ تیرے بغیر مجھے ایک گھڑی بھی محبت نہیں بھاتی۔ جو دل سے تیرا عاشق ہے اس کو رات اور دن کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا۔ تیری یاد کچھ اس طرح لگی ہوئی ہے کہ پھر کچھ بھی یاد نہیں آتا۔ تیرے بیمارِ محبت کا علاج لقمان بھی نہیں کر سکتا۔ جب تک تو اپنے ہونٹوں کا شربت نہ چکھائے گی تیرے عاشق کو کیونکر صحت ہوگی؟ یہ سچ ہے کہ تیرے ساتھ ایک رات رہنا میرے لئے سو راتوں کے برابر ہے۔ تو ہی کہہ جب تو

مجھے اپنے سیج پر نہ بلائے تو میں پھر کس کے سیج پر رہوں۔ تیری اس فرقت کی آگ میں میرا دل موم کی بتی کی طرح پگھل رہا ہے۔ لیکن تو مصری کی طرح سخت اور ٹھوس ہے اور خود کو ذرا بھی نہیں پگھلاتی۔

تیری رفتار، تیری گفتار، تیرے تیور طرح طرح کے ہیں۔ تو جو کچھ بُرا بھلا کہنا چاہتی ہے کہہ لے لیکن مجھے ناامید نہ کر۔ تجھ کو خدا نے اتنی قدرت دی ہے کہ تو قطب شاہ کو سنبھالے رکھ سکتی ہے۔

ایک اور نظم میں لکھتا ہے:۔

اے پیاری تیرا بول مجھے مارے ڈالتا ہے۔ تیری ہر بات مجھے کٹاری نظر آتی ہے۔ تیری چوٹی ناگ کی طرح ہے، جس کا زہر کڑوا ہوتا ہے۔ تو کھیلتے وقت اپنی اس ناگ جیسی چوٹی کی وجہ سے پیچ پچ سپیرا معلوم ہوتی ہے۔ میں بھونرے کی طرح تیرے اطراف پھر پھر کر تیری خوشبو لیتا ہوں کیونکہ اس خوشبو میں نرگس کی طرح خمار نہیں ہے۔ تیرے جسم سے صندل اور مشک کی خوشبو نکلتی رہتی ہے۔ تو کانچ کی چوڑیاں پہنی ہوئی ہے اور ہاتھ میں اچھری باندھی ہے۔ ٹھیکری اور کانچ میں وہ ہندوی گنوار کیا فرق کر سکتی ہے (پھر بگڑ کر لکھتا ہے) تیرے بول میں نمک اور تیرے ہونٹوں میں

رس نہیں ہے۔ تیری چولی کسی ہوئی نہیں ہے اور تیری چوٹی اندھیرا ہے۔

محمد قلی کی بارہ پیاریوں میں ایک گوری بھی ہے۔ اس کی نسبت ایک نظم میں لکھتا ہے :—

گوری کا چہرہ حسن کی وجہ سے اس قدر سہانا معلوم ہوتا ہے کہ اس چاند سے چہرہ سے شرما کر خود چاند نقاب پوش ہوجاتا ہے۔ وہ سرو جیسا قد نہیں بلکہ ایک کندنی درخت ہے جس سے سورج جیسی روشنی نکلتی ہے۔ اے گوری تو رنگ اور رس کے باغ کی کلی ہے اس لئے تیرے چہرہ سے زندگانی کا پانی ٹپکتا ہے۔ تیرے رسیلے ہونٹوں میں شراب بھری ہے۔ یہ عاشقوں کے دل کو جلا کر کباب بنا دیتے ہیں۔

ان کو میں زلفیں کہوں یا تازہ سنبل جو تیرے پھول جیسے چہرہ پر اس طرح بکھرتی ہیں جیسے چاند پر ابر۔

تیری مستانہ چال سے ہاتھی شرماتے ہیں کیونکہ ان میں یہ ناز اور شوخی نہیں۔ اے قطب نبیؐ کے صدقے میں تجھے گوری ملی ہے تو اس کے گلے میں باہیں ڈال اور اس کے ساتھ شراب پی۔

دوسری نظم میں کہتا ہے :۔

گوری عشق کی ایک رنگیلی پتلی ہے جو تمام خوبرویوں میں چھبیلی نظر آتی ہے۔ تجھے پدمنیوں کے چہروں کی بزم آرائیاں زیب دیتی ہیں۔ کیونکہ تو چاند جیسی صورت رکھنے والیوں میں سب سے زیادہ رسیلی ہے سولہ[16] سنگار صرف تیرے جسم کی سج دھج کو دیکھ کر بنائے گئے ہیں کیونکہ تمام مہ جبینوں میں تو ہی سب سے زیادہ حسین ہے۔ تیرے سر پر نور کا جلوہ برستا ہے۔ تیری جیسی سندر سہیلی اور کوئی نظر نہیں آئی۔ نبی کے صدقے میں قطب شاہ سے ایسی پیاری حسن کا پیراوا پہن کر آملی۔

تیسری نظم میں کہتا ہے :۔

اے عشق کی تیلی تو میرے دل میں کھڑی ہوئی ہے۔ اور عشق کی وجہ سے تجھے تو پر لگ گئے ہیں۔ اس تیلی کو عشق و محبت پر ناز کرنا زیب دیتا ہے۔ وہ عشق بازی کے لئے کمر باندھ کر تیار اور جوبن کے پیالے اپنے ہاتھ میں لے کر کھڑی ہوئی ہے۔ اے پریم کی سہیلیو بتاؤ کہ پریم کے باغ میں یہ پیاری سجتی ہے کہ نہیں۔ اے گوری تیرے جسم پر سرتا قدم پھول ہی پھول ہیں۔ تو اپنی پرستش کرانے کے لئے کھڑی ہے۔ تو مجھے عشق کی صحبتوں میں

پیالہ پلا۔ مجھ پر تیرے عشق کی بھٹی کی مستی چڑھی ہوئی ہے۔ نبیؐ کے صدقے میں مجھے ایسی گوری ملی ہے کہ سورج اور مشتری جس کے عکس ہیں۔

اسی طرح بارہ پیاریوں میں سے ہر ایک پر کئی کئی نظمیں لکھی ہیں جو کلیات کے صفحات ۲۲۴ تا ۲۶۴ پر درج ہیں اور ان خاص پیاریوں کے علاوہ اور دوسری پیاریوں پر بھی اس کی نظمیں موجود ہیں جو کلیات کے صفحات ۲۶۵ تا ۲۸۱ پر شائع ہوئی ہیں۔

ان سب پیاریوں کی نظموں کے خاکے یا خلاصے پیش کرنا موجب طوالت ہے اس لئے ہم یہاں اس کی صرف خاص خاص پیاریوں کے سراپا اسی کی نظموں سے اخذ کر کے نہایت مجمل الفاظ میں پیش کر دیتے ہیں :—

۱۔ ننھی بالا قد۔ چاند سا روشن چہرہ۔ چمکدار آنکھیں۔ جسم میں ایک خاص خوشبو۔ ابتدا میں نہایت شرمیلی اور سیدھی سادھی لڑکی تھی جو بہت جلد عنفوانِ شباب کو پہنچ گئی۔ ملنے اور بات کرنے سے جھجکتی تھی شراب سے نفرت کرتی تھی اور شراب کی صراحی اور پیالہ ہاتھ میں لینے اور پینے پلانے سے ہمیشہ بچتی تھی۔ آنکھوں میں کاجل لگاتی اور خط سے کھینچتی تھی۔ بدن پھول کے رنگ کی ساری باندھتی جس کے کنارے عجیب و غریب ہوتی

ٹنکے ہوتے۔ وہ بعد کو بڑی ہنس مکھ، ظریف، اور حاضر جواب ہو گئی تھی۔

۲۔ساؤنلی بلند و بالا قد۔ دلفریب ساونلا سلونا رنگ جس کی وجہ سے وہ بہت نازک اور کونلی معلوم ہوتی تھی۔ خوش آواز۔ خوش خرام۔ موتی کی طرح دانت۔ شوخ آنکھیں۔ زرق برق لباس پہننے والی۔ موتی کے رنگ کی نیم تنی زیب بر کرتی۔

۳۔کونلی ایسی دُبلی پتلی کہ ہوا سے ہلنے والی۔ جسم کو شرم و ناز سے اتنا چرائے رکھتی کہ کمر کے ہونے نہ ہونے کا شبہ ہوتا۔ دکنی تہہ جبیں کندنی رنگ۔ گلابی آنکھیں جو رنگین ڈوروں کی وجہ سے ہمیشہ خماری نظر آتیں چڑھی ہوئی بھویں، یاقوت اور عقیق یمن کو شرمانے والے ہونٹ۔ چمکدار رخسار نورتن جیسے دانت۔ سرتاپا رنگا رنگ اور چنچل۔ سبز آنچل اوڑھتی۔ بالوں کو پھولوں سے سجاتی۔ بہت ہی ہوشیار۔

۴۔پیاری ہمیشہ روٹھنے اور بگڑنے والی۔ بہت ہی خوبصورت اور اپنے حسن پر بہت مغرور۔ روشن چہرہ۔ جب بن سنور کر نکلتی تو چہرہ پر پسینہ کی بوندیں ایسی بھلی لگتیں جیسے پھول پر شبنم۔ تند مزاج اور تلخ گفتگو کرنے والی۔ ناگ کی طرح سیاہ بل کھائی ہوئی لانبی چوٹی۔ خوشبودا

جسم۔ کانچ کی چوڑیاں پہنتی اور ہاتھ میں اچھری باندھتی ۔ بیحد عشوہ طراز۔

۵۔ گوری | چاند سا چمکتا چہرہ ۔ روشن پیشانی ۔ پراگندہ زلفیں ۔ رسیلے ہونٹ ۔ مستانہ چال ۔ اُبھرا ہوا سینہ ۔ تیلی جیسا خوبصورت اور پھولوں کی طرح نرم و نازک اور شگفتہ جسم ۔

۶۔ چھبیلی | رخسار پر تل ۔ ژولیدہ زلفیں ۔ شکاری آنکھیں ۔ خط سُرمہ کھنچا ہوا ۔

۷۔ لالا | ہونٹوں میں آب حیات ۔ گلابی پھولوں کی طرح دانت ۔ سرِ پستاں سے جوانی ٹپکتی ہوئی ۔ مست کرنے والی چال ہنسی سے رات کو دن بنانے والی ۔ عشق و محبت کی پیاسی ۔ غمزدۂ فراق ۔

۸۔ لالن | نقل جیسے ہونٹ ۔ ہنس جیسی چال ۔ پھول کی کلی سے نازک ۔ کم عمر اور ناداں ۔

۹۔ موہن | جادو سے بھری ہوئی آنکھیں ۔ عشوہ طراز اور گُن والی ۔ چہرہ پر عیش و صال کی کیفیت نمایاں ۔ آنکھیں رات کی خماری سے متوالی ۔ سہانی سبز ساری جس پر شفق رنگ کی کناری لگی ہوئی ۔ محبت میں دیوانی ۔

۱۰۔محبوب | گلاب کے پھول ایسے گال ۔ باریک کمر۔ زریں پٹکہ کسی ہوئی یوسف سے زیادہ حسین ۔

۱۱۔مشتری
۱۲۔حیدرمحل } ان دونوں کا تذکرہ آئندہ تفصیل سے آئے گا ۔

ان پیاریوں کے علاوہ محمد قلی نے متعدد نظمیں ایسی بھی لکھی ہیں جو اُس کی عیش و عشرت کی ترجمان ہیں اور عشق عاشقی کی زندگی کی دلچسپ داستانوں کا کام دیتی ہیں۔ ان نظموں میں بعض بہت عریاں ہیں جن میں اُس نے وصال کے پرکیف مرقعے پیش کئے ہیں۔ اور بعض نظمیں اُس کی جوانی کی راتوں اور مرادوں کے دنوں کے تفصیلی اور دلچسپ نظام العمل ہیں۔ حسن و عشق کے راز و نیاز کا شاید ہی کوئی موضوع ہو جو چھوٹ گیا ہو۔ شباب کی رنگارنگیوں اور جذبات کی جولانیوں کے اظہار میں اس کا قلم غیر معمولی قدرت رکھتا تھا۔ اور یہ قدرت تخیلی یا فرضی عشق عاشقی سے نہیں پیدا ہو سکتی۔ محمد قلی صحیح معنوں میں اس میدان کا مرد تھا۔ اُس کے رفیع الشّان محل نہ تھے بلکہ اصل میں بین قومی حسن و نغمہ کی وسیع اور آراستہ و پیراستہ نمائش گاہیں تھیں۔ ان میں کئی ملکوں اور کئی مذہبوں اور ہر وضع و قطع کی نازنینیں آزادی اور بے تکلّفی کے ساتھ اپنے حسن و جمال کی

آرائش وزیبائش میں مصروف ومنہمک، اورعشق ومستی کی عجیب وغریب کیفیتوں اورجوانی ورعنائی کے بے پناہ جذبات کے مظاہرے کرتی رہتی تھیں۔

(۹)

بھاگ متی یا حیدر محل

تعجب ہے کہ قطب شاہی تاریخوں کے علاوہ کلیات محمد قلی سے بھاگ متی کے واقعہ کے متعلق کوئی تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ محمد قلی قطب شاہ نے اپنے اشعار میں اپنے متعدد محبوبوں کے نام لئے ہیں اور ان میں سے بعض کی تعریف و توصیف میں کئی کئی نظمیں بھی لکھی ہیں لیکن بھاگ متی کا نام کہیں نظر سے نہیں گزرتا۔ بعض شعروں سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ :۔

"قطب شاہ اپنے اس بخت پر نازاں ہے کہ اُس کا معشوق اس کی محفل میں رقاص بنا جس کے شکرانہ میں وہ اس کے طاق ابرو میں سجدہ کرنا چاہتا ہے"

ایک اور شعر میں لکھا ہے :۔

"قطب شاہ کو ایک ایسا بے بہا دُر مل گیا جو اپنے رقص میں کامل الفن ہے"

ایک اور جگہ لکھا ہے کہ :۔

"نبیؐ کے صدقے میں اے معشوق میں اُس شہر میں رہتا ہوں جو تیری

محبت میں آباد ہوا ہے اور جس کے مقابلہ میں مجھے کوئی شہر پسند نہیں آتا۔"
بھاگ کا لفظ اُس نے کئی اشعار میں استعمال کیا ہے لیکن اس کے معنی حصہ یا قسمت کے ہیں، اور اکثر جگہ یہ لفظ اپنے لغوی معنوں کے لحاظ سے ٹھیک بیٹھتا ہے اس لئے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بھاگ متی ہی کیلئے ہوگا۔ اس سلسلہ میں محمد قلی کے حسب ذیل شعر قابل ذکر ہیں :—

ٹیلا سو تج پیشانی انت بھاگ کی نشانی — کن موتی ہے نورانی زہرا و مشتری کا

نبی صدقے تج نینہہ شہر ہے قطب — نہیں کوئی شہر اس شہر تھے الذ

بھواں کے طاق میں سجدا کروں میں — ہوئے سائیں مری محفل میں رقاص

قطب شہ پائیا ہے بہا دُر — ہوی اپ تاج تھے کامل میں قاص

شب برات کے موضوع پر سلطان محمد قلی نے متعدد نظمیں لکھی ہیں جن میں ایک نظم بھاگ متی سے متعلق معلوم ہوتی ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ :—

شب برات کی سہانی تقریب میں میری محبوبہ ایک اور بار میرے گھر آ رہی ہے۔ اور اپنے زرق برق کپڑوں کی وجہ سے اپنے ساتھ آسمان کے چاند اور سورج سے زیادہ روشنی والے لاکھوں چاند اور سورج لے آ رہی ہے جس کی وجہ سے کیا تعجب کہ زمین آسمان پر طعنہ زنی کرے، کیونکہ میری پیاری نے



بھاگ متی (حیدر محل) محمدؐ قلی قطب شاہ کی مشہور محبوبہ

زمین کو صاف و شفاف آسمان کی طرح جھلکا دیا ہے۔ اور میری سکھیوں کو اپنے جوبن اور سکھ کے لیے
جن جن چیزوں کی آرزو تھی ان سب کو اس نے ان کی خواہش کے مطابق مہیا کر دیا ہے۔
دنیا سال بھر سے اس کے درشن کی مشتاق تھی اس لئے اس نے اپنا دیدار دکھا کر میری دنیا کو اپنا دیوانہ بنا لیا۔
اس نے پھول جیسے جسم کو عروسی خوشبوؤں سے خوب مہکا لیا ہے تاکہ میں لطف کے ساتھ اس سے بغلگیر ہو سکوں۔
اے قطب شاہ نبی کے صدقے میں بھاگ متی سے مل کر تو اپنے ہوس کے یا ہوس کے مطابق وصال کے مزے
اڑا کیونکہ وہ خود کو قطب شاہ کی داسی سمجھ کر خوب بن سجا کر آئی ہے"

بھاگ متی کے ساتھ عشق عاشقی کا تذکرہ سب سے پہلے خود محمد قلی قطب شاہ ہی کی زندگی میں تاریخ فرشتہ اور قطب مشتری دو کتابوں میں لکھا گیا۔ قطب مشتری کے مصنف نے تو اس واقعہ کو استعارہ کے پیرایہ میں بیان کیا لیکن مورخ فرشتہ نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ :۔

"و آں قطب فلک اجلال در اوائل پادشاہی بر فاحشہ بھاگ متی عاشق شدہ ہزار سوار
ملازم او گردانیدہ تا بطریق امرائے کبار بہ دربار آمد و شد می نمودہ باشد۔ و در آں
ایام چوں از زبونی آب و ہوائے گولکنڈہ خلائق متنفر و بیزار شدہ بودند قطب شاہ در چہار
کروہی بلدہ مذکور شہرے .... ساختہ موسوم بہ بھاگ نگر گردانیدہ۔ و در آخر آں
نام پشیمان گشتہ موسوم بہ حیدر آباد ساختہ لیکن درمیان خلائق مشہور بہ بھاگ نگر است نہ حیدر آباد"
(صفحہ ۱۷۳)

محمد قلی قطب شاہ کی وفات کے بعد گولکنڈہ میں جو تاریخیں لکھی گئیں ان میں بھاگ متی کا حال درج نہیں ہے۔ البتہ بعد کی تاریخوں مثلاً حدیقۃ العالم، تاریخ قطب شاہی (قادر خاں) اور گلزار آصفی میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ موخر الذکر تاریخ میں ابراہیم قطب شاہ کے بیان میں لکھا ہے :۔

"پل دریائے موسیٰ بسبب تعشق شہزادہ مرزا محمد قلی کہ بر حسن جانفزائے بھاگ متی طوائف میلے
کلی داشت تیار گردید۔ حقیقت آں این کہ شہزادہ مذکور بر طبق عادت معہود کہ ہوا صلت
خفیہ لذت بسیار میدید ہموارہ بوقت شب از قلعہ محمد نگر بخانۂ طوائف مذکورہ در موضع چچلم
کہ آبادی بلدہ حیدر آباد بر زمین ہموں موضع واقع است آمد و شد می داشت۔ روزے
موسم باراں موافق معمول خود بوقت شب قصد نمودہ چوں بر سر دریائے موسیٰ رسید دید کہ
طغیانی آب از حد زیادہ است کہ فیل نہ دستی کوہ پیکر نمی تواند قدم اندرونش گذارد فوراً

در جذبۂ عشق و محبت اسپ سواری خود را بے اندیشہ در تلاطم تموج آب انداخت و بہ زور حفظ حقیقی بسلامت بر آمد۔" (صفحات ۱۴ و ۱۵)۔

یہ واقعہ حیدرآباد میں زبان زد خاص و عام ہے اور راقم الحروف نے اس تاریخی واقعہ کو افسانے کی شکل میں پیش کر کے "بھاگ متی کی رفاصہ" کے عنوان کے تحت کتاب سیر گولکنڈہ میں شامل کیا ہے[1]۔

گلزار آصفی سے تقریباً پچاس سال قبل حیدرآباد میں ایک اور تاریخ حدیقۃ العالم لکھی گئی تھی اس میں بھی بھاگ متی کا ذکر موجود ہے کہ:۔

"بادشاہ در آں ایام بزمانہ بھاگ متی نام تعلق خاطر داشت چنانچہ ہزار سوار لازم او گردانید تا ہمچوا دائے کبار بدر بار آمد و شد می نمودہ باشد۔ لہذا نخست آں شہر حیدرآباد را بہ بھاگ نگر موسوم ساخت و مستقر سریر سلطنت خود گردانید۔ و بعد چندے کہ بھاگ متی ازیں جہاں درگذشت تنبیہ شدہ تبدیل آں نام بحیدرآباد نمود۔" (صفحہ ۲۱۵)

ان شہادتوں کے مقابلے میں ماہ نامہ کی یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ محمد قلی قطب شاہ نے شہر حیدرآباد کا نام اپنی ماں بھاگیہ رتی کے نام پر بھاگ نگر رکھا تھا کیونکہ ماہ نامے سے تقریباً دو سو سال قبل فرشتہ نے اور پھر ماہ نامہ کی کم و بیش معاصر تاریخوں (حدیقۃ العالم، تاریخ قطب شاہی (خافی خاں) اور گلزار آصفی) میں بھی بھاگ متی محبوبۂ محمد قلی کے نام پر اس شہر کا موسوم ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اس محبوبہ بھاگ متی کے علاوہ محمد قلی کی ماں کے نام بھاگیہ رتی میں بھی لفظ بھاگ شامل ہو۔

---

[1] بھاگ متی کا ذکر مولوی سید علی اصغر صاحب۔ بلگرامی نے بھی اپنی کتاب ماثر دکن صفحات ۲، ۵، ۹ اور ۱۰۶ پر کیا ہے۔

غرض اس طرح دو ناموں کے لحاظ سے اس شہر کا نام بھاگ نگر کہہ دیا گیا ہوگا اگرچہ یہ بات یقینی نہیں ہے کہ محمد قلی کی ماں کا نام بھاگیہ رتی تھا بھی یا نہیں۔

بہرحال موجودہ معلومات کی بنا پر اتنا یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ محمد قلی عنفوان شباب ہی میں (یعنی ۱۴ سال کی عمر میں) بھاگ متی پر عاشق ہوا اور اس کی خاطر طغیانی رود موسی میں اپنا گھوڑا ڈال دیا۔ جب اس خطرناک جرات کی خبر اس کے باپ ابراہیم قطب شاہ کو ہوئی تو اس نے ندی پر پل بنوا دیا۔ اس کے کچھ دن بعد ہی ابراہیم کا انتقال ہوگیا اور محمد قلی نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی محبوبہ کے اعزاز و اکرام میں اضافہ کی خاطر ہزار سوار اس کے یہاں متعین کر دیئے جو ہر وقت اس کے جلوس میں رہتے اور وہ اسی شان و شوکت کے ساتھ موضع چچلم سے گولکنڈہ آیا کرتی تھی اور خود محمد قلی بھی اس کے یہاں جایا کرتا۔ اسی اثناء میں اس نے اپنی محبوبہ کے گاؤں کو ایک عظیم الشان شہر میں تبدیل کرنے کی ٹھانی اور جب یہ شہر بن گیا تو اسی کے نام پر اس کا نام بھاگ نگر رکھا۔

حیدرآباد میں خود دولت خانۂ عالی اور دیگر محلات کے بن جانے کے ساتھ ہی محمد قلی نے بھاگ متی کو اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ اور شادی کے بعد مشتری اور بعد کو حیدر محل کا خطاب دیا۔ اور اس کے لئے ایک خاص محل بھی بنوا دیا جس کا نام حیدر محل یا حیدر منڈوہ رکھا گیا۔ پھر اس خطاب کی مناسبت سے بھاگ نگر کا نام بھی حیدرآباد میں تبدیل کر دیا گیا۔ بعض مورخین کا یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ محمد قلی نے بھاگ متی کے انتقال کے بعد پشیمان ہو کر

شہر کا نام بدل دیا۔ کیونکہ اس نے خود اپنی نظموں میں اپنی محبوبہ حیدر محل کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ خطاب بھاگ متی ہی کو دیا جا سکتا تھا جو آخر وقت تک جملہ مورخین کے قول کے مطابق اس کی چہیتی محبوبہ تھی۔ اتنا ضرور ہے کہ حیدر محل کا خطاب دینے کے بعد محمد قلی نے اس امر کی کوشش کی تھی کہ بھاگ متی اور بھاگ نگر کا نام لوگوں کے ذہن سے محو ہو جائے اور حیدر محل اور حیدر آباد رائج ہو جائیں۔ چنانچہ جب وجہی نے بھاگ متی سے عشق عاشقی کا قصہ لکھا تو اس میں بھی اس نام کو چھپائے رکھا اور خود محمد قلی نے بھی اپنے کلیات میں اس نام کے بجائے جگہ جگہ حیدر محل کا نام لکھا ہے۔ ورنہ لازمی تھا کہ جب وجہی مشتری کے سامنے محمد قلی کی معشوقاؤں کا تذکرہ کراتا ہے تو بھاگ متی کا بھی ضرور ذکر کرتا لیکن اس نے تو خود بھاگ متی ہی کو مشتری کے نام سے ظاہر کیا ہے۔ اور اس مشتری یا بھاگ متی کے متعلق محمد قلی نے اپنے کلیات میں دو نظمیں اور مختلف جگہوں پر اشعار لکھے ہیں۔

یہ نظمیں کلیات کے صفحہ ۲۶۲ تا ۲۶۴ پر درج ہیں۔ ایک نظم میں وہ مشتری کو اپنی آنکھ کی پتلی کہتا ہے اور اس کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ:۔

> سب کو تیرے جوبن سے عشق ہے۔ تیرے ہونٹ کوثر کا پیالہ پلانے میں۔ ان پر محبت کا نشان ہے اور ان کے چومنے سے نبات شرما جاتی ہے۔ ہوشیار سے ہوشیار عورتوں میں تو ہوشیار ہے اسی لئے میں تجھے سنا کر اپنے دل میں بٹھاتا ہوں وغیرہ۔"

ایک دوسری نظم میں وہ کہتا ہے:۔

> اے قطب شاہ تو اپنے معشوق کی سلامتی کے لئے دعا کر کیونکہ اس کے جینے سے

تمام دنیا پر تیری فرمانروائی ہے۔ زندگی اسی کا نام ہے کہ جسم میں دل ہو۔ اور ہمارا دل ہمارا معشوق ہے جس میں عشق کی مستی ہے جس کی وجہ سے وہ ہمارے دل میں عرصے سے جگہ پائے ہوئے ہے یہاں اس کا نور سورج کی شعاعوں سے زیادہ خوشنما اور روشن ہے۔ زحل نے بہت سے دشمنوں کے طالعوں کو میٹ دیا ہے اور مشتری کے طالع کی وجہ سے ہمارے طالع کو بقا حاصل ہے۔ اس لئے اے خدا قطب شاہ کے اس تارے کو اپنی عنایت سے سرافراز رکھ۔"

ان نظموں کے علاوہ محمد قلی نے مختلف جگہوں پر حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے کہ:۔

اے قطب شاہ تو شادی و خوشی کر کہ تیرا رشتہ اس کے رشتہ سے بندھا ہوا ہے اور مشتری تیرے لیے باعث برکت ثابت ہو رہی ہے۔

تو ثانی سلیمان ہے اور فتح و فیروزی تیرے ہی لئے ہے۔ اور تو نے اپنا منظور نظر بنا کر مشتری کو بھی شرف یاب کر دیا۔

اس کے شعر ہیں ؎

رشتہ ترا اس رشتہ سوں ہے بند معانی   شادی و خوشی کر کہ اہے مشتری نج راس
تون سلیمان ثانی و تج برج فیروزی و فتح   مشتری پایا شرف تیری نظر منظور سے تجھے

بعض شعروں میں وہ مشتری کو اپنی بزم میں رقص کناں ظاہر کرتا ہے جس سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ بھاگ متی ہی کا پہلا خطاب تھا:۔

ع کرے مشتری رقص مجہ بزم میں نت   ع زہرہ و مشتری سوں پاتر نچھار چاؤ
ندی رو ماوتی موتیاں کی آرتی بھر کر   سو زہرہ مشتری کے ہت پلاڈلا ہے آج

اسی طرح حیدر محل یا حیدر پیاری کے متعلق بھی اس کے کلیات میں تین نظمیں اور مختلف

اشعار دستیاب ہوتے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیدر محل فن موسیقی کی ماہر تھی اور محمد قلی
کی خاص معشوقہ وہ ایک نظم میں کہتا ہے کہ :۔

حیدر محل محبت سے نبات گھولتی اور روز بروز عیش و عشرت کے ساتھ عشق کے بلبل بجاتی ہے۔ اس کے سرو جیسے قد پر نورتن کا جلوہ نظر آتا ہے اور سب معشوقائیں اس کو دیکھ کر شرماتی ہیں۔ وہ اپنی پیشانی پر عشق کا ٹیکا (قشقہ) لگاتی ہے اور چاروں طرف نورتن کے تار بجتے ہیں وہ عشق کی چادر اوڑھ کر بیر بہوٹی کی طرح سرخ نظر آتی ہے۔ اے قطب شہ تو شکر کر کہ حیدر کی غلامی کی وجہ سے نبیؐ کو یہ بیبی ملی جس کی وجہ سے تیرے سر پر تاج سجتا ہے۔ (دیکھو صفحہ ۲۵۷)

ایک دوسری نظم میں لکھتا ہے کہ :۔

نبیؐ کے صدقے میں حیدر پیاری ملی ہے جس نے اپنے مختلف انداز سے میرے دل کو اپنے دل سے باندھ لیا ہے۔ وہ عشق کے پراسرار راگ گاتی ہے، اس کے بال میں کنول کی تازگی اور آفتاب کی چمک ہے وہ اپنی بھوؤں میں کاجل لگاتی ہے۔ جسم میں نارنجی رنگ کی تنگ چولی پہنتی ہے۔ اور آنکھوں کے خط سرمہ کے ذریعے سے میرے دل پر حملہ کرتی ہے۔ (دیکھو صفحہ ۲۵۸)

ایک دوسری نظم میں جو نامکمل دستیاب ہوئی ہے لکھا ہے کہ :۔

حیدر محل محبت و عشق کا جلوہ گائے اور یزدانی نغمہ بجائے۔ اس نے اپنے ہاتھ میں جلوے کے لئے کنگن پہن رکھا ہے، وہ اپنی آنکھوں کی پتلیوں کو تیلیوں کی طرح نچائے وغیرہ (دیکھو صفحہ ۲۵۰)

محمد قلی نے اس حیدر محل یا حیدر پیاری کے لئے ایک محل بھی بنا دیا تھا جس کا نام حیدر محل یا حیدر منڈ وہ رکھا تھا اس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ اس نظم میں لکھتا ہے :۔

حیدر محل میں حیدر پیاری کا جلوہ گاؤ اور اس خوشی میں زمین آسمان اور عرش پر فتح و نصرت کے طبل بجاؤ۔ اے ساقی سیم ساق میری بزم میں صراحی لے آ۔ اور پیالے کی

روشنی میں مجھے اپنے سائیں کی صورت دکھا۔ (یہ قاعدہ ہے کہ جلوہ کے وقت آئینہ میں دولھا کو دلہن کی صورت دکھاتے ہیں)۔ اور سورج کے طبق سے لے کر نقل و شراب اپنے رخساروں میں رکھ لو اور پیاری کی محبت کے ہار پیارے کے گلے میں ڈالو۔ اس نیک ساعت میں سینوں پر پستانیں زیب دیتی ہیں۔ دودھ اور مصری سے آبحیات کے ان گھڑیوں کو بھر دو۔

اس جلوے کے وقت بادشاہ اتنا اچھا نظر آتا ہے کہ پدمنیاں اور چھتنیاں سب شاہ کے روپ کی دیوانی ہوگئی ہیں۔ اے سکھیو ان کے ہاتھ سے قول کا بیڑا اٹھا کر شہ کو کھلاؤ۔ نبیؐ کے صدقے میں آج قطب شاہ کو جلوے میں بیٹھنا نصیب ہوا ہے اس لئے حوروں اور پریوں کو چاہئیے کہ شہ پر سے خود کو واریں۔" (صفحہ ۲۱۷)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظم حیدر محل کے ساتھ شادی کرنے کی تقریب میں لکھی گئی ہے۔ اور بھاگ متی کو نکاح کے وقت ہی حیدر محل کا خطاب دیا گیا تھا۔ اور بعد کو اسی کے خطاب کے لحاظ سے بھاگ نگر کا نام حیدر آباد میں تبدیل کر دیا گیا۔

بھاگ متی نے محمد قلی کی زندگی میں ۱۰۱۷ھ سے قبل چالیس بیالیس سال ہی کی عمر میں وفات پائی کیونکہ تاریخ فرشتہ اور قطب مشتری دونوں کی تصنیف کے وقت اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے زمانۂ وفات کا یہ اندازہ اس وجہ سے صحیح نکلتا ہے کہ

بعض مورخوں نے شہر کے نام کی تبدیلی کو بھاگ متی کی وفات سے لازم و ملزوم قرار دے کر بتایا ہے کہ تعمیر کے سترہ سال بعد اس کا نام حیدرآباد رکھا گیا[1]۔ گویا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ۱۰۱۶ھ کے لگ بھگ گولکنڈہ کی یہ مشہور مہ جبیں اپنے عاشق جانباز کو داغ مفارقت دے گئی۔

---

[1] تاریخ قطب شاہی مولفہ قادر خاں بیدری ۱۲۴۹ھ میں لکھا ہے:-

"بعد ہفدہ سال بہ حیدرآباد موسوم گردید" (صفحہ ۱۶)

دوسرا حصّہ

دسویں صدی ہجری کے آخری اور گیارھویں صدی ہجری کے ابتدائی چند سال سلطان محمد قلی قطب شاہ کی زندگی میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

اسی زمانہ میں اس کے مذہبی عقاید پختہ ہوئے، اور اُسنے اُن کی تبلیغ شروع کی جبکہ دکن میں (غالباً پہلی بار) حضرات شہدائے کربلا علیہم السّلام کی یاد میں علمِ مبارک اِستادکئے گئے۔

اس زمانہ کا دوسرا اہم واقعہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد جیسے عظیم الشان شہر کی تعمیر و تکمیل ہے۔

اور اِن دونوں امور نے نہ صرف محمّد قلی کی زندگی اور عظمت بلکہ دکن کی تہذیب و تمدّن اور تاریخ کے بنانے میں بڑا حصّہ لیا ہے۔

اس حصّہ میں انہی دو ممتاز واقعات پر نظر ڈالی گئی ہے۔

(۱۰)

مذہبی میلان اور مخالفین

کلام کے مطالعہ سے محمد قلی قطب شاہ کے مذہبی شغف اور دینداری کے متعلق جو تفصیلی معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ نہایت بیش بہا اور مفید ہیں۔ نہ صرف اس لئے کہ اُس نے مذہبی معاملات میں ایک اجتہادی شان پیدا کر لی تھی بلکہ اسکے معتقدات کی پختگی اور اہل بیت نبیؐ و ائمہ معصومینؑ کے ساتھ دلی اور مستحکم ارادت کی وجہ سے اس کو بعض دفعہ مشکلات اور بغاوتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اور یہ وہ واقعات ہیں جن کے متعلق تاریخوں سے زیادہ علم حاصل نہیں ہوتا۔ محمد قلی کی امن و امان اور عیش و عشرت کی زندگی میں اگر کہیں کوئی خلل نظر آتا ہے تو وہ انہی مذہبی اعتقادات کے اختلاف کا اندیشہ ہے جو کبھی کبھی اس کو سخت پریشان کر دیا کرتا تھا۔ لیکن اس میں اُس نے ہمیشہ کامیابی حاصل کی۔ اور ہر کامیابی کے وقت وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ وہ ہر موقع پر فتح و نصرت کی طویل اور بلند آہنگ نظمیں لکھتا اور اپنے ہم شہریوں کو مبارکباد اور مخالفوں کو بددعا یا

دشنام دیتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیجاپور یا احمد نگر سے مقابلہ کرتے وقت اس کو اتنی تشویش اور فکر نہ ہوتی تھی جتنی اپنے عقاید کے خلاف آواز بلند کرنیوالوں اور بغاوت کی دھمکی دینے والوں سے ہوتی تھی۔ محمد قلی اپنی اس فکر و تشویش میں حق بجانب بھی تھا کیونکہ ہمسایہ سلطنتوں کے ساتھ جب اس کو مقابلہ کرنا پڑتا تو یہ اس کی ذات کا کوئی سوال نہ ہوتا۔ ایسی صورت میں فتح و شکست کا اثر سلطنت پر پڑتا اور شکست کے موقع پر زیادہ سے زیادہ اس کا ایک قطعۂ ملک غنیم کے قبضہ میں چلا جاتا۔ لیکن جب خود اس کی رعایا کا ایک حصہ مذہبی اختلاف کی بنا پر اس کے خلاف ہو جاتا اور اس کے بھائیوں میں سے کسی کو تخت نشین کرنے کی سازش کرتا تو خود اس کی بادشاہت بلکہ زندگی خطرے میں پڑ جاتی تھی۔

تاریخ کے مطالعہ سے ہم کو صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس کے خلاف دو وقت خاص اہتمام کے ساتھ علمِ بغاوت بلند کیا گیا۔ لیکن نہ معلوم ایسی اور کتنی دفعہ ناکام کوششیں کی گئیں جو تاریخ میں درج ہونے کے قابل نہ تھیں۔ جن دو باغیانہ کوششوں کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے اُن میں سے ایک وہ ہے جو سنہ ۱۰۰۱ھ میں اس کے بڑے بھائی عبدالقادر عرف شاہ صاحب کے نام سے کی گئی۔ اور غالباً دعویٰ کیا گیا کہ بڑا بھائی زندہ ہوتے ہوئے چھوٹے کو

تخت نشین کرنا انصاف کے خلاف ہے اور دوسری باغیانہ سازش محمد قلی کے حقیقی بھائی خدا بندہ کی بغاوت[1] ہے جو ۱۰۰۱ھ کا واقعہ ہے۔ ان دونوں بغاوتوں کے تفصیلی حالات تاریخوں میں درج نہیں۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ بیدر کے مشائخین اور گولکنڈہ کے بعض عمایدین نے محمد قلی قطب شاہ کے مقابلہ میں ایک دعویدار سلطنت کو کھڑا کر دیا جو سمجھا جاتا تھا کہ اُس کا بڑا بھائی عبدالقادر عرف شاہ صاحب تھا جو اپنے باپ کی زندگی میں ۹۷۴ھ میں مورد عتاب ہوا تھا اور باغیانہ مقابلہ میں جان بچا کر فرار ہو گیا تھا۔ قطب شاہی تاریخیں لکھتی ہیں کہ وہ لڑائی ہی میں مارا گیا۔ لیکن محمد قلی کی اُس دلی تشویش سے جو کلیات کے بعض اشعار سے ظاہر ہوتی ہے شبہ ہوتا ہے کہ شاید محمد قلی بھی اپنے اس رقیب کو زندہ ہی سمجھتا تھا اور اس لئے اُسے ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا۔ اور یہ خطرہ اس وجہ سے اہمیت رکھتا تھا کہ شاید وہ ڈرتا رہتا تھا کہ کہیں دکن کے طاقتور سُنّی امرا اُس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف متحد کوشش نہ کریں جس طرح اس سے قبل یوسف عادل شاہ کے خلاف کی گئی تھی۔ چنانچہ جس خطرہ کو وہ محسوس کرتا تھا وہ واقعہ بن کر اس کے سامنے پیش بھی ہوا۔ یعنی جب اُس کے بڑے بھائی شاہ عبدالقادر کے نام سے

[1] اس بغاوت میں شاہ راجو صاحب اور اُن کے اکثر معتقدین مثلاً عبدالکریم حوالدار، انور خان، فتح الملک حوالدار، داؤد حسن علی وغیرہ نے حصہ لیا۔ لیکن محمد قلی نے جملہ اہل سازش کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ شاہ راجو صاحب تو ہاتھ نہ آسکے لیکن خدا بندہ معہ زن و فرزند اسیر ہو کر تمام فوائد دنیوی سے محروم ہو گیا۔

علم بغاوت بلند کیا گیا تو ملک و بیرون ملک کے اکثر امرا و عمائدین و مشائخین کو اس نئے دعویدار سلطنت سے ہمدردی پیدا ہوگئی۔ یہ سمجھ میں نہ آیا کہ سنّی امرا و مشائخین مثلاً خداوند خاں حبشی، خیرات خاں پسر دلاور خاں اور شاہ نعمت اللہ کے اہل خاندان محمد قلی سے کیوں ناراض ہو گئے تھے۔ تاریخ سے اس بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں البتہ کلیات محمد قلی سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی شیعیت پر بہت زور دیتا تھا اور ساتھ ہی بعض جگہ سنیّوں کو خارجی کے نام سے یاد کر کے بُرا بھلا بھی کہتا تھا۔[1] لیکن یہ سب وشتم ان کی بغاوت کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا ہوگا۔ سنیّوں کی مخالفت کے آغاز کی جو وجہ سمجھ میں آسکتی ہے وہ یہی ہے کہ محمد قلی تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی اپنی شیعیت پر فخر و مباہات کرنے کے ساتھ شیعہ عقاید کی ترویج و اشاعت پر زور دینے لگا ہوگا اور یہ چیز گولکنڈہ کے لئے نئی تھی۔ کیونکہ محمد قلی سے قبل کے حکمران ابراہیم قلی، جمشید قلی اور سلطان قلی، تینوں میں سے کسی نے اس امر پر زور نہیں دیا تھا۔[2] اور خاص کر

---

[1] اس بارے میں دیکھو حصۂ قصائد اور خاصکر قصیدۂ میلاد نبی صفحہ ۱۱ تا ۱۳ اور قصیدہ بسنت صفحہ ۳۶۔

[2] قطب شاہی تاریخوں میں جہاں یوم عزا کا ذکر ہے ماہ محرم کے جملہ رسوم و لوازم کے آغاز کا سہرا سلطان محمد قلی ہی کے سر باندھا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیقۃ السلاطین میں ذکر ماتم و تعزیہ داشتن کے سلسلہ میں "خصوصاً از زمان خاقان جنت بارگاہ محمد قلی قطب شاہ طاب ثراہ" لکھا ہے۔

ابراہیم قلی نے تو ایک ایسی بین قومی فضا پیدا کر دی تھی کہ کسی کو شکایت کی گنجائش ہی باقی نہ رہی تھی۔ اس پرسکون خاموش فضا کو شاید محمد قلی کے مذہبی جوش نے متحرک کر دیا تھا جس کی وجہ سے سوئے ہوئے فتنے جاگ اٹھے۔

شبہ ہوتا ہے کہ محمد قلی بھی بچپن سے شیعہ عقائد کا پیرو نہیں تھا۔ اور جیسا کہ ہم نے ابھی کہا کہ اس کے باپ ابراہیم قلی کو کسی خاص عقیدے سے دلچسپی ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ چونکہ اس نے محض اپنی ذاتی مقبولیت اور ہندو اور مسلمان دوستوں کی مدد سے بادشاہت حاصل کی تھی اسلئے وہ عمر بھر وسیع المشرب رہا سنیوں، شیعوں اور ہندوں سب کو برابر کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اور اس کی بیگمات میں بھی ہر مذہب کی عورتیں شامل تھیں۔ چنانچہ ماہ نامہ کی روایت کے مطابق محمد قلی کی ماں بھاگ رتی ایک ہندو عورت تھی۔ اسی طرح شاہ عبدالقادر کی ماں گلبرگہ کی مشائخ زادی تھی۔ یہ ابراہیم کی وسیع المشربی ہی کا ثبوت ہے کہ اس نے اپنے ایک لڑکے کا نام عبدالقادر رکھا اور اپنی لڑکیاں سنی عمائدین اور مشائخین مثلاً حسین شاہ ولی، شاہ قطب الدین وغیرہ کو بیاہ دیں۔ ان حالات کے پیش نظر یہ امر ممکن ہے کہ محمد قلی بھی بچپن میں شیعہ عقیدہ نہ رکھتا ہو اور اس شبہ میں اس وجہ سے بھی تقویت پیدا ہوتی ہے کہ اس نے اپنے کلام میں بعض ایسے شعر چھوڑے ہیں جو اس قیاس کو یقین کی طرف مائل کرتے ہیں

وہ عید مولود علیؑ سے متعلق ایک نظم میں حضرت علیؑ کی ولادت اور اس کی خصوصیتوں کے ذکر کے سلسلہ میں صاف صاف لکھتا ہے :-

میں نے اپنا دین چھوڑ کر اس دین کا راستہ پکڑا ہے ورنہ میں ایک ایک ہندو ہوتا۔ چونکہ میں نے آپ (حضرت علیؑ) سے میل پیدا کر لیا ہے اس لئے خوشی و خرمی کی طرف میلان ہے۔ (پھر رقیبوں سے کہتا ہے کہ) اے رقیبو تم اپنی بڑائی اپنی حد تک ہی رکھو کیونکہ خدا نے قطب شاہ کو نیک خصلت عطا کر دی ہے۔ اس کے شعر ہیں ؎

تولد ہوئے آج کے دن امامؑ | دیسے جیوں تو اچند ارؤے فرخ
میں اپ دین چھوڑ پکڑیا اس دین کا مارگ | نیاتے اچھوں مو کو ہندوئے فرخ
ہمن میل باندے تمن میل سیتی | اُسی تھے ہمن میل ہے سوئے فرخ
رقیباں بڑائی تمن تم اچھو نت | دیا حق معانی کے تئیں خوئے فرخ

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ :-

اے قطب شاہ تجھ پر ہزاروں رحمتیں ہوں کہ تو نے حیدر کرارؑ کا دامنا پکڑا ہے اور اس وجہ سے تجھے دونوں عالم میں سرفرازی ہے۔

ہزاراں رحمت ہو تجھ پر جو حیدر کا دامن | قطب شہ دو جگت میں سرفرازی ہے تجھ وہ سرور تجھے اس

ایک اور شعر میں لکھتا ہے کہ :-

قطب شاہ نے علیؑ کا دامن پکڑ لیا ہے کیونکہ وہ ہر جگہ کے رہبر اور چھڑانے والے ہیں ؎

نبیؐ صدقے قطب شہ نے علیؑ کا پکڑیا ہے دامن	کہ او منجکوں چھڑاون ہار ہوسے ٹھار ٹھار رہبر ہے

ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ :-

میں ایک جان اور ایک دل کے ساتھ حیدر پر ایمان لایا ہوں

یک دل یک جان ایک چت سوں ہور جیو میرا	حیدرؑ سوں صدق لایا صلوات بر محمدؐ

بارہ امام پنجتن کا مہر جم ہما ہو	منج سیس چھاؤں چھایا صلوات بر محمدؐ

اور پر ایک جگہ اس نے جو ذکر کیا ہے کہ اگر میں اس راستہ پر نہ پڑتا تو اب تک ہندو ہوتا، اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ وہ پہلے ہندو تھا۔ ممکن ہے کہ ہندوماں کے بطن سے ہونے کی وجہ سے وہ ایسا کہتا ہو یا شاید سنی ہونے کو وہ ہندو ہونے کے برابر سمجھتا ہو[1]۔

اکثر شعروں میں اس نے خود کو ابتدا سے مسلمان ظاہر کیا ہے۔ عید غدیر کی ایک نظم میں وہ کہتا ہے کہ :-

اگرچہ میں ازل سے مسلمان اور غلامِ مصطفےؐ ہوں یعنی میرا نام محمد قلی

---

[1] ایک آدھ شعر میں اس نے سنی کے ساتھ کافر کا لفظ بھی استعمال کیا ہے (دیکھو صفحہ ۱۱ قصائد)۔

یا غلام محمد ہے لیکن میں اب آپ کا بندہ ہو گیا ہوں اس لئے اے امیرؑ آپ میرا ہاتھ پکڑیں۔

اس کا شعر ہے ؎

از ازل تھے ہو غلام مصطفےؐ اقطب زماں
مج غلام کمتریں کو دست پکڑو یا امیرؑ

اس امر کا امکان ہے کہ ابتدا میں اس کو شیعہ عقائد کی نشر و اشاعت کرتا دیکھکر سنی امرا و علما نے اس کو اہل سنت کے عقائد کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہو اور اس کا میلان نہ پاکر اس کو مخالفت کا ڈر بھی بتایا ہو چنانچہ وہ عید غدیر ہی کی نظم میں ایک جگہ کہتا ہے ؎

رکھ مجھ حضرت کیے صدقے یا الٰہی امن میں
ہور رکھ ایماں درست دو جگ میں مج وو منجہ نصیر

ساتھ ہی اپنے امامیہ ہونے کے اعلان، ترک مذہب نہ کرنے کی طرف اشارہ اور سنیوں کی دشمنی کا ذکر بھی کر دیتا ہے۔ اس کے چند شعر ہیں ؎

ہے محمد قطب شہ بارہ اماماں کا غلام
میں جو عاجز داس تیرا یا علیؑ منج دستگیر

منجے پیا ہیں ہمن پن کھوتے اس چاہ زنحداں میں
کریں کیوں ترک اپے مذہب ازل تھی پایا ہوں ملت

ہمیں ہیں شیعہ کر کرنے خوارج دشمنی سب ل
علیؑ ابن ابی طالب ان کوں ما دہت ضربت

یہاں یہ امر واضح رہے کہ دکن میں خارجیوں کے وجود کا کبھی پتہ نہیں چلتا۔

اس لئے محمد قلی کے کلیات میں جہاں خارجی کا ذکر ہے وہاں غالباً سنی ہی مراد ہے چنانچہ بعض شعروں میں اُس نے دونوں لفظ اس طرح استعمال کئے ہیں کہ ان کے مخاطب ایک ہی سمجھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ؎

سنی کافر کے تجانے ٹوٹے ہیں اس گھڑی سب — سو معجز تجھے خواج کوں ہے ہیبت گر بڑی کا

محمد قلی نے اپنے کلام میں بار بار اس امر پر زور دیا ہے کہ (دوسرے بھائیوں کی موجودگی میں) اس کو جو بادشاہت نصیب ہوی وہ محض شیعہ ہونے کی وجہ سے۔ اس کے اس قسم کے چند اشعار یہ ہیں ؎

پایا ہوں اماماں کی دعا تاج شہانی — مج تاج میں ہے نور الٰہی جھلکارا

حق کی نظر تجے قطبا نیرا بڑا ہے رتبا — صدقے (میرے) نبی علی ہے تج باعث ہور (اور) بانی

بارہ امام پنجتن کا مہر جسم ہما ہو — مج سیس چھپا نو چھپا یا صلوات (تیرا) بر محمد

سدا بارہ اماماں ہیں میرے نگہ دار ہیں — ہوا ہوں ان کی غلامی تھی (میرے سر پر) قطب راج دھیراج

قطب شہ ہے تج غلاماں میں غلام کمترین — دیو میرا ہت (ہاتھ) پکڑ چلوا مشکل شاہاں سب

اماماں (تیرے) میا ہے محمد قطب پر — نبی ہور علی کی دیا سوں (سب) ہیا پایا

خدا قطب شہ کوں شہنشاہ کر کر — سو سارے جگت میں وراہی پھرایا

محمد قطب شہ کے سارے وندیاں کوں (دشمنوں کو) — سو نابود کر کر جگت تھے (سے) گنوایا

پایا ہوں ملک کوٹ ان پیار تجھی ہیں منج کوں ہے سدا حیدر کرار معاذ

محمد بال پن تجھے ہے محمد کے غلاماں ہیں تو جیتا داویں نپتاں سوں سار سنیاں سیتیں

نبی کا ناؤں ہے تیرا محمد قطب شہ ناڈر قصہ موسیٰ و فرعون شیعہ کن ہے نہرنگا

نبی صدقے قطب جم کا ج کرتا ہے کہ پنجتن کے سکل شاہاں کا سو سر تاج ہو مشہور دستا ہے
نظر آتا

نبی ہور آل کے صدقے علی کا داس ہے قطبا

تو جگ میں پایا رتبہ سو جم خاقان سکندر کا

جب نبی صدقے ہوا ہے داس قنبر کا قطب دو جگت میں ہیں ترکلا عاقبت محمود کا

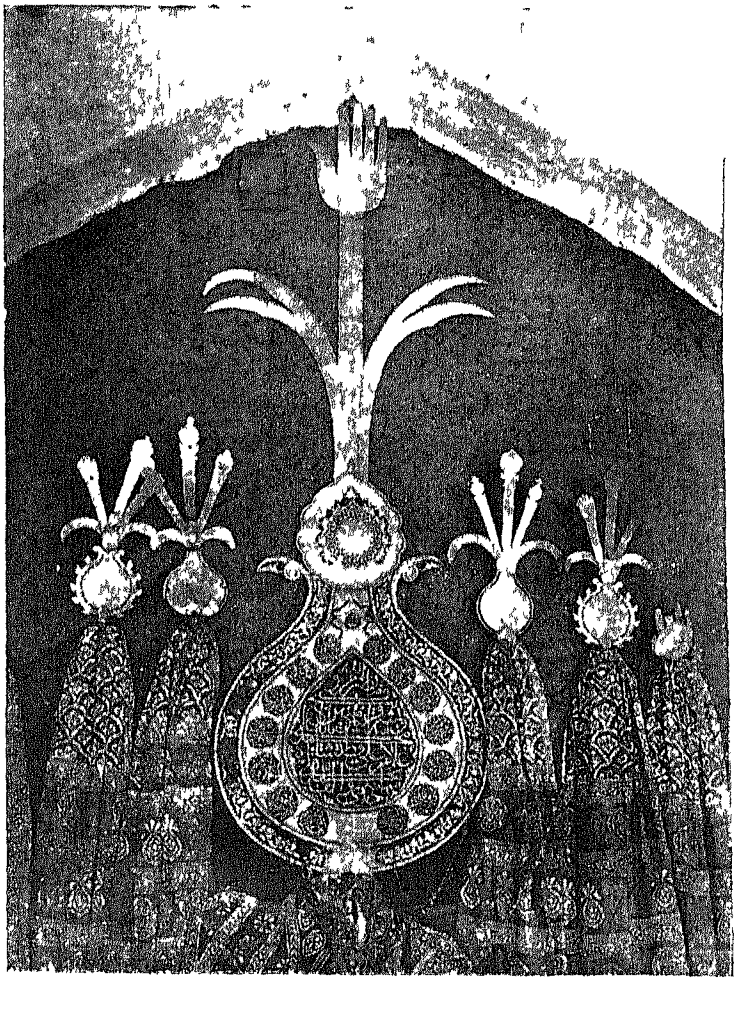
اس آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شاید پہلے قنبر کا غلام نہیں تھا جب سے غلام قنبر ہوا ہے اس کی عاقبت محمود ہو گئی۔ اور اسی طرح وہ کہتا ہے کہ جو کوئی عید میلاد علیؑ کرتا ہے اس کے طالع مسعود ہیں ع جن کرے یہ عید ہے وہ طالع مسعود کا

ایک اور شعر ہے ؎

صدقے نبی کے قطب شہ جم جم کرو مولود تم حیدر کی برکت تھے سدا سب جگ اپر فرماں کرو

غرض نہ صرف حکومت کو بلکہ زندگی اور دولت اور عروج ہر چیز کو وہ حضرت علیؑ اور پنجتن اور بارہ اماموں پر عقیدت رکھنے اور ان کی نظر عنایت کا ثمرہ سمجھتا ہے ؎

دعائے اماماں تھے منج راج قایم خدا زندگانی کا پانی پلایا



حسینی علم (گولکنڈہ)

سب سے بڑا علم جس پر محمدؐ قلی قطب شاہ کا نام اور تاریخ درج ہے

قطب شہ کوں مہیا کر دیا سوں پنجتن دائم   حیات ہور بخت دولت لیا کو خضر نبی جلاتے ہیں

آخر میں ایک شعر اور درج کر دیا جاتا ہے جس میں وہ شیعیت کو قبول کرنے کی طرف ایک اور دفعہ اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ :-

اسی وجہ سے میری عیش کی انگوٹھی میں چاند اور سورج کو نگینہ کی طرح جڑ دیا گیا ہے ۔

قطب پنجتن کی غلامی قبولیا   تو اس عیش انگوٹھی میں چند سور پائے

محمد قلی نے اپنے شیعہ عقائد کی تبلیغ ۱۰۰۱ھ میں مکمل کی جب کہ اس نے گولکنڈہ میں پہلی دفعہ دوازدہ ائمہ معصومین کے نام کا علم استاد کیا یہ شاندار تاریخی علم آج تک موجود اور حسینی علم کے نام سے مشہور ہے اور ہر سال محرم میں گولکنڈہ کے قدیم عاشور خانہ میں استاد کیا جاتا ہے اس علم پر وبشر المومنین نصر من اللہ فتح قریب کے نیچے غلام علی محمد قلی قطب شاہ اور سنہ ۱۰۰۱ھ منقوش ہے۔ اور اس درمیانی طغرے کے اطراف پندرہ تختیوں میں پنجتن اور دوازدہ ائمہ کے اسماء منقوش ہیں۔

شیعہ عقاید کے قبولنے یا اُن پر زور دینے کی وجہ سے اسکو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان میں سب سے اہم اس کے مخالفوں کی لگائی ہوئی آگ کو بجھانا اور

اپنے رقیبانِ سلطنت کے فتنہ کو کچل دینا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے دیوان کو اسی واقعہ کے اظہار سے شروع کرتا ہے۔ پہلی ہی غزل اس کی ان سیاسی پریشانیوں کا آئینہ ہے جسمیں وہ خدا سے توقع رکھتا ہے کہ :۔

وہی مجھے کامیاب کرے گا اور میرے مرادوں کے جاموں کو بھر دیگا خوارج کی لگائی ہوئی آگ کو اپنے قہر کے پانی سے بجھائے گا' مجھکو ابراہیم کی طرح اس آگ میں بھی سکھ اور آرام بخشے گا اور جس دل میں علیؑ اور آلِ علی کی محبت نہیں اُسے خونِ جگر پلائے گا۔ اے قطب شاہ تو زمانہ کی مخالفت کا غم نہ کھا' خدا تجھے کامیاب کرے گا اور ہر بستی میں سے تجھکو بلند کرے گا۔ اے قطب شاہ تو رقیبوں کے دکھ دینے سے غم نہ کھا خدا تیرے سارے رقیبوں کے گلے میں پھانسی ڈال دے گا۔

اسکی غزل کے چند شعر ہیں :۔

دلا مننگ خدا کن کہ خدا کام دیگا ۔۔۔ تمن من کے مراداں کے بھرے جام دیگا
خوارج کی اگن قہر کے پانی سو بجھا کا ۔۔۔ براہیم تمن مجکوں سکھ آرام دیگا
جے دل میں محبت علی و آل علی ماہ ۔۔۔ اُسے خون جگر دار وئے ناکام دیگا
نہ کھا غم تو زمانے کا ترا کام خدا سوں ۔۔۔ ہر اک بستی منے تجکوں بلند نام دیگا

رقیباں کے دکھوں سینے قطب شے توں کر غم — خدا سارے رقیباں کے گلے دام دویگا

ان دشمنوں کے خطرے کا اظہار اُس نے اپنے اکثر اشعار میں کیا ہے۔ جب وہ آسمان پر نیا چاند دیکھتا ہے تو اس کو خنجر کی تشبیہہ سجھائی دیتی ہے اور اس کے دل کا خطرہ فوراً اس شعر میں ظاہر ہوتا ہے ؎

نبیؐ صدقے قطب کے دشمناں کوں کاٹنے گھنس جوں — نوا چند کابلی خنجر پکڑ کر ہت میں آیا ہے

یعنی قطب شاہ کے دشمنوں کو گھانس کی طرح کاٹنے کے لئے نیا چاند کابلی خنجر ہاتھ میں لے کر آیا ہے۔

ایک نظم میں جناب امیرؑ سے خوارج کے اس فتنے اور بغاوت کے خلاف مدد مانگتا ہے ؎

کھا نشتراں دل رگ منے جلتے خوارج اگ منے — منجکوں سوں دونوں جگ منے تج بن نہیں کوئی یا علی

اپ پیا تھے اپ جم مجھے غم تھے سو کرنے غم مجھے — توں ہو مدد ہر دم منجے تج بن نہیں کوئی یا علی

(اپنے)

وہ اس قدر راسخ العقیدہ تھا کہ اسکو یقین تھا کہ دشمن اگر میرے ساتھ دشمنی پر اتر آئینگے تو حضرت علی کی تلوار اُن کے گھر بار کو تباہ کر دے گی، وہ کہتا ہے ؎

دشمن اگر منج پر کرے گا دشمنی کی جب نظر

مرتضیٰ کے کھرگ تھے گھر بار اس ہوگا تباہ

معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں پر اس نے ماہ گرما میں فتح حاصل کی تھی اور جب گرمی کے ختم پر برسات کا آغاز ہوا اور مرگ لگا تو وہ معمول کے مطابق اس سال بھی برسات کا استقبال ایک نظم سے کرتا ہے، لیکن اس دفعہ اسکو دونی خوشی تھی ایک تو آمد بہار کی اور دوسرے دشمنوں پر فتحیابی کی۔ چنانچہ وہ اس نظم میں اپنی اس خوشی کا اظہار یوں کرتا ہے کہ :—

آج پھر مرگ، سلطانی ستارہ بن کر آیا ہے۔ اور سب درخت پھر سے سرسبز ہو کر سروں پر لال تاج رکھنے لگے۔ اس موقعہ پر لعل کے پیڑ بھی لال رنگ زیب دینے لگا کیونکہ اس رنگ سے سورج شرما کر ہر رات منہ چھپا لیتا ہے۔

اے قطب شاہ تیرے چہرہ پر بادشاہانہ کروفر جھلک رہا ہے اس وجہ سے ترکستان کے بادشاہ بھی تجھے خراج دیں تو کیا تعجب۔ تیری تلوار سے آج تیغ رستم بھی پست ہے۔ تو تمام رستموں میں شجاعت و بہادری کا چراغ نظر آتا ہے۔ تیری تلوار کی چمک بجلی ہو کر آسمان پر چمکے تو عجب نہیں۔ کیونکہ اسکے کڑکنے کی آواز سے سب دشمنوں پر تیرا راج قائم ہے۔

اے محمد قطب شاہ تو اپنی دعاؤں سے نا امید سا ہونے لگا تھا لیکن اب تیری دعا یا مدعا ثابت ہوئی ہے اور تو محمد کی طرح اب کامیاب حکومت کر۔

اس نظم کے چند شعر یہ ہیں :

مِرگ سلطانی ستارہ جگ میں آیا پھسر کر آج — رُکھ (درخت) سکل سر سبز ہو کر سر تھے کھلے لعل تاج
لال رنگ کھلیا ہے مکھ پر لال کے لعل بدخشں — تو سرج اس رنگ تھے ہرات جاوے لاج لاج
تیرے مکھ پر خسروی فر منور دیپتا — تو ہی ترکستاں کے شاہاں دیوتے تجکوں خراج
تج کھڑگ تھے تیغ رستم پست ہے عالم منے — رستماں ہیں تجکوں گنتے ہیں شجاعت کا سراج
وو کھڑگ جھلکا ز بجلی ہو کے جھمکے کھن منے — کڑ کڑا ایر کڑ کیا ہے سب ہی دشمن کوں براج
اے قطب شہ توں دعا تھے ہور رہیا تھا نا امید — تج دعا یا مدعا ہے کر محمد نمنے (مانند) راج

اسی طرح کی ایک اور نظم میں لکھتا ہے کہ :—

اب کے بارش انند اور اطمینان سے آئی ہے کیونکہ دشمن پامال ہو چکے ہیں اور عزیز خوشحال ہیں۔ آسمان کے کنارے یہ شفق کا رنگ نہیں ہے بلکہ دشمنوں کے مارے جانیکی وجہ سے ان کا خون اچھل کر جا لگا ہے۔ آسمان پر یہ گرج کی آواز نہیں ہے بلکہ ہاتھی مست ہو کر چنگھاڑ رہا ہے کہ بادشاہ کے رہے سہے دشمنوں کو بھی پامال کروں۔

انکی مدافعت کی مجھے ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود اب ساتویں پاتال کے نیچے جا چھپے ہیں یہ قوسِ قزح نہیں ہے بلکہ مجھے سلطنت دینے اور دشمنوں کو مارنے کیلئے کمان تانی گئی ہے۔ چونکہ بادشاہ نے سب دشمنوں پر فتح پائی ہے اسلئے زہرہ خوشی سے نغمہ زن ہے اے قطب شاہ اب تو کوئی غم نہ کر کیونکہ علیؑ اور ان کی آل ہمیشہ تیری حفاظت کرتی رہیگی

جس نظم میں یہ خیالات ظاہر کئے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہے

اننداں سیتے بھی آیا مرگ سال — دنداں پامال عزیزاں ہو خوشحال
کنارے آسماں کے نیں پھر شفق رنگ — دنداں مارے گئے اچھلیا رکت لال
فلک نیں گڑگڑا تا مست ہی ہست — کہ شہ کے دُرجناں کو کرنے پامال
انن کے وقت نیں کچھ نیں مجے کام — کہ آپی سب چھپے اس پست پاتال
کماں قوسِ قزح دینے ملک کوں — دنداں مارن کوں لامحو رکے تس بھال
ظفر شہ پائے کر سب دُرجناں پر — خوشی سوں گاوے زہرہ فتح بر مال
نبیؐ صدقے نکو کر غم توں قطب — علیؑ ہور آل دایم تیرے رکھوال

یوں تو کلیات محمد قلی میں متعدد نظمیں اور بیسیوں شعر ایسے ملتے ہیں جنمیں فتح و نصرت کی خوشی کے دمامے بجائے گئے ہیں لیکن یہاں انہی اشعار اور نظموں کا ذکر کیا گیا جو اس موقع سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتی رہیں۔

(۱۰)

بھاگ نگر یا حیدر آباد
اور
اسکی زیبائش و آرائش

شہر حیدر آباد کی تعمیر و تزئین سلطان محمد قلی قطب شاہ کا ایک زندہ جاوید کارنامہ ہے لیکن تعجب ہے کہ جس طرح بھاگ متی کے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوتیں بھاگ نگر یا حیدر آباد کی بنا کے متعلق بھی محمد قلی کے موجودہ کلام سے بہت کم علم حاصل ہوتا ہے۔ خاص کر بھاگ نگر کا تو محمد قلی قطب شاہ نے کہیں نام[1] بھی نہیں لیا۔ البتہ ایک جگہ "شہر حیدر" کا ذکر کیا ہے گویا حیدر آباد کا۔ وہ کہتا ہے کہ قطب کے اشعار

---

[1] سلطان محمد قلی کے علاوہ قطب شاہی تاریخوں میں بھی بھاگ نگر کا نام نہیں ملتا۔ البتہ اُس دَور کی دوسری تاریخوں میں حیدر آباد کو بھاگ نگر بھی لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو قطب شاہیوں نے کوشش کی کہ اس شہر کا نام حیدر آباد مشہور ہو جائے۔ لیکن بیجا پوری اور مغل تاریخوں نے اس نام کو مٹنے نہ دیا۔

بے بہا ہیں۔ کسی شہر میں ان کا مول نہ ہوگا، اس لئے اگر فروخت کی توقع ہو تو حیدرآباد میں لے آؤں ؂

رتن قطبا کہے ہیں نہ مول نہیں کس شہر میں ال   لے کر آؤں جو کھرا ہوے اس کا شہر حیدر میں

یہ شہر حیدر یا حیدرآباد[1] سلطنت قطب شاہیہ کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے لحاظ سے دسویں صدی ہجری کے اواخر میں خود بخود آباد ہونے لگا تھا۔ کیونکہ اس سلطنت کے پایہ تخت گولکنڈہ میں مزید آبادی کی گنجائش نہ رہی تھی اور سب سے پہلے وہاں کے امرا نے اس قلعہ کے اطراف و جوانب میں اپنے لئے باغ اور شبستان تعمیر کرنے شروع کر دئے تھے۔ خاص کر قلعہ کے جانبِ مشرق موسیٰ ندی کے کنارے کنارے یہ آبادی بڑھنے لگی یہاں تک کہ سلطان محمد قلی قطب شاہ نے ۱۰۰۰ھ میں سرکاری طور پر ایک عالیشان شہر کا سنگ بنیاد رکھا۔ اگرچہ حیدرآباد جیسے وسیع شہر کی زد میں کئی قصبے اور گاؤں آ گئے ہوں گے لیکن جس جگہ اب چارمنار واقع ہے وہاں وہ موضع چچلم واقع تھا جس میں

---

[1] شہر حیدرآباد کی وسعت اور شادابی کا اندازہ تاریخ ظفرہ کے حسب ذیل بیان سے ہو سکتا ہے :۔

کثرت خلائق و وفور بدائع مواضع و فراوانی باغ و بساتین بدرجہ انجامید کہ

ساحتِ کوہ و دشت سمت تضائق پذیرفت۔ چنانچہ از دار السلطنت حیدرآباد تا

بعض تاریخوں کے بیان اور مشہور روایتوں کے مطابق بھاگ متی رہا کرتی تھی۔

اس موقعہ پر یہ امر واضح کر دینا ضروری ہے کہ ماہ نامہ کے مصنف نے بھاگ متی کے قصہ کو غلط بتا کر یہ لکھا ہے کہ اصل میں محمد قلی قطب شاہ کی والدہ کا نام بھاگ رتی تھا اور اُس نے اسی کے نام پر شہر بھاگ نگر آباد کیا۔ اس اختلافِ روایت کا تصفیہ اُسی وقت ہو سکے گا جب چندا اور قطب شاہی تاریخیں دستیاب ہوں گی اور محمد قلی کا مکمل کلام مل جائے گا۔ بحالت موجودہ اتنا تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ماں ہو یا محبوب، بھاگ رتی ہو یا بھاگ متی، محمد قلی نے اپنی محبت کی یادگار کے طور پر بھاگ نگر کو بسایا تھا۔ اُس نے سب سے پہلے شہر کے وسط میں چار منار کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ عمارت ۱۰۹ فیٹ بلند ہے۔ اور اس کے اوپر ایک مسجد اور مسجد کے ساتھ ایک حوض بنایا گیا تھا جس میں تالاب جل پلی سے پانی پہنچایا گیا۔ اوپر کا یہ حوض اس وقت باقی نہیں ہے لیکن یہ ۱۱۸۵ھ تک موجود تھا۔ چنانچہ تاریخ ظفرہ میں لکھا ہے کہ:—

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قصبہ نرکھوڑہ ابراہیم پٹن و بھونگیر و پٹن چیرو کہ در چہار جہت واقع است و مساحت بقدر دہ فرسنگ است مجموعۂ فضائے دشت و صحرا باغ و بستان شدہ و کثرت احداثِ مساجد و بقاع و سرائے دلکش و نزاہت ریاض فردوس رشک غیرت افزائے سپہر اخضر گردید (صنا)۔

حوضے است در غایت لطافت و صفا۔ آب نہر تالاب جلیلی در آں میر'' (ص۱۱)

اس بالائی حوض کے علاوہ نیچے بھی ایک گول حوض بنایا گیا جس میں ایک بہت بڑا فوارہ پتھر میں تیار کیا گیا جس میں دو ہاتھی اور دو شرزے (جو پتھر کے تراشے گئے تھے) ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ایک دوسرے پر پانی پھینکتے تھے[1]۔ یہ فوارہ مغل قبضہ کے بعد بت پرستی کی علامت سمجھ کر توڑ دیا گیا اور ان ہاتھیوں اور شرزوں کے شکستہ پتھر عہد آصفجاہ ثانی تک چار مینار کے قریب (جہاں اب پولس کا ٹھانہ ہے) پڑے ہوئے تھے۔

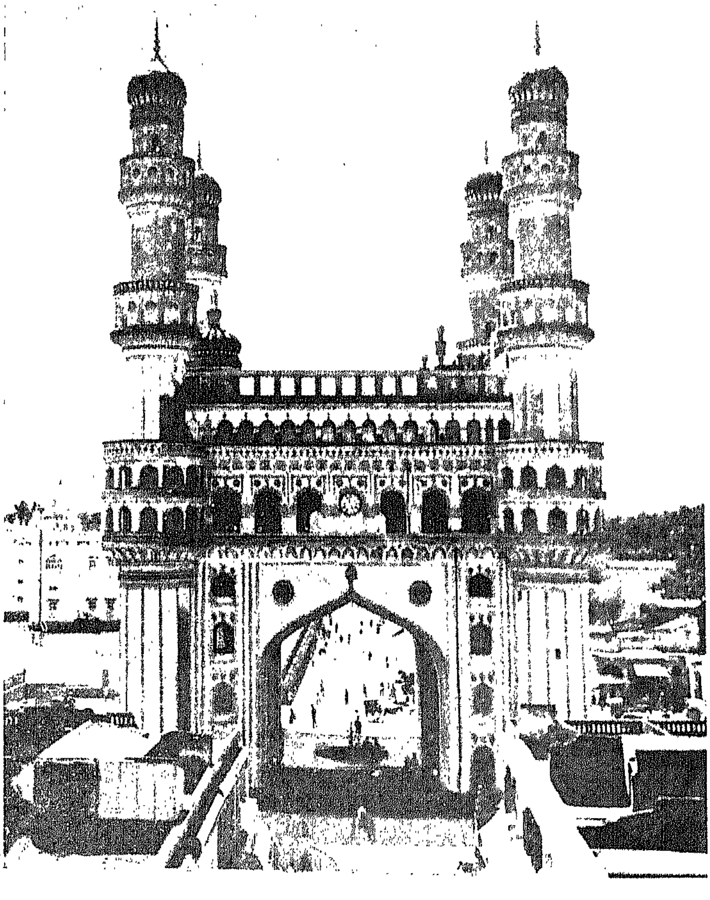
چار مینار کی تعمیر میں ایک روایت کی رو سے تین لاکھ اور دوسری کے مطابق دو لاکھ باون ہزار روپیہ خرچ ہوا۔ **یا حافظ** سے اسکی تاریخ نکلتی ہے۔

چار مینار کے ساتھ ہی شہر میں چار بازار ترتیب دئے گئے جن میں چودہ ہزار دکانیں بنائی گئیں۔ گلزار آصفی میں لکھا ہے کہ:-

''امر فرمود کہ دست بدست بنائے شہر مشتمل بر چہار بازار و بر سر ہر بازار طاق و رواق با چہار دہ ہزار دکاکین و ایوان و سائباں و دوازدہ ہزار محلہ متساوی الاضلاع باحداث در آرند'' (ص۱۹)

---

[1] گلزار آصفیہ صفحہ ۲۱۔



چار مینار۔ جسکو محمد قلی قطب شاہ نے شہر حیدرآباد کے ساتھ تعمیر کیا تھا

ایک ایسے عظیم الشان شہر کی تعمیر جس ولولہ اور بے تابانہ شوق سے ہوئی اور اس کی جلد سے جلد تکمیل و آبادی کے لئے جو کوششیں کی گئیں اس کا اندازہ خود محمد قلی کے کلام سے ہوتا ہے چنانچہ وہ ایک جگہ مناجات میں خدائے تعالےٰ سے جہاں بہت سی باتوں کی التجا کرتا ہے اپنے شہر کی معموری کے لئے بھی دعا کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو اپنے آباد کئے ہوئے شہر سے کتنی محبت تھی اور وہ اسکی آبادی اور آرائش و زیبائش کے لئے کتنا بے چین تھا۔ وہ کہتا ہے کہ :-

اے خدا تو میرے شہر کو لوگوں سے اُسی طرح معمور کر دے جس طرح تو نے سمندر میں مچھلیاں بھر دی ہیں۔

بڑی اچھی مناجات لکھی ہے جس کے چند شعر ہیں ؎

مناجات میرا تو سُن یا سمیع — منجے خوش توں رکھ رات دن یا سمیع
مرے دوستاں کوں تو نت دے جنت — مرے دشمناں کوں اگن یا سمیع

ابادان کر ملک میرا سو توں — بسا سو توں دے میرا سن یا سمیع
سکل تخت پر میرا یوں تخت کر — انگوٹھی پہ جوں ہے نگین یا سمیع
مرا شہر لوگاں سوں معمور کر — رکھیا جوں توں دریا میں مچھلی یا سمیع
مرادات کا جم ترنگ سار قطب — اُسے سار ہت دے عنین یا سمیع

عید میلاد النبی کے سلسلہ میں محمد قلی نے کئی نظمیں لکھی ہیں جن میں سے ایک میں وہ بازاروں، محلوں اور قصروں کی زیبائش و آرائش کا ذکر کرتا ہے وہ کہتا ہے ؎

سنوارے جگت سب جنت جو جڑت سوں نگارے سو بازار قصراں محلّاں

بازار اور محلے جس شوق سے تعمیر کئے گئے اس کا ذکر تو گذر چکا ہے اب قصروں کی تعمیر کے سلسلہ میں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ سب سے پہلے چار منار کے جانب شمال مغرب دولت خانۂ عالی بنایا گیا جس کے جلو خانہ میں چاروں طرف چار بلند کمانیں کھڑی کی گئیں اور وسط جلو خانہ میں ایک ہشت پہلو حوض تاکہ فوجیوں اور ان کے جانوروں کو ہر وقت کافی پانی میسر آسکے۔ اس جلو خانہ کے مغرب کی طرف محلاتِ شاہی کی بنیاد رکھی گئی۔ چنانچہ اس طرف کی کمان دروازۂ دولت خانہ یا دروازۂ شیرِ علی کہلاتی تھی۔ اس کمان میں ۶۰ فیٹ بلند اور ۶ فیٹ چوڑے یشب کی طرح سیاہ و مصفا دو سنگ خارا کھڑا کرکے اور انکے اوپر ۳۶ فیٹ کا ایک اور پتھر رکھ کر بابِ عالی کی چوکھٹ بنائی گئی۔ اس چوکھٹ میں صندل، ہاتھی دانت، اور سونے کا ایک دروازہ لگایا گیا۔ اس دروازے سے اندر داخل ہوتے تو ایک وسیع فضا میں کئی قصر نظر آتے۔ یہاں جنوب کی طرف دفتر خانۂ شاہی اور مغرب کی طرف جامدار خانہ

اور کارخانہائے عامرہ وغیرہ بنائے گئے۔ اس وسیع فضا میں جانب شمال ایک دوسرا دروازہ لگا یا گیا تھا جس میں داخل ہونے کے بعد ایک اور وسیع میدان ملتا جس کے چاروں طرف لشکریوں، حوالداروں، شب نویسوں اور سلحداروں کے لئے بڑے بڑے ہال یا ایوان بنے ہوئے تھے۔

ان سے گذرنے کے بعد چندن محل تھا جو ایک "عمارتِ رفیع و دلکشا" تھی۔ اس محل میں بھی چند سلحدار نوبت بہ نوبت جمع رہتے۔ چندن محل کے آگے گگن محل تھا جو نہایت وسیع تھا اور اس میں خاص ترک، عرب اور دکنی سلحدار حاضر رہتے اس کے بعد صدر صفہ تھا جس میں مقرب و معتبر ملازمانِ قدیم ہی ٹھہر سکتے تھے۔ صدر صفہ کے بعد صحن محل تھا جو نہایت خوبصورت اور عالیشان عمارتوں پر مشتمل تھا جن میں اعیان و فضلا مقام کرتے تھے۔ اس محل کے جانبِ مشرق تین سو فیٹ طویل ایک ہال تھا جس میں رات اور دن مطبخ شاہی سے ہر قسم کے کھانے پک کر آتے اور تقریباً دس ہزار مجلسی، سادات، علما، فضلا، اور امرا ہر روز اس شاہی دسترخوان پر کھانا کھاتے۔

یہ تو دولت خانۂ عالی کی بیرونی عمارتیں ہوئیں۔ اصل شاہی قیام گاہ خداداد محل تھا جس کے متعلق محمد قلی کی ایک نظم دستیاب ہوئی ہے اس لئے بعد کو اس کا

ذکر کیا جائے گا۔ دولت خانۂ عالی کی عمارتوں کے علاوہ محمد قلی نے ایک داد محل بھی بنایا تھا جو انہی محلات کی پشت پر یعنی مغرب اور جنوب کی طرف بنایا گیا تھا اور قلعہ گولکنڈہ سے جو سڑک چار منار کو آتی ہے اس کی طرف اس کا رخ رکھا گیا تھا۔ حیدرآباد کے موجودہ محلۂ چوک و شاہ گنج و محبوب گنج کی جگہ قطب شاہی دور میں ایک وسیع میدان تھا جس کے درمیان ایک عالیشان حوض ۱۰۰ فیٹ طویل اور ۱۲۰ فیٹ عریض بنایا گیا تھا اور اس میدان کے اطراف بازار بنائے گئے تھے۔

داد محل کا رخ اسی میدان اور بازاروں کی طرف رکھا گیا چنانچہ اُس کے وسیع ایوانوں کے دروازے اِسی طرف کھول دئے گئے تھے تاکہ مظلوموں و آفت رسیدوں کو بلا روک ٹوک بادشاہ کی نظروں کے سامنے پہنچنے میں سہولت ہو۔ اور وہ اعیان و اکابر و دربانانِ شاہی کے توسط کے بغیر راست سلطان محمد قلی کی بارگاہ میں پہنچکر اپنا دکھڑا بیان کر سکیں اور بادشاہ اکثر اِسی کے بیرونی جھروکے میں بیٹھا رہتا تھا۔

داد محل چار منزلہ تھا اور اس طرح بنایا گیا تھا کہ سامنے سے چار جدا جدا محل نظر آتے تھے۔

داد محل کے سامنے جو تالاب نما حوض بنایا گیا تھا اس کی تعریف میں اُس

زمانہ کے سیاح اور مورخین خاص طور پر رطب اللساں ہیں چنانچہ فزونی استرابادی اُسی زمانہ میں حیدرآباد آیا تھا اور وہ اپنی تاریخ فتوحات عادل شاہی میں نورسپور کی تعریف کے سلسلہ میں دوسرے شہروں کی عجائبات کا بھی تذکرہ کرتا ہے اور حیدرآباد کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ :۔

"دریاچہ کہ در برابر داد محل قرار دادہ اند، بنوعے کہ فیلے از طلا ساختہ اند چنانچہ آب از خرطوم فیل مثل فوارہ لاینقطع در دریاچہ می ریزد کہ بر ہوا ساختہ اند نوعے کہ طاقہا زدہ اند کہ حوضے بدیں بزرگی را کہ زیر او خالی ست و محل مرور مردم است پرداختہ اند۔ در اں عمارات و مواضع اعجوبہ کار آں را وقت بسیار بکار رفتہ" (نسخہ برٹش میوزیم ورق ۲۱۷)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حوض سطح زمین سے کافی بلندی پر بنایا گیا تھا اور اس کے نیچے بلند کمانیں بنا دی گئی تھیں جن میں سے لوگ گذرتے تھے۔

یہ محل زوال سلطنت تک باقی تھا اور مغلوں کے قبضہ کے بعد توڑ دیا گیا چنانچہ لچھمی نارائن شفیق نے اپنی کتاب احوال حیدرآباد میں (جو ۱۲۱۴ھ کی تالیف ہے) جہاں اس روایت کو نقل کر دیا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب کی نظر جب داد محل پر پڑی تو اس کی زبان سے نکلا :۔

"ایں بلند بلند چیست" ؟

نعمت خاں عالی نے عرض کیا:۔ "داد محل است"

اورنگ زیب نے کہا:۔ "آرے شداد محل است"

داد محل کے توڑنے کا بھی واقعہ ان الفاظ میں درج کیا ہے:۔

ہر گاہ داد محل را شکستند، در عرصۂ سی سال بشکست رسید..... اکثر عمارات عمدۂ شہر تباہ شد و ہنوز نہ خانہ ہائے آں بعضے جا قایم"

غرض محمد قلی قطب شاہ کے بنائے ہوئے جن محلوں کا اب تک ذکر کیا گیا وہ سرکاری محل تھے۔ لیکن اس نے کئی ایسے محل بھی بنائے تھے جو خود اس کی خانگی ضرورتوں اور ذوق کی تکمیل کی خاطر وجود میں آئے تھے۔ انہی میں "ندی محل" بھی شامل تھا جو موسیٰ ندی کے کنارے پانی کا نظارہ کرنے اور خانگی تفریح کی خاطر بنایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ "محل کوہ طور" بھی ایک خانگی محل تھا جس کا ذکر آگے آئیگا۔

افسوس ہے کہ محمد قلی قطب شاہ کے طویل قصیدے، مثنویاں اور ترجیع بند دستیاب نہ ہوسکے ورنہ اس موضوع کے تحت ہم اور کچھ لکھ سکتے۔ کیونکہ اس نے اپنے محلوں، باغوں، اور دیگر عمارتوں پر تفصیل سے قصیدے اور مثنویاں لکھی ہیں۔ اس وقت اس کے کلام سے جو مواد ہمیں مل سکا ہے وہ صرف چھ سات محلوں

(یعنے خداداد محل، سجن محل، اعلیٰ محل، حیدر محل، محل کوہ طور، قطب مندر اور حناں محل) اور ایک باغِ محمد شاہی کی تعمیر و آرایش سے متعلق ہے۔ لیکن ان میں بھی صرف تین کے متعلق اُس نے تفصیل سے لکھا ہے اور باقی کی نسبت بہت ہی کم لکھا ہے۔ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سجن محل، اعلیٰ محل، حیدر محل، حناں محل اور قطب مندر پانچوں اسکی رہائش گاہیں تھیں۔ اور غالباً ان میں سے اکثر (سوائے قطب مندر کے) ایک ایک بیگم کے لئے مخصوص تھے۔ البتہ قطب مندر ایک ایسا مقام تھا جہاں خود بادشاہ رہتا تھا اور جہاں بڑی بڑی محفلیں اور تقریبیں انجام پاتی تھیں۔ لیکن یہ محفلیں اور بزم آرائیاں بھی زنانہ ہوا کرتی تھیں۔ مردوں کی محفلوں اور دربار آرائی کیلئے جو مقام مقرر تھے وہ دوسرے ہی تھے جن کا ذکر گذر چکا ہے اور جن پر کوئی نظم افسوس ہے اس وقت تک دستیاب نہ ہوسکی۔

خداداد محل اور محل کوہ طور کی زیبائش و آرائش کے بارے میں محمد قلی کے کلام سے نہایت مستند اور مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ باغِ محمد شاہی پر جو قصیدہ محمد قلی نے لکھا تھا وہ بھی نامکمل دستیاب ہوا ہے۔ اسی طرح اور باغوں اور محلوں پر بھی اُس نے لکھا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کا مکمل کلیات کتب خانہ آصفیہ میں اس وقت موجود نہیں ہے۔

خداداد محل محمد قلی کے کلام میں سب سے پہلے نظم خداداد محل قابل ذکر ہے۔ یہ حیدر آباد کا سب سے بڑا اور عظیم الشان آٹھ منزلہ محل تھا۔ اس محل کے بارے میں مورخین لکھتے ہیں:۔

معماران نادرہ کار متصل بہ عمارت "داد محل" طرح منزل عالی افگندہ در اندک زمانے سقف عالیش از ایوان کیوان گذرانیدہ بذروۂ لامکاں رسانیدند۔ از زیر تا بالا ہفت طبقہ...... مشتمل بر قصرہائے مقرنس و غرفہ ہائے عالی حسن زینت پذیرفت مجموع ایں طبقات بہ "خداداد محل" موسوم گردید...... ہر یک ازیں طبقات را بہ ایں وجہ موسوم ساختند طبقہ ہفتم کہ پہلو از عرش می زد بخطاب الٰہی محل مشرف گردید۔ طبقۂ ششم بہ لقبِ محمدی محل.... طبقہ پنجم بہ حیدر محل...... طبقات چہارم وسیوم...... یعنے حسنی محل وحسینی محل..... طبقہ دوم جعفری محل وطبقہ اول موسوی محل نامزد شد۔ چوں ایں قصر عالی اتمام یافت شاہ کامگار بادلِ شاد جشنِ شاہانہ آراستہ ارکان دولت وخاص وعام سلطنت را از احسان وانعام سرفراز گردانیند۔ در آں مجلس میرک معین سبزواری حاجبِ نظام شاہ کہ در سخنوری دست رسا داشت تاریخ تازہ بعرض رسانیدہ صلۂ گراں مایہ

یافت۔ رباعی تاریخ ؎

این قصر کہ ہست رشک فرمائے بہشت — ایام بآب زندگانیش سرشت
تاریخ مرتب شدنش کلک قضا — برلوحِ بقابنائے جاں بخش نوشت

(تاریخ ظفرہ ص۱۶)

مشہور قطب شاہی تاریخ حدیقۃ السلاطین میں لکھا ہے کہ :۔

”قصرہائے الٰہی محل و محمدی محل و حیدر محل و توابع و لواحق آں کہ بہ ہفت طبقہ خاقان جنت مکان سلطان محمد قلی قطب شاہ ساختہ بودند و چند لک ہون خرچ آں شدہ بود و مثل آں قصرہا بر روے زمیں بنا نہ شدہ۔“ (مطبوعہ ص۲۲)

اس عجیب و غریب محل کے متعلق خود اس کے بانی نے جو لکھا ہے اس سے زیادہ معتبر و مستند کسی مورخ کا بیان نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کلیات محمد قلی قطب شاہ میں جو نظم خداداد محل کے متعلق موجود ہے اُس میں قطب شاہ لکھتا ہے کہ :۔

محمدؐ نے خداداد محل کو سنوارا اور اس میں جنت سے حسینوں کو لا کر رکھا تا کہ محل کی آرائش ہو۔ اس محل کی بلندی آسمان جیسی ہے جس کی وجہ سے سورج چاند اور تاروں کی رونق بڑھ گئی ہے۔ روئے زمین پر ایسا محل کسی نے نہ دیکھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس کو بھی قدسیوں نے زمین پر

لاکر رکھ دیا ہے۔ اسکی آٹھ منزلیں آٹھوں بہشتوں کی طرح ہیں جن میں آب حیات کے چشمے بہتے رہتے ہیں۔ یہ محل اتنا ہوادار ہے کہ اسکی آٹھوں منزلوں میں دم عیسیٰ جیسی ہوائیں چلتی رہتی ہیں تاکہ دنیا کو زندگی بخشیں۔ اس محل میں جو نازنینیں رہتی ہیں اُن کے رُخسار لعل بدخشاں کی برابری کرتے ہیں اور وہ سورج اور چاند جیسے پیالوں میں آب حیات بھر کر پلاتی ہیں ۔ ان کے چہرے یمن ہیں تو ان کے ہونٹ عقیق یمن۔ اور ان کا مکھڑا سہیل یمن کی طرح روشنی پھیلاتا ہے۔

یہ ساری خوبرویاں جنت کی حوریں ہیں کیونکہ ہوا سے زیادہ نازک اور پانی سے زیادہ پتلی (لطیف) ہیں۔

جب یہ نغمہ زن ہوتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے زہرہ زمین پر گانے بجانے کے لئے اتر آئی ہے۔ جب یہ نازنینیں ہاتھوں اور آنکھوں سے ارت دکھاتی ہیں تو فرشتے ان کا نظارہ کرنے کے لئے آسمان کی کھڑکیاں کھول کر جھانکنے لگتے ہیں۔

یہ چھبیلیاں آسمانی[1] دوپٹے یا ساڑیاں باندھتی ہیں جن کے کنارے

---

[1] آسمانی رنگ قطب شاہیوں کا شاہی رنگ تھا اور محمد قلی اپنے کلام میں اس کا خاص طور پر کئی جگہ ذکر کرتا ہے۔

سورج کی کرنوں کی طرح جھلمل کرتے رہتے ہیں۔ ان کی بھویں آسمانی کمان
کا کام کرکے رقیبوں کے دلوں کو ہدف بنا کر گھائل کرتی ہیں۔
اے قطب شاہ نبیؐ کے صدقے میں اور بارہ اماموں کے کرم سے تم
اس محل میں اپنی بارہ پیاریوں کے ساتھ ہمیشہ عیش کرتے رہو۔"

اس نظم سے ایک چیز نئی یہ معلوم ہوتی ہے کہ خداداد محل آٹھ منزلہ تھا نہ کہ سات منزلہ جیسا کہ تاریخوں میں لکھا ہے۔ البتہ یہ نہ معلوم ہوسکا کہ آٹھویں محل کا نام کیا تھا؟ ایک چیز اور قابل ذکر ہے وہ ہر ایک منزل کا نہایت ہوادار اور کافی بلند ہونا۔ اس خصوصیت پر محمد قلی نے بہت زور دیا ہے اور تاریخیں ساکت ہیں۔

افسوس ہے کہ ایسا عجیب وغریب محل محمد قلی کے جانشین سلطان محمد کے عہد میں عین اس روز جل گیا جب کہ سلطان محمد کے یہاں اس کی دوسری بیوی (جو ابراہیم عادل شاہ کی دختر تھی) کے بطن سے شاہزادہ ابراہیم مرزا پیدا ہوا تھا اسکے متعلق مورخ لکھتا ہے کہ :—

"شعلہائے آں بفلک اثیر رسید و مدت چند روز کہ می سوخت احدے
را میسر نبود کہ ہزار قدم و دو ہزار قدم راہ بحوالی آں گذار نماید و ایں قضیہ
از قضایائے عجیبہ غریبۂ روزگار بود۔" (حدیقۃ السلاطین ص۲۲)

خداداد محل کے ساتھ نہ معلوم فنون لطیفہ کے کیا کیا خزانے جل گئے کیونکہ اسکی ہر منزل بجائے خود کسی نہ کسی آرٹ کی نمایش گاہ تھی۔ ایک میں کتب خانہ تھا، ایک میں مصوروں اور نقاشوں کے کمالات جمع تھے، اور ایک میں جلد سازوں اور کاغذ کو صاف اور مزین کرنے والوں کی نشست تھی۔ یہی وجہ ہے کہ محمد قلی کے عہد اور اُس سے قبل کی اردو کتابیں بھی ہمیں دستیاب نہیں ہو رہی ہیں۔ بعد کو اس نقصان عظیم کی تلافی کرنے کی کوشش کی گئی چنانچہ اس محل کی جگہ پر سلطان محمد نے بجائے ہشت منزلہ عمارت کے صرف چہار منزلہ عمارت بنادی۔ لیکن یہ قصر بھی زوال گولکنڈہ کے بعد تباہ و تاراج ہو گیا۔ اور آج خداداد محل کا نام و نشان بھی حیدرآباد میں باقی نہیں۔

محل کوہ طور یہ بھی حیدرآباد کے عظیم الشان محلوں میں سے تھا اور اُسی جگہ بنایا گیا تھا جہاں اب قصرِ فلک نما واقع ہے جو جدید حیدرآباد کا سب سے بہتر محل سمجھا جاتا ہے۔ محلِ کوہ طور سہ منزلہ تھا۔ اس محل کے متعلق تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے:۔

در جانبِ جنوب کوہے مانند کوہ طور پر فیض و سرور بود خسرو زماں
فرمود کہ برآں کوہ والاشکوہ عمارتے شاہانہ ترتیب دادہ اطراف و جوانب
آں انہار و آبشارُ حوضہائے فوارہ دار و اسمار بے شمار تیار سازند
ہنرمندانِ ماہر بموجب اشارہ بہمین اہتمام شہریارِ جہاں باتمام رسانیدند

نشیمنِ کوہ بریں و گلگشتِ آں سرزمیں بفرِ قدوم و جلوسِ خسرو نو آئیں بغایت

مطبوع و شیریں می نمود۔ اکثر مجالس شربِ مدام مدام در آں مکان می بود

("تاریخ ظفرہ ص۱۰۱")

اس محل کے متعلق سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد کی تاریخ حدیقۃ السلاطین

میں ذرا تفصیل سے لکھا ہے کہ :ـــ

جانبِ جنوب متصل بدروازۂ دار السلطنت کوہے واقع ست کہ پنداری

خلقت اورا از روزِ ازل باجزاے عشرت و سرور نمودہ اند۔ و احجار و طینِ

اورا بزلال خرمی و شادی مخمر و منجمد ساختہ اند، ہموارہ فیوضات نامتناہی

از مہبطِ انوارِ الٰہی بر فراز آں کوہ نازل و غایت فرح و نہایت شادمانی از

سیرِ آں نزہت گاہ خاقانِ جہاں را حاصل و سلطانِ علیین بارگاہ محمد قلی

قطب شاہ طاب ثراہ بر بالائے آں کوہ عمارت و قصرے بغایت رفیع مشتمل

برسہ طبقہ و ایوانہائے وسیع و شاہ نشینہا و غرفہا بہ تکلفاتِ گوناگوں تصرفات

موزوں ساختہ اند۔ و پیش آں قصر فلک منظر طاقہائے بلند ساختہ فضائے

وسیع محاذی آں از آہک و سنگ ترتیب دادہ اند و بزیر آں حوضے

بطول پنجاہ گز و عرض سی گز بستہ اند و در اندرون آں قصر و ایوان ہا

وشاہ نشینہا حوضہا ساختہ بجرہائے ثقیل آب را از نشیبِ آں کوہ بفراز بردہ جمیع حوضہا را از آب مملو ساختہ فوارہائے بلند را از اں زلال کوثر مثال جوشندہ و چوں ابر مطیر در فضائے ہوا و سطح آب بارندہ گردانیدہ اند در دامنہٗ کوہ فلک شکوہ شبایہ بروج عمارات دیگر کہ تجملات سلطنت و اثاثہ پادشاہی دراں گنجد جابجا بنا نمودہ اند و آں جبل پر صفا و نور را مسمّٰی بہ کوہ طور گردانیدہ اند۔ (ص۵۷)

مطلب یہ کہ کوہ طور بہت پر فضا جگہ تھی۔ وہاں کی سرسبزی و شادابی کو دیکھ کر محمد قلی قطب شاہ نے وہاں ایک سہ منزلہ محل بنوایا جس کے ایوان وسیع، اور شاہ نشین اور کمرے نہایت پر تکلف تھے۔ اس محل کے سامنے اونچی اونچی کمانیں بنا کر سامنے کے صحن کو پتھر اور چونے سے ترتیب دیا۔ اس کے نیچے ایک بہت بڑا حوض ۱۵۰ فیٹ لانبا اور ۹۰ فیٹ چوڑا بنایا گیا۔ اس محل میں اور اس کے جملہ ایوانوں اور شاہ نشینوں میں ہر جگہ حوض اور فوارے بنائے گئے۔ اور نیچے سے پانی اوپر اس طرح پہنچایا گیا کہ تمام فوارے بادل کی طرح فضا میں پانی برساتے رہتے تھے۔ پہاڑ کے دامن میں بھی برجوں کی طرح عمارتیں بنائی گئیں تاکہ دوسری شاہی ضرورتوں کے کام آئیں۔

تاریخ محمد قطب شاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس محل کے شاہ نشین کا طول ۹۰ فیٹ

اور عرض ۶۰ فیٹ تھا۔ اور اس کا حوض ۱۳۵ فیٹ لانبا اور ۹۰ فیٹ چوڑا تھا اور اس کی عمارت میں چار ایوان تھے۔ (نسخہ نواب سالار جنگ بہادر صفحہ ۲۶۹)

محمد قلی قطب شاہ نے جو نظم محل کوہ طور لکھی ہے اس میں اُس نے حسب ذیل باتیں بیان کی ہیں:۔

چونکہ کوہ طور پر ہمیشہ خدائے تعالیٰ کی تجلی نظر آتی ہے اسلئے خلقِ خدا اس کو دیکھنے آتی ہے اور اسکی روشنی سرمہ بنکر لوگوں کی آنکھوں کو روشن کرتی ہے۔

اس طور کا منظر بہشت کے مانند ہے۔ آسمان کی روشنی اس کے نور کے تلے چھپ جاتی ہے۔

اس محل کو دیکھ کر سب لوگ اپنی بھوک پیاس بھول جاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر شاہ مرداں کی تجلی جھلک رہی ہے۔

اس کے بارہ برجوں پر بارہ اماموں کی نظر عنایت ہے اسی وجہ سے اس محل پر ایمان کی روشنی چمکتی رہتی ہے۔

اس محل کا ہر ایک کنگورا اتنا بلند ہے کہ اس پر چڑھنے سے اسطرح تمام عالم نظر آتا ہے جس طرح جام جہاں نما سے نظر آتا تھا۔ اس کے ہر

منارے پر شاہِ کنعاں کا حسن جھلکتا رہتا ہے۔

یہ محل اپنی بلندی اور روشنی کی وجہ سے ساتویں آسمان کا قطب تارا معلوم ہوتا ہے۔ اور تختِ سلیمان اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے جو فرامین نکلتے ہیں وہ اُجالے کی طرح تمام عالم میں جاری ہو جاتے ہیں۔

اس محل کا صحن آئینہ سکندر ہے جس میں ایران و توران کی روشنی بھی منعکس نظر آتی ہے۔

اس محل کے اطراف جو میدان ہے وہ اتنا نورانی اور بارونق ہے کہ اس کے مقابلہ میں چاند اور سورج بھی خود کو بے رونق سمجھ کر اسکو دیکھنے کے لئے روزانہ بیتاب ہو کر آتے ہیں۔

ساتوں اقلیموں میں اس محل کی نظیر نہیں۔ اس کی روشنی کے آگے سورج کا اجالا تارے کی روشنی نظر آتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت سے چاند اور سورج کو لیکر اس محل کی بنیاد میں رکھ دیا گیا ہے اسی لئے یہ روشنی کی ایک کان نظر آتا ہے جسکی روشنی جواہرات کی تمام کانوں میں بھی جھلکتی رہتی ہے۔

اس محل کے کنگورے اتنے بلند ہیں کہ عرش کے قدم سے جا لگے ہیں

اسی لئے اس جگہ کا اجالا تمام دنیا کے لئے قبلہ گاہ بن گیا ہے۔

اس محل کے ہر شہ نشین میں اور ہر برج پر بادشاہ کے حکم سے ہر روز

مہ جبینوں کی مجلس آرائیوں کی وجہ سے روشنی چمکتی رہتی ہے۔

اے قطب شاہ نبیؐ کے صدقے میں تو اس محل میں آرام و اطمینان سے

زندگی بسر کر کیونکہ اس میں شیر یزداںؓ کی تجلی بھی جھلکتی رہتی ہے۔

اس نظم سے ظاہر ہوتا ہے کہ محل کوہ طور اصل میں ایک شبستان کا کام دیتا تھا۔ جہاں بادشاہ اپنی پیاریوں کو لے کر اپنی زندگی عیش و نشاط کے ساتھ بسر کرنے جاتا تھا۔ ایسی اچھی تفریح کا مقام شاید پوری سلطنت میں کوئی نہ تھا۔ کیونکہ وہاں سے نہ صرف شہر حیدرآباد اور گولکنڈہ کی آبادی نظر آتی تھی بلکہ اطراف و اکناف کے باغوں اور محلوں کی اور رات کے وقت پورے پایہ تخت کی روشنی پیش نظر ہو جاتی تھی۔ اس مقام کی ان خصوصیتوں کی طرف قطب شاہی مورخ نظام الدین احمد نے بھی خاص طور پر توجہ کی ہے اور اس کی حسب ذیل فارسی عبارت محمد قلی قطب شاہ کی اردو نظم کا بعینہ ترجمہ ہے۔ کیا تعجب ہے کہ یہ عبارت لکھتے وقت مورخ کے پیش نظر بانیٔ محل کی اصل نظم بھی ہو! مورخ لکھتا ہے:-

"بر بالائے آں کوہ عمارتِ فلک شکوہ برآمدہ جہاں بین و خرم سواد

عمارات وخضرتِ بساتین وباغات چند انکہ حس بصر مشاہدہ نماید از اطراف بنظر در آوردہ از غایتِ فرح ونشاطِ عیش وعشرتِ انبساط فرمودند وماہرویانِ زہرہ جبیں وشاہدانِ حورالعین بہ اطراف اورنگ شہریار خسرو آئیں حلقہ زدہ بخدمت قیام نمودند۔ وصراحی ہائے راح ارغوانی چوں آفتاب نورانی برفراز آں کوہ تجلی نمود۔ وجامہا چوں بدر منیر از آب آتش انگیز لبریز شد۔ صلائے نوشانوش بہ محبوبان بادہ نوش درداوند۔“ (ص۵۵)

یہ محل اور اس کے باغ کی سرسبزی وشادابی سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں بھی اسی طرح بہار پر تھی اور وہ اسی طرح استعمال ہوتا تھا۔ چنانچہ سلطان عبداللہ نے ۱۰۳۶ھ کے موسم برسات میں وہاں ایک مہینہ تک قیام کیا اور اپنے نانا محمد قلی کی سنت کو (بقول حدیقۃ السلاطین ”دراں عشرت سرا روز وشب بہ عیش وعشرت وطرب اشتغال نمودند“) پورا کیا۔

قطب شاہی سلطنت کے خاتمہ کے بعد یہ محل بھی ختم ہو گیا اور اسی کے کھنڈروں پر بعد کو قصر فلک نما بنایا گیا۔ نواب شمس الامرا کا قصر جہاں نما بھی محلِ کوہ طور ہی کے احاطہ میں تھا۔ اور امرا کی فرودگاہ کے کام آتا تھا۔ ان ہی

کھنڈروں پر جہاں نما بھی آباد ہوا ہے۔

خداداد محل اور محلِ کوہِ طور کے بعد سجن محل کا ذکر ملتا ہے۔ یہ اُن مجموعۂ محلات میں سے ایک تھا جو شہر کے وسط میں تعمیر کئے گئے تھے اور جسکو دولت خانۂ عالی کہتے تھے اور جسکی تعمیر اور خصوصیتوں کی تفصیل کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔

سجن محل کے بارے میں مورخین لکھتے ہیں کہ :—

"درگاہ ہفتم سجن محل است۔ عمارتِ عالی مقدار باصفا کہ بہ رشکِ فردوسِ بریں بروئے زمین تزئین یافتہ جمعے از اعیان و فضلا در آں مکان مقام وارند" (تاریخ ظفرہ ص۱۴)

اسی سجن محل سے متصل جانب مشرق ۳۰۰ فیٹ لانبا وہ مشہور و معروف ہال تھا جہاں صبح و شام مطبخ شاہی سے ہر قسم کے کھانے پک کر آتے اور دس ہزار اشخاص (جن میں زیادہ تر سادات، علما، فضلا، امرا اور مجلسی شریک تھے) ہر وقت شاہی دسترخوان سے بہرہ مند ہوتے۔

سجن محل کے متعلق محمد قلی نے جو نظم لکھی ہے اس میں محل سے زیادہ اُس نازنین کا تذکرہ کیا ہے جو اس محل میں اس کے دل پر قابض ہو گئی تھی۔ اس نظم کے مطالعہ سے مورخوں کی وہ توضیح مشتبہ ثابت ہوتی ہے کہ اس محل میں اعیانِ

فصلاً ٹھہرا کرتے۔ یہ محل اصل میں شاہی زنانہ محل تھا جیسا کہ خود نام سے بھی ظاہر ہے۔ مزید ثبوت خود یہ نظم ہے جس میں بادشاہ لکھتا ہے کہ :-

میری پیاری سجن محل میں بن سنور کر ناز و غمزہ کے ساتھ آئی۔ اور میری جانِ جاں بن کر اُس نے مجھے زندگی کا پیالا پلایا۔ اس کا اثر میرے سر میں پھر سے چڑھ گیا ہے۔ کیونکہ پھر اس نے اپنی خماری آنکھوں کی بھٹی ناز سے چڑھائی ہے۔

اس نے اپنے بالوں میں چاند اور سورج اور تاروں کی طرح پھول گوندھے ہیں۔ ان پھولوں اور ان بالوں سے مجھے ایک دوسرا آسمان نظر آنے لگا۔

بھووں میں گرہ ڈالکر مجھ سے کہتی ہے کہ پیالا پیو اور اپنے ہونٹوں کے نُقل کے ساتھ مجھ کو ملائی کھلاتی ہے۔

اپنے گلابی گالوں پر اُس نے پھولوں کا طرہ گوندھ کر لگایا ہے، اپنے گلے میں نورتن کے ہار ڈالے ہیں اور اپنے آنچل کی چمک میں ہزاروں بجلیوں کا منظر پیدا کر دیا ہے۔

سجن محل اُس وقت لٹ گیا جب سلطان عبداللہ کے عہد میں مغلوں نے حیدرآباد پر اچانک

حملہ کیا اور بادشاہ کو یکایک محلات چھوڑ کر قلعہ گولکنڈہ میں پناہ لینی پڑی، اور حملہ آوروں نے حیدرآباد کے شاہی محلات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

اعلیٰ محل اور حیدر[1] محل کی نظموں میں بھی بجائے محل کی زیب و زینت اور خصوصیات کا بیان کرنے کے اعلیٰ سکی اور حیدر پیاری کی تعریف کے گن گائے ہیں اسی طرح قطب مندر کی نظم میں بھی زیادہ تر اپنے محبوبوں کی تعریف اور اپنی محفلوں کی رونق کا ذکر کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "اس کے محلوں میں ہر جگہ آئینے لگے ہوئے تھے اور موتیوں کا فرش رہتا تھا۔ اور اس کی بیگمات راتوں کو چاند کی طرح چمکتیں اور باتوں باتوں میں شراب کے پیالے پی جاتیں۔ اُن کی آنکھوں کی ضیا آسمان تک پہنچ جاتی اور یہ آنکھیں باغ فردوس کو قطب مندر کے مقابلہ میں ہیچ دیکھ کر ہنسنے لگتیں۔ جواہرات ان کے نورتن جیسے جسموں پر رہکر خوشیاں مناتے۔" اور اسی طرح کے مضامین مسلسل کئی اشعار میں باندھتا چلا گیا ہے۔

یہ تو محلات شاہی سے متعلق نظموں کا ذکر تھا۔ ان محلات کے علاوہ عید قرباں کی ایک نظم میں ایک اور محل کا ذکر کیا ہے اور وہ حنا محل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس محل میں بھی وہ ایک عرصہ تک فروکش رہا تھا۔ اور بقرعید کی محفل اسی میں سجائی

---

[1] حیدر محل کا نام حیدر منڈوہ بھی تھا اور یہ بھی سیر تماشا اور تفریح کیلئے کام آتا تھا (گلزار آصفیہ صفحہ ۲۰) یہ خداداد محل کا پانچواں طبقہ "حیدری محل" نہیں بلکہ ایک بالکل دوسرا محل تھا۔

تھی۔ وہ عید قرباں کی نظم کے آخر میں کہتا ہے :۔

اے قطب شاہ تو نے نبی کے صدقے میں حناں محل میں عشرت کو
پکڑ کر بسا دیا ہے۔

اس کا شعر ہے ؎

صدقے نبیؐ کے قطبا حنّاں محل میانے   عشرت پکڑ بسایا صلوات بر محمدؐ

حناں محل اصل میں حنا محل ہے۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ بادشاہ نے لفظ حنا کو تشدید کے ساتھ حنّا کیوں استعمال کیا ہے۔ یہ محل اس جگہ بنایا گیا جہاں اب سرکاری زنانہ دواخانہ یا زچگی خانہ واقع ہے۔ یہ اصل میں محمد قلی کے سپہ سالار ملک امین الملک کا باغ تھا اور اسی لئے امین باغ کے نام سے کئی سو سال سے مشہور رہے۔ اور اب بھی بعض پرانے لوگ اس کو امین باغ ہی کہتے ہیں۔ ملک امین الملک کا باغ ندی کے کنارے سے لیکر خداداد محل اور دولت خانۂ عالی تک پھیلا ہوا تھا۔ غالباً ملک امین الملک کے انتقال کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ اس باغ میں ایک حنا محل بنایا جائے چنانچہ ایک مہینہ کے اندر ایک مکمل عمارت تیار کر دی گئی۔ اس کے متعلق لکھا ہے :۔

معماران در مدت یک ماہ قصر مکمل "حنا محل" را در حسن تقطیع بغایت
وسیع اساس نہادہ غیرت افزائے فردوس بریں و رشک بہشت سرائے

نگار خانۂ چیں ساختند۔

قطعہ

زاں رفیع آمد چو قصر چرخ ایں عالیمقام　　کز علو قدر بانی بازمی گوید بنا

از ہوائے او صبا بوے گرفت و میدہد　　خاک را بیرنہ سربوئے جوانی از حنا

اہل دولت را فضائے دلکشائے او بود　　در لطافت ہمچو جنت دلفروز و جانفزا (تاریخ ظفرہ ۱۹)

نوٹ۔ بعض تاریخوں میں محمد قلی کے ایک جناں محل کا بھی ذکر ہے۔ معلوم نہیں کہ محمد قلی نے نظم حناں محل خنا محل سے متعلق لکھی تھی یا جناں محل سے متعلق یا یہ کسی اور محل سے متعلق ہے جس کا ذکر تاریخوں میں درج نہیں۔

محلات شاہی کے بعد ہمیں کلیات محمد قلی میں **باغ محمد شاہی** سے متعلق ایک نظم ملتی ہے جس کے مطالعہ سے اُس زمانہ کے باغوں، درختوں، پھلوں اور پھولوں کے متعلق دلچسپ علم حاصل ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ نظم بھی مکمل نہیں معلوم ہوتی ورنہ آج سے ساڑھے تین سو سال قبل کے دکنی باغوں کی تفصیل عہد حاضر کے صاحبانِ ذوق کی چمن بندیوں میں مفید ثابت ہوتی۔

محمد قلی قطب شاہ کا ذوق کتنا پختہ تھا کہ اُس نے کشادہ بازاروں، نفیس حماموں اور عالیشان محلوں کے ساتھ حیدر آباد کے شایان شان باغ بھی تعمیر کئے تھے۔ اس کی اس نظم سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس زمانہ میں

باغوں کے اطراف چار دیواری ہوتی تھی جو زیادہ بلند نہ ہوتی۔ کیونکہ اس پر سے
تمام درخت اور ان کے پھل اور پھول نظر آتے تھے۔ چار دیواری کے ساتھ ساتھ
سڑک بنائی جاتی جہاں سے باغ کے مناظر دکھائی دیتے تھے' اور جس پر اس کے پھولوں
کی خوشبو مہکتی رہتی۔ پھولوں میں اُس نے چنپا کلی کا خاص کر ذکر کیا ہے۔ اور
پھلوں میں انگور' انار' کھجور' سپیاری' ناریل' جامن' اور محمد پھل کا۔ محمد پھل سے
مراد غالباً بادام ہے کیونکہ اس سے آنکھوں کو تشبیہہ دی ہے۔ تعجب ہے کہ محمد قلی نے
آم اور جام (امرود) کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آم ہی کو محمد پھل کہا ہو۔ انگور
اور کھجور عہد حاضر کے حیدرآبادی باغوں میں کم نظر آتے ہیں۔

باغ محمد شاہی کا محل وقوع تاریخوں سے اُس جگہ معلوم ہوتا ہے جہاں اب
میر عالم کی بارہ دری' نئے پل کا دروازہ' یوسف گنج اور جھمپنہ واقع ہے۔ یعنی دلی دروازہ
کے جانب مغرب تو ملک امین الملک کا باغ تھا اور جانب مشرق باغ محمد شاہی۔
یہ باغ ندی سے لیکر بلدیہ اور دارالشفا کی عمارت' پرانی حویلی اور دیوان ڈیوڑھی
تک پھیلا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دارالشفائے شاہی اور ندی کے درمیان کوئی
عمارت نہ تھی بلکہ باغ ہی باغ تھا کہ مریضوں کو کھلی اور صاف ہوا ملے۔ اس باغ
میں ایک طرف کو ایک محل بھی بنایا گیا تھا۔ یہ محل غالباً اسی جگہ واقع ہوگا جہاں

اب نواب میر عالم کی مشہور و معروف بارہ دری کھڑی ہے۔ اس باغ کے متعلق تاریخ ظفرہ میں لکھا ہے :—

"باغ و بستاں در اطراف آں قصر ہویداست۔ رشک افزائے خلد بریں و میوہ ہایش چوں عنا قد پروین۔ مثنوی

خاکش از نیکوئی عبیر سرشت — میوہ ہایش چو میوہ ہائے بہشت
تاک انگور کج نہادہ کلاہ — دیدہ در حکم خود سفید و سیاہ
شاخ نارنج و برگ تازہ ترنج — نخلبندے کشادہ بر سر گنج

شاہ جم جاہ اکثر اوقات دریں باغ فردوس صفات با پری چہرگان دل ربا و امیران ماہ لقا نہال طرب در چمن لہو و لعب نشاندہ جرعۂ شادکامی بر عالم فانی می افشاند۔"

باغ محمد شاہی پر جو نظم لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ اِس کے مطالعہ سے واضح ہو گا محمد قلی کس پایہ کا شاعر تھا اور وہ درختوں، پھولوں، اور پھلوں پر کیسی نظم لکھ سکتا تھا :—

محمد قلی کا یہ تمام چمن محمدؐ کے نام سے سر سبز و شاداب ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے اپنے طوبیٰ جیسے درختوں کی وجہ سے یہ چمن جنت کی طرح سہانا

معلوم ہوتا ہے۔

جس طرح فانوس کے اندر سے چراغوں کی روشنی خوبصورت نظر آتی ہے اسی طرح دیواروں کے پیچھے سے میووں اور پھولوں کے جسم نظر آرہے ہیں۔

پھول لگانے کے لئے اس چمن کی ہوا دمِ عیسیٰ کا کام کرتی ہے اور سرسبز نہالوں کی خبر مشاطہ کی طرح لوگوں تک پہنچاتی ہے تاکہ لوگ آکر ان کی بہار دیکھیں۔

سڑک سے جب میں باغ کو دیکھتا ہوں تو خوشی سے میرے دل کی کلی کھل جاتی ہے اور اس کی خوشبو سے دنیا مہکنے لگتی ہے۔

چمن میں پھولوں کو کھلتا ہوا دیکھ کر سکھیوں کا منہ یاد آتا ہے اور محمد پھل کی طرح اُن کی آنکھیں زیب دیتی ہیں۔

چنپا کی کلی ناک کی طرح نظر آ رہی تھی جس کی دو پتیاں دو پہلوؤں کی طرح ہیں اور اس جگہ بھنورے کو تل کی طرح دیکھ کر سب کا دل حیران ہوگیا۔

لاکھوں انگوروں کے خوشے ثریا اور سنبلہ کی طرح دکھائی دیتے ہیں

اور اس انگور کے منڈوے کی تازگی کے سامنے آسمان پرانا نظر آتا ہے۔

اناروں میں دانے ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جیسے یاقوت پتلیوں میں۔ اور کھجوروں کے خوشے مرجان کے پنجوں کی طرح نظر آتے ہیں اور سپیاروں کے لال خوشے دن اور رات کیطرح سیاہ و سفید نظر آتے ہیں۔

ناریل کے پھل زمرد کے مرتبانوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں اور اسکے تاج کو اہل دکن پیالہ کہتے ہیں۔

جامن کے پھل بن میں سالم نیلم کی طرح نظر آتے ہیں اور اس کو اس لئے رکھا ہے کہ دوسرے میووں کو نظر نہ لگے۔

اس باغ کی تعریف و توصیف کے لئے سوسن نے بھی دہن بانہیں کھولی ہیں اور دکن اپنی سب سندریوں اور حسینوں کی وجہ سے کھلی ہوئی نرگس کی طرح بارونق ہو گیا ہے۔

چمن کا شہرہ سُن کر بلبل سب آپس میں خوشی سے الاپ رہے ہیں اور ان کی آواز سُن کر جنت کی حوریں رقص کر رہی ہیں۔ جس کو دیکھکر درخت مست ہو رہے ہیں اور اپنے پتوں جیسے ہاتھوں سے تالیاں بجا رہے ہیں۔ ڈالیاں پھولوں کی شراب جیسی خوشبو سے مست ہو کر ڈل رہی ہیں۔

شاید یہ شبنم کی شراب ہے یا کسی کے ہونٹوں کے عرق کا پیالہ۔ یہ بھی اچھا ہے اور وہ بھی اچھی بشرطیکہ اے محبوب تیرے ساتھ ملکر پینے کا موقع ملے۔"

باغ محمد شاہی کے ذکر کے ساتھ ہی اس واقعہ کا اظہار بھی ضروری ہے کہ سلطان محمد قلی قطب شاہ کو سر سبزی و شادابی سے خاص دلچسپی تھی۔ وہ برسات اور پانی کا دیوانہ تھا۔ جہاں جہاں پانی مل سکتا تھا وہاں اس نے محل، باغ، اور عمارتیں بنادیں اور جہاں پانی نہیں پہنچ سکتا تھا وہاں تک پانی لانے کی جر ثقیل وغیرہ کے ذریعے ایسی ایسی ترکیبیں کیں کہ آج عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ایسے قدیم زمانہ میں یہ کیونکر ممکن تھا۔

چار منار اور کوہ طور جیسی بلندیوں پر حوض بنا کر ان میں پانی پہنچانے کا تذکرہ گذر چکا ہے۔ اس کے علاوہ داد محل، دولت خانۂ عالی اور محل کوہ طور کے عجیب و غریب حوضوں اور فواروں کے احوال بھی درج ہو چکے ہیں۔ اسیطرح بہتے ہوئے پانی سے لطف اٹھانے کیلئے اس نے موسی ندی کے کنارے ایک ندی محل بھی بنایا تھا جس کی تعریف میں مورخین[1] رطب اللساں ہیں۔ شاہی محلات کے علاوہ محمد قلی نے عوام کے لئے بھی بازاروں میں پانی کی نہریں دوڑادی تھیں اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ شاہ جہاں آباد اور نہر چاندنی چوک کی تعمیر میں

---

[1] تاریخ ظفرہ ص۱۵ و ص۱۶ - اور تاریخ قطب شاہی نسخہ سالار جنگ بہادر ص۲۵۲

ابھی نصف صدی سے زیادہ زمانہ باقی تھا۔
حیدرآباد کے اکثر بازاروں میں دونوں طرف پانی کی نہریں بہتی رہتی تھیں[۱] اور ان کے کنارے سایہ دار درخت لگائے گئے تھے۔ ایک مغربی سیاح ولیم میتھولڈ لکھتا ہے کہ :۔

"شہر حیدرآباد اپنی خوشگوار آب و ہوا اور پانی کی بہتات کی بدولت ہندوستان کا بہترین شہر ہے" (گولکنڈے کے تعلقات ص۹)

عہد اورنگ زیب کے مورخ خافی خاں نے لکھا ہے کہ :۔

"حوضہائے آں شہر لطافت و آب و ہوائے آں سرزمین و حسن ہائے نمکین آں سبز فام، و سیر حاصلی آں مرز بوم اگر پردازم از سر رشتۂ سخن باز می مانم" منتخب اللباب جلد دوم ص۳۶۸۔

اسی طرح شہنشاہ اورنگ زیب کے خاص مورخ محمد ساقی نے بھی جو فتح گولکنڈہ کے وقت ہمرکاب تھا حیدرآباد کی اس خصوصیت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :۔

"رطوبت ہوا، وعذوبت روانی چشمہا، شادابی سبزہ بہ مرتبہ کہ

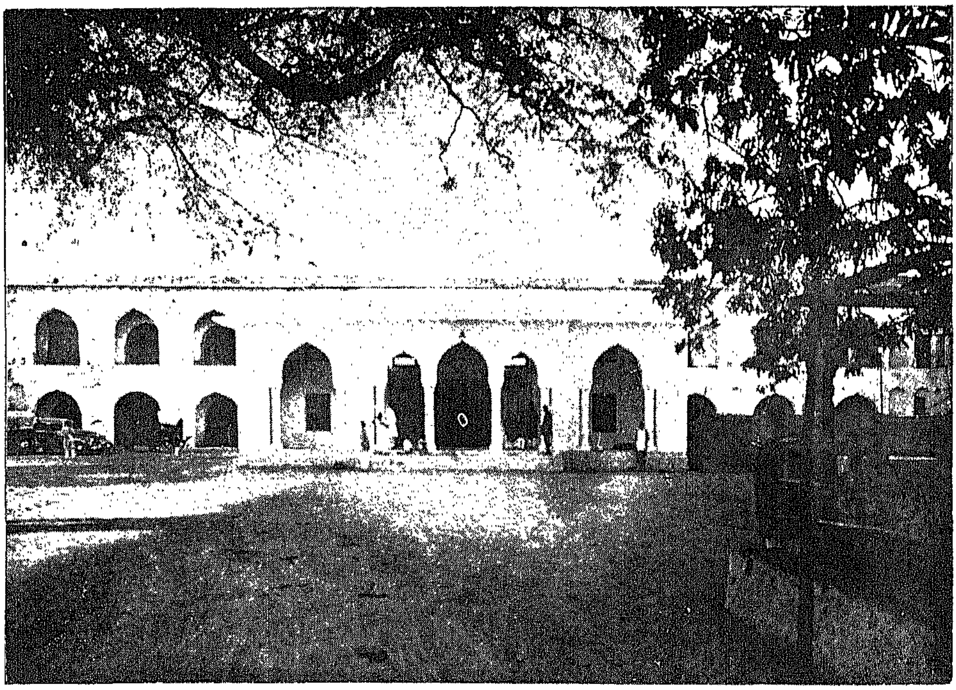
---

[۱] حدیقۃ العالم مقالہ اول ص۲۱۵ مطبوعہ مطبع سیدی حیدرآباد دکن۔

پنداری گل و سبزۂ ایں سرزمین را آب و رنگِ زمرد و لعل است ۔" (ماثر عالمگیری [۳۲])

افسوس ہے کہ محمد قلی کے بنائے ہوئے محل آج حیدرآباد میں باقی نہیں ہیں لیکن جو محل قلعہ گولکنڈہ میں اب تک شکستہ و بوسیدہ حالت میں موجود ہیں ان کے دیکھنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ چھ چھ سات سات منزلہ عمارتوں میں بھی اوپر تک پانی پہنچانے کے انتظامات موجود تھے اور بعض محلوں کی چھتوں پر اب تک حوض موجود ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام قطب شاہی سلاطین پانی کے بے حد دلدادہ تھے اور ان میں بھی محمد قلی کو تو خاص طور پر اس سے دلچسپی تھی۔ جس کا مزید ثبوت "اس عنوان کے تحت ملے گا جو محمد قلی کی مصروفیتوں اور آغازِ باراں سے متعلق آئندہ صفحات میں درج ہے۔

حوضوں اور نہروں کے علاوہ محمد قلی نے متعدد حمام مسجدیں، عاشور خانے، لنگر خانے، مدرسے، مہمان خانے، کارواں سرائیں، اور دواخانے بھی بنائے تھے۔ جن میں سے چند حماموں، اکثر مسجدوں اور عاشور خانوں، متعدد کارواں سراؤں اور شاہی دارالشفا کی عمارتیں یا اُن کے آثار اب تک باقی ہیں۔ اور اس شکستہ حالت میں بھی ظاہر کرتے ہیں کہ محمد قلی کس اعلیٰ ذوق اور شان و شوکت کا بادشاہ تھا۔ وہ نزاکتوں سے زیادہ شکوہ اور بڑائی کا دلدادہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ



دارالشفا - حیدرآباد کا قدیم ترین دواخانہ جو محمد قلی قطب شاہ نے
شہر حیدرآباد کی آبادی اور تعمیر کے بعد بنایا تھا -

حیدرآباد اور گولکنڈہ کی اکثر عمارتیں جسامت، مضبوطی، اور بلندی کی وجہ سے ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن اس مضبوطی اور بلندی کے ساتھ ساتھ خوبصورتی اور لطافت کا بھی خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ابوالقاسم فرشتہ جس نے اکبر اعظم کے بنائے ہوئے آگرہ، لاہور اور فتح پور سیکری جیسے عظیم الشان مغلیہ شہروں میں بودوباش کی تھی حیدرآباد کے متعلق لکھتا ہے:-

"شہرے کہ در تمامی ہندوستان شرقاً و غرباً شمالاً و جنوباً مثل آں در لطافت و صفا ہرگز یافت نمی شود" (تاریخ فرشتہ مقالہ سوم ص۱۷۳)

موسیو ٹیورنیر فرانس کا رہنے والا تھا جس کا پایہ تخت پیرس قدیم زمانہ ہی سے عروس البلاد سمجھا جاتا ہے۔ یہ جب حیدرآباد آتا ہے تو اپنے سیاحت نامہ میں لکھتا ہے کہ:-

"شہر نہایت سلیقہ سے بنایا گیا ہے اور اس میں بڑے بڑے راستے ہیں ...... چار پانچ کاروان سرائیں موجود ہیں جو دو منزلہ ہیں ......" (جلد اول ص۱۲۳)

آخر میں حدیقۃ العالم کا ایک بیان نقل کردینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس کے مطالعہ سے سلطان محمد قلی کے ذوق تعمیر اور شہر حیدرآباد کی ابتدائی حالت کا اندازہ

ہو سکتا ہے :—

"در ہر بازارے چند چہارسو کہ بہ ہندی چوراہا گویند متساوی الاضلاع وسوائے آں بازارہائے دیگر۔ ...... دکاکین چہار دہ ہزار گفتہ اند' در پیش ہر دکان ایوانے' وماورائے ایں از محلہ ہا' وحمام ہا' وخانقاہ' و مدرسہ ومسجد ولنگر ومہمان خانہا۔ دو دو از دہ ہزار مکان بر لوح مہارت کشیدند۔ ...... مجموع عمارات کوچہ وبازار وغیرہ را از سنگ و آہک بہ تکلف ہر چہ تمامتر برآوردند۔ ومنازل بادشاہی بہ نوعے ساختند کہ مسافرانِ اقالیم سبعہ نظیرِ آں در ہیچ ملک نشان نمی دہند۔"

(مقالہ اول ص۲۱۵)

تیسرا حصّہ

محمدؐ قلی قطب شاہ ایک بڑا شاعر، ایک بڑے شہر کا تعمیر کار، اور اہلِ بیت کرام کا بہت بڑا شیدائی ہونے کے ساتھ ساتھ دکن کے موجودہ تمدّن اور تہذیب کا بانی بھی تھا۔ اُس نے اپنے ملک کو عمرانی اور سماجی نقطۂ نظر سے ایک بلند سطح پر پہنچانے کی جو کوششیں کیں اُن میں مذہبی اور غیر مذہبی عیدوں کی ترویج اور اُن کو خاص سلیقے اور تُزک و احتشام کے ساتھ منانے کے انتظامات بھی شامل ہیں۔

اس کے سوانحِ حیات کے اس حصّہ میں صرف انہی تقریبوں کا تذکرہ درج ہے جو بادشاہ کے مذہبی عقاید کی آئینہ دار ہیں اور جن کے بہترین مرقعے خود محمدؐ قلی نے اپنے اُردو کلام میں پیش کئے ہیں۔

عیدوں اور تہواروں کی ترویج

سلطان محمد قلی قطب شاہ کو خدا نے قلب و دماغ کی نہایت اعلیٰ قوتیں ودیعت کی تھیں وہ نہ صرف ایک بہت بڑا بادشاہ تھا بلکہ ایک زبردست صناعؔ تعمیر کارؔ اور شاعر بھی تھا۔ ساتھ ہی ایک بلند مرتبہ مصلح قومؔ مجتہد وقتؔ وضعدارؔ رعایا پرورؔ اور فیاض و رحمدل بھی تھا۔ اس نے اپنے عہد حکومت میں کسی کو سزائے موت نہیں دی۔ اس کے دسترخوان پر کسی وقت ایک ہزار سے کم آدمی نہ ہوتے اور اس کے دسترخوان کی طرح اس کے دربار اور داد محل کے دروازے بھی ہر وقت ہر کس و ناکس کے لئے کھلے رہتے۔ مشہور مورخ ابو القاسم فرشتہ نے اگر دوسرے بادشاہوں کے مقابلہ میں اس کو حلیم الروف لکھا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس میں خدا نے ایسی ایسی عجیب و غریب اور متضاد و مختلف خصوصیتیں یک جا کر دی تھیں کہ تاریخ میں ایسی مستجمع الصفات شخصیت بہت کم نظر سے گذرتی ہے۔

ابھی ہم نے اس کے عظیم الشان شہر حیدر آباد کی تعمیر و آرائش و زیبائش کے متعلق لکھا ہے اور اب ہم اس کی تنظیمی قابلیت اور ثقافتی ذوق کے متعلق چند معلومات فراہم کریں گے۔ یہ ہم کو معلوم ہے کہ اس کے عہد میں کبھی کبھی کچھ لڑائیاں اور بغاوتیں ہوئیں لیکن اس نے اپنی طبعی صلح پسندی کی وجہ سے ان کو بڑھنے نہ دیا اور کشور کشائی کے مقابلہ میں صلح و آشتی کو ترجیح دی اور آخر کار ایسے کام کئے کہ رعایا کے دلوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اسی سلسلہ میں اس نے متعدد عیدوں اور تہواروں کو رائج کیا تاکہ اس کا ملک عمرانی اور سماجی نقطہ نظر سے بھی ایک خاص سطح پر پہنچ جائے۔ اور اہل ملک کو سال بھر میں مختلف مواقع ایسے حاصل ہو سکیں جن میں وہ دل کھول کر اپنے انسانی جذبات کا اظہار کر سکیں۔ ایسے مواقع یوں تو سال میں کئی دفعہ آتے ہوں گے۔ لیکن محمد قلی کے کلیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بارہ چودہ ایسی اہم تقریبیں مقرر کر دی تھیں جو خاص اہتمام سے منائی جاتیں۔ اور عوام کے علاوہ خود بادشاہ بھی ان میں ذاتی دلچسپی لیتا۔ یہ تقریبیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ محرم ۲۔ عید میلاد نبیؐ ۳۔ عید بعثت نبیؐ ۴۔ عید سوری ۵۔ عید مولود علی ۶۔ عید غدیر ۷۔ شب برات ۸۔ عید رمضان ۹۔ بقرعید ۱۰۔ نوروز ۱۱۔ بسنت ۱۲۔ سالگرہ بادشاہ ۱۳۔ مرگ سال (آغاز برسات) ۱۴۔ شب معراج۔

ان میں چار ایسی تھیں جو بین قومی سمجھی جاتیں اور جن میں ہندو اور مسلمان سب شریک ہوتے، یعنے :- ۱۔ سالگرہ بادشاہ ۲۔ آمد برسات ۳۔ نوروز اور ۴۔ محرم۔

محرم کی نسبت خود محمد قلی کے موجودہ کلام سے کچھ زیادہ معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اُس کے صرف چند ہی مرثیے ملے ہیں۔ حالانکہ اُس نے بیسیوں مرثیے لکھے تھے جو اس کے مکمل دیوان (کتب خانہ آصفیہ) میں موجود تھے۔ اور جملہ تاریخوں میں یہ امر وضاحت کے ساتھ درج ہے کہ حیدرآباد میں محرم کی تقریبوں کا آغاز سلطان محمد قلی قطب شاہ ہی نے کیا تھا۔ تعزیہ داری اور مجلسیں اسی کی قایم کی ہوئی ہیں جو آج تک جاری ہیں۔ حیدرآباد میں سب سے پہلا علم اُسی کا بٹھایا ہوا ہے جو اب تک موجود ہے اور جس کا ذکر گذر چکا ہے۔

محرم کے مراسم کو محمد قلی نے اس خوبی سے رائج کیا کہ شیعوں کے علاوہ سنیوں اور ہندوؤں نے بھی ان ایام کو خاص اہتمام سے منانا شروع کیا اور خاص کر محرم کے ابتدائی دس بارہ روز تک تو ایسی مصروفیتیں رائج ہوگئیں جن میں سلطنت قطب شاہیہ کا ہر متنفس (خواہ وہ کسی مذہب وملت سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو) حصہ لیتا تھا۔

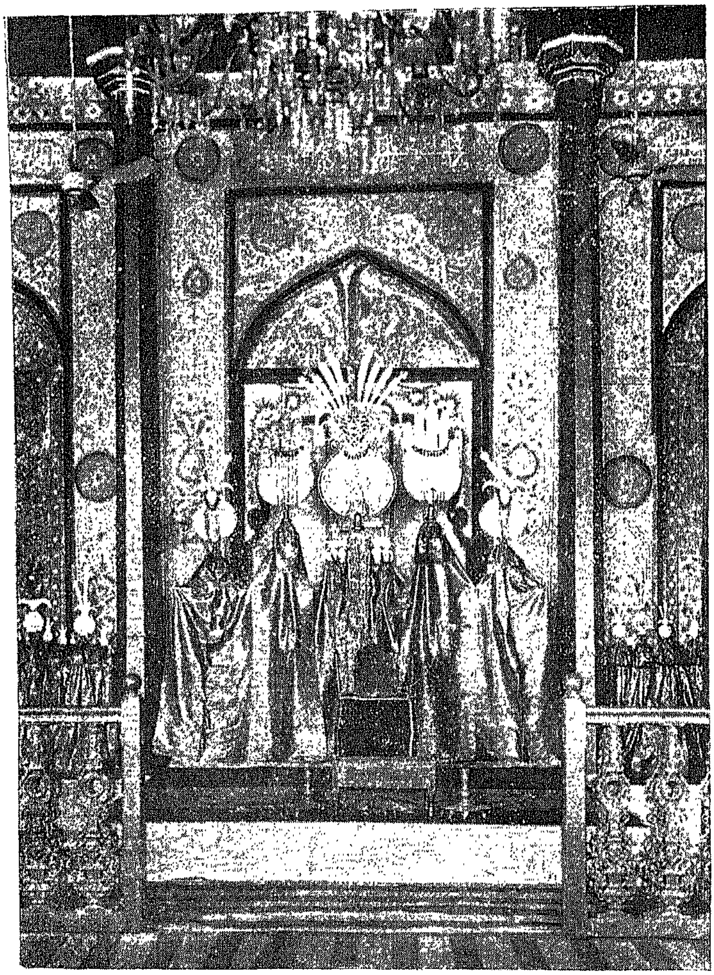
اس کے متعلق مورخین لکھتے ہیں کہ :-

"قطب شاہی سلطنت کا قدیم طریقہ ہے اور خاص کر محمد قلی قطب شاہ کے

زمانہ سے یہ رواج ہے کہ محرم کا چاند دیکھتے ہی خود بادشاہ بھی اورنگ زرنگار سے اتر جاتے اور لباس شاہی کو جامۂ عزا سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ اور تمام ممالک محروسہ میں حکم نافذ ہے کہ کہیں کوس، نقارہ، طبل یا دمامہ نہ بجے، اور گانے بجانے والے بھی اپنے آلات کو غلافوں میں رکھ دیتے ہیں شاہی اور عام باورچی خانوں میں گوشت کی آمد بند ہو جاتی ہے۔ تاڑی، سیندھی، بھنگ اور دیگر نشہ آور چیزوں کی دکانیں بند کر دی جاتی ہیں، نہ قصاب لوگ گوشت بیچتے ہیں اور نہ تنبولی پان۔ اسی طرح شہر کے حماموں میں حجام بھی اپنا کام بند کر دیتے ہیں۔ "و احکام مذکور بر جمیع مسلم و کافر طبقات انام دریں ایام غم انجام در ممالک محروسہ جاری می دارند۔" (حدیقۃ السلاطین قطب شاہی)[۴۲]

ایام محرم میں محمد قلی قطب شاہ کی دریا دلی میں اور اضافہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ :-

بارہ اماموں کے لنگر میں ۶۰ ہزار ہون مجاوروں اور خادموں کے وظیفوں اور دیگر امور میں صرف ہوتے۔ اور محرم کے بعد بارہ ہزار ہون اور خرچ کیا جاتا جو زرِ عاشوری کہلاتا۔ اس کے علاوہ نجف، اشرف، کربلائے معلیٰ، اور دیگر مقامات کو ہر سال ایک لاکھ ہون تقسیم کے لئے



بادشاہی عاشور خانہ جسکی دیواروں پر محمدؐ قلی قطب شاہ نے کارکاشی
کا نہایت نفیس کام کرایا ہے۔

روانہ کئے جاتے۔ (تاریخ ظفرہ ص۲۱)

عزاداری کو شایانِ شان طریقہ پر منانے کے لئے محمد قلی نے محل کے عاشور خانہ کے علاوہ ۱۰۰۳ھ میں ایک بادشاہی عاشور خانہ بھی تعمیر کرایا جس میں ساٹھ ہزار روپیہ صرف ہوئے[۱]۔ یہ عمارت بارہ گز (یعنے ۳۶ فیٹ) بلند رکھی گئی اور اب تک موجود ہے اس میں چودہ معصوموں کے نام کے ۱۴ علم استادہ کئے گئے۔ ان علموں کو استادان نادر اور ہنرمندان ماہر نے اپنے اپنے کارناموں کے طور پر بنایا ہے اور چودہ گز کے زربفتی تھان جن میں شاہی شعر بافوں نے قرآنی آیتیں اور ادعیۂ ماثورہ نہایت کمال کے ساتھ بُن دی ہیں، اِن علموں کو پہنائے جاتے ہیں اور عاشور خانہ کے صحن میں طاقچوں کی دس صفیں ایک دوسرے کی متوازی بنادی گئی ہیں اور ہر صف میں تقریباً ایک ہزار طاقچے ہیں تاکہ اتنے ہی چراغ روشن ہوں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ پہلی شب میں پہلی صف روشن کی جاتی ہے اور دوسری میں پہلی اور دوسری۔ اسی طرح دسویں کی رات کو پوری دس صفیں روشن ہوجاتی ہیں اور دس ہزار چراغوں کی روشنی سے عاشور خانہ بقعۂ نور بن جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بڑے بڑے چراغدان بھی "بصورت اشجار پُرشاخ" بنائے گئے جن میں سے ہر ایک میں ایک سو بیس ۱۲۰ شمعوں اور چراغوں کی روشنی کا انتظام

---

[۱] تاریخ گلزار آصفی ص۲۵۔

کیا گیا اور ان پیتلی جھاڑوں کو عاشور خانہ کے دالانوں کے برابر رکھا جاتا ہے۔ اور خود ایوان میں اور حوض کے اطراف قد آدم سے بھی بلند کافوری شمعیں ہر رات روشن کی جاتی ہیں۔[1]

عاشور خانہ میں سیاہ پوش عزاداروں کا صبح و شام اژدہام رہتا تھا۔ خوش آواز ذاکر اور خوش خواں نغمہ پرداز دلسوز مرثیئے اور غم اندوز اشعار اس درد و اثر سے پڑھتے رہتے کہ سننے والوں پر بے اختیار رقت طاری ہو جاتی۔ عصر کے وقت خود بادشاہ بنفشی رنگ کا لباس پہن کر آہستہ رفتار سواری میں یا سیاہ مخمل کے سنگاسن میں بیٹھکر جملہ سیاہ پوش مقربوں، مجلسیوں، امیروں اور وزیروں کے ساتھ الاوہ میں آتا اور دو خوش آواز ذاکر شاہی سنگاسن کے دونوں طرف خود بادشاہ کے مصنفہ مرثیے پڑھتے ہوئے آتے۔ جب بادشاہ عاشور خانہ کے دروازہ میں داخل ہوتا تو سواری سے اتر کر برہنہ پا آتا اور اپنے ہاتھ سے علموں پر پھول چڑھاتا اور شام کے وقت تمام کافوری شمعوں اور ایوان کے برابر کے چراغوں کو بھی اپنے ہاتھ ہی سے روشن کرتا۔ اس وقت مرثیہ خوانی ہوتی رہتی اور ائمۂ معصومین کی مدحیں پڑھی جاتیں۔ چراغ روشن کرنے کے بعد ایک فصیح و بلیغ خطیب کھڑے ہو کر شہدائے کربلا کی ارواح کے لئے بآوازِ بلند

---

[1] حدیقۃ السلاطین ص۴۳۔

فاتحہ پڑھتا۔ جس کے بعد بادشاہ دولت خانۂ عالی کی طرف واپس ہو جاتا اور وہاں کے عاشور خانہ میں امرا و وزرا کے ساتھ آدھی رات تک ماتم و مرثیہ خوانی میں بسر کرتا۔ یہاں کندوری جو بغیر گوشت کے قسم قسم کے تکلفات سے تیار کی جاتی اور شربت اور تنک مک وغیرہ کی تقسیم عمل میں آتی۔ (حدیقہ ۴۴)

یہ اوقات حدیقۃ السلاطین میں دراصل سلطان عبداللہ قطب شاہ کے متعلق درج ہیں لیکن اس بیان کی ابتدا میں صاف صاف لکھدیا ہے کہ یہ دستور محمد قلی قطب شاہ کے زمانہ سے جاری ہے۔ اس لئے سلطان محمد قلی بھی کم و بیش اسی طرح عمل کرتا ہوگا۔ کیونکہ سلطان عبداللہ کے متعلق جملہ تاریخوں میں یہی لکھا ہے کہ وہ اپنے باپ سے زیادہ اپنے نانا محمد قلی کی پیروی کرتا تھا اور کوئی تعجب نہیں کہ محرم کے جملہ مراسم میں اُس نے اپنے نانا ہی کی پیروی کی ہو۔

اس تفصیل سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ خود بادشاہ کے مرثیے بھی ایام محرم میں پڑھے جاتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ سلطان محمد قلی نے بیسیوں مرثیے لکھے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کے جملہ مرثیئے دستیاب نہ ہو سکے۔ لیکن جو ملے ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محرم کے آغاز کے ساتھ ہی مرثیہ نگاری شروع کر دیتا تھا۔ چنانچہ دیوان کے پہلے مرثیہ میں لکھتا ہے :—

محرم کے مہینے میں اماموں کا غم پھر سے آیا ہے جس کی وجہ سے زمین اور

آسمان میں دوبارہ رنج و الم کا دور دورہ ہو گیا۔

زمین پر اس ستم و بلا کی وجہ سے اتنا شور و غوغا پیدا ہوا اور دلوں میں

اتنا دکھ بھر گیا کہ سانس اندر جانے کے بعد باہر نکلتے ڈرتی ہے۔

سورج اماموں کے غم میں جل جل کر آگ کا شعلہ بن گیا ہے اور پونم کے

چاند نے اس غم میں خود کو کوئلے کی طرح جلا دیا ہے۔

اے مسلمانو اپنے آنسوؤں سے ندیاں بہاؤ کیونکہ اماموں پر ستم اور

بلا پھر سے آئی ہے۔

اے مسلمانو تم کبھی محرم کا نام نہ لینا کیونکہ اس مہینہ نے قیامت

بن کر علم قیامت کو بلند کیا ہے۔

حوروں کو جنت میں کوئی دکھ درد نہ تھا لیکن حسینؑ کا غم کرنے کیلئے

وہ دوسرا جنم لیتی ہیں۔

یہ مرثیہ ناقص الآخر ہے۔ لیکن اس کے ابتدائی اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ گذشتہ محرم میں بھی کوئی مرثیہ لکھ چکا ہے۔ دیوان کا مندرجہ دوسرا مرثیہ ناقص الاول دستیاب ہوا ہے۔ اس میں محمد قلی لکھتا ہے :—

بی بی فاطمہؑ حسینؑ کے لئے لہو روتی ہیں اور اس لہو کی سرخی ساتوں آسمانوں پر شفق بن کر چھا گئی ہے۔

اے مسلمانو اماموں پر جو دکھ ہوا ہے اس کا حال نہ پوچھو کیونکہ ہر ایک امام پر طرح طرح کے دکھ اور ظلم ہوئے ہیں۔

افسوس کہ دنیا میں ان پر کیسا ظلم ہوا! اور یہ سب ظلم و بلا صرف فاطمہ کے پیاروں پر!

اے محرم تو گیارہ مہینوں کی طرح کیوں نہیں ہے؟ سب مہینوں میں خوشیاں کرتے ہیں لیکن تو آ کر دلوں میں دکھ بسا دیتا ہے۔

اے محرم تو نے اماموں کی ایسی مہمانی کی کہ کربلا کے جنگل میں اُن کے لئے تمام بلاؤں کو جمع کر دیا۔ مسلمانوں کے لئے اس مصیبت سے بڑھکر کوئی نہیں کیونکہ اس میں آنسوؤں کے لہو سے پیالے بھر کر پینا پڑتا ہے۔

بدبخت شامی کافر وں نے امام سے قول طلب کیا اور خود بے ایمان تھے اس لئے خدا نے ان کے لئے دوزخ بنائی ہے۔

اس مہینے میں مومنین حسنؑ کے زہر کی وجہ سے ہرے لباس پہنتے ہیں جنکی چھاؤں آسمان پر رنگ بھر دیتی ہے۔

اے خدا تو اماموں کی حرمت میں قطب شاہ کو بخش دے کیونکہ انکی مدح کا

حلقۂ غلامی اُس کے کانوں میں زیب دیتا ہے۔

اگرچہ فرشتے امام کی مدد کرنے آئے تھے مگر انھوں نے قبول نہ کی سورج ان کا ماتم کرنے والوں کی آہ سے ہر روز جلتا رہتا ہے اور چاند اس شرم کے مارے گل کر اپنا سر نیچے جھکا لیتا ہے۔

یزیدیوں کے ظلم کا قصہ کوئی بیان نہیں کر سکتا کیونکہ شیطان نے بچپن سے انہی کے یہاں جا کر تعلیم پائی ہے۔ یزید اور شمر جیسے کام شیطان بھی نہ کر سکیگا۔ اس شخص پر ہزاروں لعنتیں جسکے ایسا لڑکا پیدا ہوا۔"

تیسرا مرثیہ ناقص الاول ہے۔ نہ معلوم کس طرح ابتدا کی تھی؟ اس میں لکھا ہے کہ:-

ظالموں نے اپنے ظلم کی وجہ سے بارہ اماموں کو اتنا دکھ دیا کہ فاطمہ کا چہرا اس لہو سے وصل گیا۔ یتیم پیاس پیاس پکارتے ہوئے مل کر روتے رہے اور اس دکھ درد کے آنسوؤں نے ان کے حلق کو سکھا دیا۔

زندگی کو تو ایک چراغ سمجھ جو اس غم کی وجہ سے جل رہا ہو۔ اسی غم میں پریاں اور حوریں بھی اپنی آنکھوں سے لہو کے آنسو ٹپکاتی ہیں۔

اماموں کا قصہ بیان کرنے کی زبان میں بھی طاقت نہیں کیونکہ شہیدوں کے

غم کی وجہ سے درد وغم کے بادل تمام عالم پر چھائے ہوئے ہیں۔

اے خدا تو ان ظالموں سے باز پرس کر اور ہماری آہ و فریاد کو سن

کیونکہ انھوں نے بن باپ دادا کے یتیموں پر جفا اور ستم توڑا ہے۔

اے مسلمانو اگر تم اپنے ایمان کے دعوے کرتے ہو تو دم بدم روتے جاؤ

کیونکہ یہی دوزخ کی آگ سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

اے خدا اماموں کی وجہ سے قطب شاہ کو تو شفا دے کیونکہ شہیدوں کی

دوستی کی وجہ سے تمام بادشاہوں میں اسکی تعریف ہوتی ہے۔"

اس مرثیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک محرم میں بادشاہ کی طبیعت ناساز تھی۔ اس ناسازی مزاج کا اس نے دوسری نظموں میں بھی ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر بیمار رہا کرتا تھا۔ اسکی تصویر سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دوسرے قطب شاہوں کے مقابلہ میں نحیف تھا۔ اس موضوع پر آئندہ بحث کی جائے گی۔

چوتھے مرثیے میں محمد قلی لکھتا ہے:—

اے ماتمیو آؤ ہم سب مل کر اس غم میں لہو روئیں اور وا اماما یا امام کے

ورد میں اپنے دل کھو دیں۔ آہ ہمارے درد سے دریا کو بھی جوش آتا ہے

اور ماتمیوں کے لہو کی بوندوں سے سب آگ بجھ جاتی ہے۔

سب دکھوں کی حد ہوتی ہے لیکن اس دکھ کی کوئی حد نہیں کیونکہ فرزند
فاطمہؑ کے بغیر اس دنیا میں کہیں نور نہیں ہے۔ فاطمہؑ کے دکھ میں عرش و کرسی
بھی غم کے آنسو روتے ہیں اور ساتوں آسمانوں اور زمینوں میں آگ بھڑک
اٹھتی ہے۔ مصطفےٰؐ کے باغ کے پھولوں کو پانی نہ دیکر سکھا دیا گیا اور مصطفےٰؐ
و مرتضٰیؑ و فاطمہؑ کے دل کو دکھایا۔

تمام پیغمبروں نے اس غم میں نیل کے کپڑے پہن لئے ہیں۔ کیونکہ جسطرح
نبیوں میں مصطفےٰؐ ہیں، اماموں میں حسینؑ ہیں جنھوں نے کفر کو توڑ کر اسلام
کو رائج کیا"

یہ مرثیہ بھی ناقص الآخر ہے۔ محمد قلی کا ایک اور مرثیہ خاص کر قابل ذکر ہے
یہ نہایت طویل اور مکمل ہے اور اس میں اُس نے نوحہ کے طرز میں اس امر کو ثابت
کیا ہے کہ تمام دنیا اماموں کا غم کرتی ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ:۔

دو جگ کے اماموں کے غم میں سب کے دل آہ و زاری کرتے ہیں اور
سب کے جسموں کا رواں رواں جلتا ہے۔ ساتوں آسمان، آٹھوں جنتیں،
ساتوں سمندر، اور ساتوں اقلیمیں ایک سے بڑھکر ایک اس غم سے متاثر ہیں۔
کعبہ نے بھی اس غم میں سیاہ پوشی اختیار کر لی ہے اور ظلمات بھی اسی

دکھ میں سیاہ و تاریک ہے۔

لوح و قلم، عرش و کرسی، قدسی اور غلمان سب اسی غم میں ہیں۔ اور بادل اور بجلی بھی ساری رات اسی لئے پکارتے اور روتے چلاتے رہتے ہیں۔

آسمان کا چھجا جل گیا اور خورشید کو آگ لگ گئی۔ چاند پر بھی جلنے کی وجہ سے سیاہ دھبہ پڑ گیا۔ پرندوں نے اپنے سب پر جھڑا دیئے اور گھر بار چھوڑ کر نکل گئے، اور سمندر روتے روتے بھرپور ہو گئے۔

پھول اس دکھ میں سوکھ گئے اور بلبلیں خاموش ہیں، اور حسین کوئل اسی غم میں بن بن پکارتی پھرتی ہے۔ اے انسانو دیکھو کہ پرندوں نے غم کے مارے دانہ چگنا چھوڑ دیا ہے۔ تمام دنیا نے ماتم کی ایک دوکان کھول دی ہے۔ دونوں جگ خراب و خستہ ہو گئے، حیوان رنج و غم میں کباب بن گئے، اور سمندروں نے سراب بن کر موج زنی ترک کر دی۔

اس غم کی آگ سے دنیا بن کی طرح جل رہی ہے اور آسمان اور زمین جل رہے ہیں، اور بہشت میں فرشتے بے اختیار ہو کر تڑپ رہے ہیں۔

اس کے بعد امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی خصوصیات و مناقب تفصیل سے بیان کیے ہیں اور آخر میں اپنے لئے دعا کی ہے۔ یہ مرثیہ نہایت اہم اور سب سے بہتر ہے۔

علاوہ تخیل اور خوبی اسلوب کے لحاظ سے محمد قلی قطب شاہ کی بہترین نظموں میں سمجھا جا سکتا ہے۔ محمد قلی کے ایک فارسی مرثیئے کے چھ بند اور ایک فارسی نوحہ بھی موجود ہے [1]

ان تمام مرثیوں کے مضامین اس لئے پیش کر دئے گئے کہ یہ اردو زبان کے پہلے مرثیئے ہیں اور ان میں محمد قلی کے وہ خیالات ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے ہیں جن کو اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے ملک میں رائج کر دیا اور نہ صرف اپنے ہم خیالوں بلکہ تمام اہل ملک کو محرم کی تعظیم و تکریم اور شہدائے کرام کے غم و الم میں حصہ لینے کی طرف راغب کر دیا۔

محمد قلی نے ان مرثیوں اور تعزیہ داری کے علاوہ محرم میں ایسی دلچسپ تقریبیں بھی رائج کیں کہ تمام اہل ملک ان میں حصہ لینے لگے۔ مثلاً روشنی، کپڑوں، کھانوں، سبیلوں وغیرہ کی عام تقسیم اور چھٹی محرم کو دادمحل کے سامنے کا عظیم الشان منظر (جو رفتہ رفتہ ایک میلے کی شکل میں منتقل ہو گیا) ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے محرم کو سلطنت قطب شاہی کا ایک ناقابل فراموش عنصر بنا دیا۔ چنانچہ جملہ سیاح اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں قطب شاہی تاریخ حدیقۃ السلاطین سے دادمحل کے سامنے کے عظیم الشان منظر کی نسبت کچھ معلومات بھی لکھ دی جاتی ہیں۔

"چھٹی محرم کو علاوہ بیرون دولت خانہ کے علم (جن کا اہتمام کوتوال کے ذمہ تھا)

---

[1] یہ فارسی ترکیب بند اور نوحہ کلام الملوک میں شایع ہوا ہے (دیکھو صفحات ۵۴ تا ۵۵)۔

میدان[1] دلکشائے وسیع الفضائے وادمحل میں لاتے ہیں۔ اور اس میدان کے اطراف و اکناف کے بازاروں اور راستوں میں چراغاں کئے جاتے ہیں اور تابوت اور گنبدوں (یعنی تعزیوں) کو بہترین زیب و زینت اور قسم قسم کی نقاشی اور تکلفات سے آراستہ کرکے اور ان کے اندر اور باہر بہت سی شمعیں روشن کرکے لے آتے ہیں۔ اور لکڑی سے بڑے بڑے درخت اور عظیم الشان ہیکلیں بنا کر اُن میں بھی روشنی کرتے ہیں۔ فانوسوں، مشعلوں، اور چراغوں کا ایک انبوہ علموں کے سامنے چلا آتا ہے۔ اور کثیر تعداد میں عربی اور عجمی لوگ اور شیعیان و محبانِ ائمہ مطہر ہاتوں میں شمعیں لئے ہوئے دونوں طرف اور ان کے درمیان ذاکران و مداحان مرثئے اور مدح پڑھتے ہوئے وادمحل کے میدان میں آتے ہیں۔ وادمحل کے نیچے دو طرفہ چراغ روشن رہتے ہیں اور علم درمیان میں جن کے اطراف تمام سیاہ پوش عزاداران و ذاکران وغیرہ کھڑے ہوتے ہیں۔

وادمحل کی چوتھی منزل پر سے جب بادشاہ اس "چراغ زار" پر نظر ڈالتا ہے جو ماتمیوں کے پُرداغ سینے کے مشابہ ہے تو عزاداروں کے شور وشیون سے اس پر بھی رقت طاری ہو جاتی ہے اور وہ سیاہ پوشانِ دلفگار کے لئے اپنے یہاں سے تازیزہ کے خوان روانہ کرتا ہے۔ اور کوتوال تمام مجمع کے ساتھ بادشاہ اور سلطنت کی بقا کے لئے دعا کرتا ہے۔

---

[1] اس جگہ اب چوک کی مسجد، گھڑی، محبوب مارکٹ اور خزانہ عامرہ واقع ہے۔

اسی طرح ایام عاشورہ کے ختم تک شہر کے جملہ محلوں کے علم اس میدان میں آتے رہتے ہیں۔

ساتویں محرم کی صبح میں بادشاہ ندی محل میں برآمد ہوتا ہے، شاہ نشین میں کھڑا رہتا ہے اور ایران اور ہندوستان کے حاجب طلب کئے جاتے ہیں۔ اور جملہ مجلسی امیر وزیر مقرب اور ہر طبقہ کے ملازمین سیہ پوش ہو کر حاضر ہوتے ہیں اور اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت تمام شہر و مضافات کے علم طلب کئے جاتے ہیں اور علموں کے ساتھ شہر کی تمام مخلوق دروازۂ بارہ امام میں سے داخل ہوتی ہے۔ ہندو اور مسلمان سب کو داخلہ کا بار عام دیا جاتا ہے اور یہ مجمع ندی محل کی فضا میں روزِ محشر کا انبوہ نظر آتا ہے۔ علموں کو ترتیب کے ساتھ بادشاہ کے سامنے سے لیجاتے ہیں اور اس وقت سیاہ پوشوں کا ماتم اور شور و شیون اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ عرش اعظم تک پہنچتا ہے۔ اسوقت علموں، تابوتوں گنبدوں اور تعزیوں کو دیکھ کر میدانِ کربلا میں اہل بیت کی گرفتاری اور پریشانی کا منظر دیکھنے والوں کی آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور وہ بے اختیار رونے لگتے ہیں۔ بادشاہ بھی متاثر ہوتا ہے اس کی طرف سے ہر علم کو ایک ابریشمی ڈھٹی باندھی جاتی ہے اور خادموں کو ایک خریطۂ زر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ظہر کے وقت تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

نویں محرم کی رات میں دولت خانۂ عالیہ کے اندرونی الاوہ کے علموں کو میدان دربار خسروی (یعنی چار کمان کے میدان) میں لے آتے ہیں۔ اس رات بادشاہ پھول

چڑھانے اور علموں کو آراستہ کرنے کے بعد خاصہ کی کافوری شمعیں جملہ مجلسیوں، مقربوں، اور حجابِ عظیم الشان کو اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتا ہے اور شاہی سپہ سالار کے ہاتھ سے کل سلحداروں اور عساکر میں تقسیم عمل میں آتی ہے۔ سرخیل شاہی کے ہاتھ میں شمشیر خاصہ دیجاتی ہے اور تمام مجلسی سردار، اعیان و اکابر اور دولت خانۂ شاہی کے جملہ چھوٹے بڑے ملازم ہاتھوں میں شمعیں لئے ہوئے نکلتے ہیں اور دروازۂ الادہ میں سے میدانِ دربار (چار کمان) بیں بے شمار مشعلوں، چراغوں اور فانوسوں کے ساتھ علموں کو لے آتے ہیں۔ میدان کے ایوانوں کے سامنے چالیس پینتالیس فٹ بلند ہاتھی شیر، اور درختِ سرو وغیرہ کی عجیب دلپذیر شکلیں بنا کر روشن کی جاتی ہیں اور اس میدان کی چاروں کمانوں پر سر سے پاؤں تک طاقوں، محرابوں، اور طرح طرح کے درختوں کے نقشے اتار کر ان میں روشنی کیجاتی ہے۔ اور تمام میدان میں بھی لکڑیاں باندھکر چراغ لگائے جاتے ہیں۔

محل کی اس چوڑی دیوار پر جس کے برابر سے علموں کو میدان میں لیجاتے ہیں بادشاہ تقریباً پانسو قدم علموں کے ساتھ جاتا ہے اور آخر کار اس کمان پر جو چار مینار کے مقابل (اب بھی موجود) ہے پہنچ جاتا ہے۔ وہاں سے تمام میدان اور دوسری کمانوں کا منظر سرتاپا چراغاں نظر آتا ہے۔ اور بے حد و حساب مخلوق خدا جس میں شریف و وضیع چھوٹے بڑے، عورت مرد، سب ہی شامل ہوتے ہیں اس وسیع میدان میں جمع ہو کر اس چراغاں

اور آتشی گلستاں کا تماشا دیکھتے ہیں۔

علموں کو بیچ میدان میں لانے کے ساتھ ہی ذاکر اور مداح حلقوں میں تقسیم ہو کر ذکر و مدح پڑھتے ہیں اور دو گھنٹے کے بعد بادشاہ اُسی کمان اور دیوار پر سے چلتا ہوا علموں کے ساتھ واپس ہوتا ہے اور سب لوگ دعا و فاتحہ کے بعد واپس ہو جاتے ہیں۔

دسویں کی صبح کو بادشاہ پورا سیاہ پوش اور پا برہنہ ہو جاتا اور جب اس کے سیاہ پوش امیر، مقرب، وزیر، ملازم اور خاص غلام زاری و شیون کرتے اور مرثیے پڑھتے ہوئے علموں کے آگے الاوۂ حضور کی طرف آتے ہیں تو بادشاہ بھی ماتم کرتا ہوا ایوانِ الاوہ کے قریب کی مسجد میں پہنچتا ہے۔ وہاں "قصۂ شہادت اور گرفتاری حرم محترم" سنتا ہے جس سے دل خوناب اور آنکھیں سیلاب بن جاتی ہیں۔ ذاکر کے بعد خطیب نہایت فصاحت کے ساتھ بآواز بلند شہدا کے لئے فاتحہ اور شاہ کے لئے دعا پڑھتا ہے اور بادشاہ دولت خانہ کو مراجعت کرتا ہے جہاں زیارت حضرتِ سید الشہدا اور روزِ عزا کی نماز پڑھ کر خاص و عام کو کندوری تقسیم کرتا اور حکم دیتا ہے کہ دو سو یتیم سیدزادوں کو پیش کریں جن کو نفیس لباس اور رقم دی جاتی ہے[1]۔

اگرچہ یہ تمام تفصیل سلطان عبداللہ قطب شاہ کے اوقاتِ محرم کی ہے لیکن ان کا آغاز محمد قلی ہی نے کیا تھا اور یہی باتیں کم و بیش اس کی تمام زندگی میں جاری رہیں۔

[1] حدیقۃ السلاطین صفحات ۴۱ تا ۵۰۔

ہم کو یہ معلوم ہے کہ سلطان عبداللہ اپنے نانا کے قدم بقدم چلتا تھا اسی لئے اس نے وہ تمام باتیں دوبارہ رائج کر دیں جو اس کے باپ کے زمانہ میں موقوف ہو گئی تھیں یہی وجہ تھی کہ مورخوں اور شاعروں نے اس کو "محمد قلی کا سچا جانشین اور نمونہ" ثابت کیا ہے۔ چنانچہ غواصی نے اپنی مشہور کتاب طوطی نامہ میں سلطان عبداللہ سے مخاطب ہو کر لکھا ہے کہ تیرے حالات و واقعات دیکھ کر لوگ کہتے ہیں کہ پھر دنیا میں محمد قلی آ گیا ہے۔ اس کے شعر ہیں ؎

مہاراج سلطان عبداللہ ناؤں — ثریا کے تارک پہ اس کا ہے پاؤں
شرافت میں گرد اُس کے نعلین کا — ہے سرمہ چندر سور کے نین کا
دیکھت زور ور طالع اس راج کے — صفا وار روشن دلاں آج کے
کہیں یوں بحق علی ولی — کہ پھر جگ میں آیا محمد قلی
سچیں آج اے خسرو نیک نام — ہیں اُس کیچ آثار تجہ میں تمام

.... — ....

ڈوبے تھے ہنرمند سو پھیر کے — نکل آئے تج دور میں تیر کے
دیا جیو پھر راگ ہور رنگ کوں — کیا دور سینیاں پو کے زنگ کوں

(طوطی نامہ مطبوعہ صفحہ ۶ تا ۹)

عیدِ میلادِ نبیؐ ایامِ عزا کی طرح سلطان محمد نے محمد قلی کے انتقال کے بعد عیدِ میلادِ نبی کی دھوم دھام اور نمایشوں کو بھی ختم کر دیا تھا اور اس کے اخراجات میں جتنی رقم صرف ہوتی تھی وہ علماء و فضلاء و صلحاء و اتقیا میں تقسیم کر دی جاتی تھی اس کے متعلق حدیقۃ السلاطین میں لکھا ہے کہ :-

"در زمانِ سلطنت خاقان جنت مکان علیین بارگاہ سلطان محمد قطب شاہ .... میزبانی و سور مولود حضرت سید اولادِ آدم ..... موقوف و متروک بود و خلایق از این عیش و عشرت مہجور و محروم بودند و وجہ (این) اخراجات آں را بہ علماء و فضلاء و صلحاء و اتقیا قسمت می نمودند"[۱]

اور جب سلطان عبداللہ تخت نشیں ہوا تو اس نے فرمان دیا کہ :-

"تہیۂ جشن و سور و میزبانی و استعداد آئین بندی مولود برگزیدۂ حضرت ...... چناں کہ در سنوات سابق بود باز داید و لواحق ...... و تکلفاتِ دیگر اضعافاً مضاعفۃً بکنند"[۲]

اس کے بعد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی قطب شاہ عید میلادِ نبی کی بزم آرائی اور آئین بندی فضائے دلکشائے میدانِ دادمحل میں کیا کرتا تھا۔ یہ میدان محل کے جانبِ جنوب نہایت وسیع مربع مستطیل تھا۔ اس کے تینوں طرف جواہر و نفائس کی

---

۱ و ۲ - حدیقۃ السلاطین ص ۵ -

دوکانیں تھیں۔ اور اس کے مشرقی اور مغربی پہلوؤں میں دو رفیع چہار منزلہ عمارتیں ایک دوسرے کے مقابل بنائی گئی تھیں جن میں سے ایک چاوڑی تھانہ اور دوسری کوتوال خانہ کہلاتی تھی۔ ان دونوں کے آگے نہایت بلند منڈوے یا دالان بنائے گئے تھے اور ہر ایک میں خاص نشیمن یا نشست گاہیں بھی ترتیب دی گئی تھیں۔ ان دونوں عمارتوں کو نیچے سے اوپر تک اور میدان کے اطراف کی دوکانوں کو بھی بڑے تکلف سے سجایا جاتا تھا اور میدان کے بیچ میں داد محل کے عین سامنے چالیس ستونوں اور چار سو طنابوں کا ایک خیمہ کھڑا کیا جاتا تھا۔ اس کا وسطی حصہ مخمل و اطلس سے اور اطراف کا زردوزی نقش و نگار سے مزین ہوتا تھا۔

عید میلاد النبی کی آمد سے بہت قبل ہی صناع، ہنرمند اور استادان صنعت و حرفت ان دونوں عمارتوں کے سامنے اپنے عجیب و غریب کمالات کی پیش کشی میں مشغول ہو جاتے اور آخر کار جب روز مولود یعنی ربیع الاول کی سترھویں تاریخ[1] آجاتی تو کوسوں، دماموں، نقاروں، نفیریوں اور قرناؤں کی آوازوں سے میدان داد محل گونج اٹھتا۔ تمام شہر اور اطراف کے لوگ اس میدان میں جمع ہوتے اور صنعت و حرفت کے کرشموں کا تماشا دیکھتے۔ اور ان دو دلکشا قصروں کی تصویروں کی سیر کرتے۔ ان

[1] محمد قلی قطب شاہ نے ۱۷ ربیع الاول کو صحیح ترین تاریخ پیدائش آنحضرت صلعم قرار دیا تھا۔

دونوں قصروں کی دیواروں پر تصویریں اتاری گئی تھیں۔ درمیان میں خود قطب شاہ کے دربار کی تصویر تھی جس میں مقربانِ سریر، نزدیکانِ تخت، مجلسیانِ عظام، بزرگانِ رفیع اور امراء و وزرا کو اپنی اپنی جگہ بتایا گیا تھا۔ اس کی دائیں طرف خسرو ایران کے دربار اور بائیں طرف شہنشاہ مغلیہ کے دربار کی تصویریں بھی اسی اہتمام سے بنائی گئی تھیں۔ ان عظیم الشان تصویروں کے علاوہ مذہبی اور تاریخی واقعات کو بھی بذریعہ رنگ کاری پیش کیا گیا تھا[1]۔ ان تصویروں کی خصوصیتیں اور مناظر کی تفصیل حدیقۃ السلاطین میں درج ہے اور اگرچہ یہ تاریخ سلطان عبداللہ کے عہد میں لکھی گئی لیکن جشن میلاد نبیؐ کے احیا کا تذکرہ ۱۰۳۶ھ کے واقعات کے ساتھ درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصویریں سلطان محمد قلی ہی کی بنوائی ہوئی تھیں کیونکہ اس وقت سلطان عبداللہ کی عمر صرف ۱۵ سال کی تھی اور اس کو تخت نشیں ہوئے صرف ۲ دو سال ہوئے تھے۔ اور یہ عرصہ ایسی عظیم الشان تصویروں کی تیاری کے لئے ناکافی تھا۔ اس کے علاوہ سلطان محمد جیسے زاہد سے تو اس کی

[1] حیدرآباد کی یہی تصویریں تھیں جن کی تقلید میں بعد کو سلطان حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے اپنے قصر دریا دولت باغ کی دیواروں کو تصویروں سے آراستہ کیا تھا۔ اور اب مہاراجہ میسور اپنے محل کو مصور بنا کر ٹیپو سلطان کی تقلید کر رہے ہیں۔

توقع ہی نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ محلوں کی دیواروں پر تصویریں اتروائے گا۔ اسلئے یہ تصویریں سلطان محمد قلی ہی کی بنوائی ہوئی ہوں گی۔ البتہ سلطان عبداللہ نے اس میں ضرور اضافہ کیا ہوگا جس طرح بادشاہی عاشور خانہ کے نقش و نگار میں اضافہ کیا تھا جس کے ثبوت اب تک موجود ہیں۔

اس قصر مصور کی چھت پر بھی طرح طرح کے نقوش بنائے گئے تھے جن میں فرشتوں کی صورتیں اور طبقہ ہائے نور کی دلفریبیاں قابل ذکر ہیں۔ اس قصر کے ستونوں کو طلائی اور لاجوردی نقاشی سے مرصع کیا گیا تھا اور خود عمارت میں جگہ جگہ تمام روئے زمین کے بادشاہوں کی محفلوں اور مجلسوں کو ان ہی کے خاص لباسوں اور مخصوص رسم و رواج کے مطابق سجایا گیا تھا۔ اور قطب شاہی بادشاہ کی سواری کے نقشے بھی بنائے گئے تھے جن میں بادشاہ کہیں ہاتھی پر اور کہیں عربی گھوڑے پر اپنے خیل و حشم و لشکر و خدام کے ساتھ جاتا دکھائی دیتا تھا۔

ایک جگہ شکار گاہ کا منظر تھا۔ شیروں، ببروں، چرندوں، پرندوں، اور سوار اور پیادہ شکاریوں اور دوڑتے ہوئے اور گرتے ہوئے شکار کی تصویریں بھی کھینچی گئی تھیں۔ غرض یہ عجیب و غریب تصویریں نقوشِ اجنٹہ سے کم قابل قدر نہ تھیں اور بہترین صناعی کا نمونہ تھیں۔ ہم یہاں باقی ماندہ تصویروں کی فہرست بھی

اصل قطب شاہی تاریخ سے نقل کر دیتے ہیں :—

۱۔ مجلس سلیمان ومجمع دیوان وآدمیان و وحوش وطیور۔

۲۔ معراج حضرت نبی جلیل، وصعود براق وجبرئیل، وافواج ملایک۔

۳۔ مجلس زلیخا، زنانِ مصر وطشت وآفتابہ در دستِ یوسف، و بریدن زنان ترنج باکف دست۔

۴۔ شیریں با زنان درمیان آب، ورسیدن خسرو پرویز، و اورا درمیان آب دیدن۔

۵۔ مجنون در صحرا و ہامون، والفت او با آہوان مطبوع موزون، وآمدن لیلیٰ بدیدن او۔

۶۔ جنگ رستم با دیو سفید، در غار، و با اشکبوس در معرکۂ کارزار۔

اس کے بعد مورخ لکھتا ہے کہ :—

"وامثال ذلک بے حد و نہایت در ایں دو عمارات تصویر نمودہ اند، و ہیاکلی عظیمہ و صور جسیمہ فیل و شیر و آدم و اسپ و چندیں صور مختلفہ الہیات در ہر ضلع از اضلاع آں ابداع و اختراع نمودہ اند۔" (۵۲)

عید مولود نبیؐ میں عوام ان تمام تصویروں کو دیکھنے جمع ہوتے تھے۔ ان مصور و منقوش

قصروں کے سامنے میدان میں اس تقریب سعید کے لئے جو خیمہ کھڑا کیا جاتا تھا اسکے وسط میں ایک شامیانہ باندھا جاتا جس میں تختِ شاہی رکھا جاتا تھا جو تمام و کمال سونے کا تھا اور قیمتی جواہر سے مرصع۔ اس کے اطراف شاہی تجمل و لوازم کے مناسب زیب و زینت کی جاتی اور اس طرح مذکورۂ بالا دونوں مصور و منقوش عمارتوں کے ایوانوں میں بھی صفۂ بادشاہی آراستہ کئے جاتے اور گانے اور ناچنے والیاں اطرافِ سلطنت سے جمع ہوکر اپنا اپنا کمالِ فن دکھاتیں۔ ان دونوں ایوانوں اور خیمہ کے صفہ ہائے شاہی کے سامنے کوئی ایک ہزار رقاصائیں اور حسینانِ نغمہ طراز اپنے اپنے گانوں اور ناچ سے مجلس عشرت و انبساط کو گرم کرتی رہتیں۔ ان صاحبانِ حسن و جمال کے علاوہ تمام ملک کے دوسرے صاحبانِ کمال مثلاً بازیگر، رسیا باز، لعبت باز، حقہ باز، مقلد، اہلِ ہزل مسخرے اور شب باز وغیرہ اس موقع پر حیدرآباد میں جمع ہوجاتے تھے اور میدانِ وسیع الفضا و دلکشائے داد محل میں اپنے اپنے کرتب دکھاتے رہتے۔ جن کے حیرت انگیز کرشموں کو دیکھنے کے لئے شہر کی تمام مخلوق رات اور دن اس میدان میں جمع رہتی۔ حیدرآباد میں رنگ اور ناچ کے جو جلسے عہد سلطان العلوم آصف جاہ سابع کے آغاز تک محرم میں ہوا کرتے تھے وہ دراصل عہد قطب شاہی کے ان ہی عید میلاد نبی کے

جلسوں اور رنگ رلیوں کی یادگار تھے۔

میدانِ دلکشائے دادمحل کے علاوہ عید میلاد النبی کی خوشی میں میدان عالم پناہ دروازۂ شیر علی (یعنی میدانِ چار کمان) میں بھی آسمان کی طرح بلند اطلسی خیمہ کھڑا کیا جاتا تھا۔ اور چبوترہ پر مسند ترتیب دے کر بڑے بڑے عہدہ دار بیٹھے رہتے اور یہاں بھی رقص و سرود کی محفلیں سجائی جاتیں۔

اسی طرح محل خاص، ہشت محل، چہار صفہ، لعل محل، گگن محل، چندن محل، صد صفہ، اور صحن محل وغیرہ میں بھی ڈیرے اور شامیانے لگائے جاتے۔ پر تکلف مسندیں بچھائی جاتیں۔ اور ہر جگہ بڑے بڑے سلحدار اور حوالدار مجلس آرائیاں کرتے۔ ان تمام خیموں، محلوں اور صفوں میں زعفران، صندل اور مشک وغیرہ کو طلائی و نقروی بادیوں میں بھر کر ہر روز ایک ایک طبق پان خاصہ کے ساتھ تقسیم کرتے۔ جو ہر محل میں سو ہزار سے زیادہ صرف ہوتے۔ ساتھ ہی ہر روز قسم قسم کے کھانوں کے دستر خوان بچھائے جاتے اور تمام خاص و عام کو شاہی کندوری سے فیض یاب ہونے کا موقع ملتا۔

یہ تو بیرونی محلات اور خیموں کی مجلس آرائیاں تھیں۔ خاص شاہی محل میں مخصوص اور منتخب و مہ جمال رقاصائیں اور" استادان خوانندہ و سازندۂ ملک ایران و ہندوستان" ہی بار پاسکتے تھے۔

اس ماہ جشن و میزبانی کے آخر میں بادشاہ کی سواری نکلتی تھی تاکہ دونوں میدانوں اور عمارتوں کی آئین بندی اور آرائش و زیبائش کی سیر کی جائے۔ اس موقع کے لئے مخصوص فیلبان پانچ گز کے خاص شاہی ہاتھی کو زعفران اور صندل سے دھو کر طلائی زنجیروں، موتیوں کی جھول، مرصع کلغی، اور دوسرے زیوروں سے آراستہ کرکے لے آتے تھے عصر کے وقت بادشاہ اس ہاتھی پر سوار ہو کر میدان کی طرف نکلتا اور جملہ ارکان دولت مقربانِ تخت، سردارانِ عالی شان، وزیرانِ رفیع مکان، حوالہ دار، سلحدار، لشکری اور ہر طبقہ کے بے شمار ملازمین اس شاہی ہاتھی کے اطراف پیادہ چلتے۔ اندرونی و بیرونی محلوں کی طوائفیں اور سب گانے بجانے والے ایک خاص سرخ لباس پہنکر جو اس تقریب میں بادشاہ کی طرف سے ان تمام کو عطا کیا جاتا تھا شاہی ہاتھی کے آگے آگے رقص کرتے اور گاتے ہوئے نکلتے تھے۔

اس سواری کی دھوم دھام اور بادشاہ کو دیکھنے کے لئے تمام شہر و اطراف کی مخلوق جمع ہو جاتی اور بازاروں، دوکانوں، مکانوں، اور چھتوں پر سوائے انسانی سروں کے اور کچھ نظر نہ آتا۔ خاص کر میدان میں ایک عظیم الشان مجمع رہتا۔ جب ان لوگوں کی نگاہیں بادشاہ پر پڑتیں تو وہ بے ساختہ دعائیں دینے لگتے اور تعریف کرتے۔ اسطرح میدان چار کمان سے نکلکر یہ سواری چار منار سے ہوتی ہوئی داد محل کے میدان دلکشا میں

پہنچتی تھی جہاں چاوڑی تھانہ و کوتوال خانہ کے پاس تھوڑی دیر کے لئے شاہی تھی ٹھیرایا جاتا۔ اس وقت عہدہ دار زر و جواہر کے طبق بادشاہ پر سے نثار کرتے اور نذر گزرانتے تھے۔ میدان کے اطراف و اکناف کے سوداگر اور تجار بھی (جو اس موقعہ پر اپنی اپنی حیثیت کے شایان شان اپنی دوکانوں کو آراستہ و پیراستہ کرتے تھے) بادشاہ کی بارگاہ میں اچھے اچھے تمغے پیش کرکے تشریف و انعام سے سرفراز ہوتے تھے۔

اس تقریب کی آخری رات میں میدان داد محل ایک تناول خانۂ عام کی صورت میں منتقل کردیا جاتا تھا اور گروہ در گروہ لوگ ان دسترخوانوں پر کھانا کھاتے تھے۔ اسوقت میدان میں چاروں طرف چراغاں کئے جاتے اور دولت خانۂ شاہی کے اندر اور باہر بے حد آتشبازی جلائی جاتی۔ غرض صبح تک کھانے، گانے، بجانے اور تماشہ کرنے کا سلسلہ جاری رہتا۔ میلاد نبیؐ کی خوشی کا یہ جشن بارہ روز تک دن اور رات جاری رہتا تھا اور اس میں تینتیس ہزار ہون خرچ ہوتے تھے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو حدیقۃ السلاطین قطب شاہی صفحات ۴۹ تا ۵۶)۔

یہ تو تاریخوں کا بیان تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ خود سلطان محمد قلی ان کے بارے میں کیا معلومات چھوڑ گیا ہے۔ اس کے کلام میں چھ نظمیں ایسی ملی ہیں جو اس عید کے موقعہ پر لکھی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک عالیشان قصیدہ بھی اسی تقریب سے

متعلق موجود ہے۔ اس طرح گویا سات سال کی عید میلاد کے متعلق اس کے خیالات معلوم ہوسکتے ہیں۔ اس عید کی تقریب میں اُس نے ہر سال ایک نہ ایک نظم ضرور لکھی اس طرح جملہ تینتیس[۳۳] نظمیں لکھی ہوں گی۔ افسوس ہے کہ بقیہ نظمیں دستیاب نہ ہوسکیں۔ جو نظمیں ملی ہیں ان کے خلاصے یہاں درج کئے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ خود اس عید کو کیا سمجھتا تھا اور اس میں کس طرح مصروف رہتا تھا۔ عید میلاد النبی کی ایک نظم میں وہ لکھتا ہے :-

"آنحضرتؐ کی ولادت کی خوشی میں عرش و کرسی کو سنوارا جاتا ہے اور فرشتے ساتوں جنتوں کو ستاروں سے سجاتے ہیں۔ عرش پر عشرت کے طبل بجنے لگتے ہیں اور تمام دنیا والے اپنی اپنی مرادیں پانے کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ دنیا خوشی کے مارے اپنے پیرہن میں نہیں سماتی۔ اور تینوں جگ اپنا تن من آنحضرتؐ پر سے نثار کرتے ہیں۔ چونکہ محمد قلی قطب شاہ نہایت اہتمام سے مولود کراتا ہے اس لئے لوگ صف در صف جمع ہو کر اس کی عمر و دولت کی ترقی کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اور فرشتے اور جن بھی صدق دل سے دعا کرنے کے علاوہ اعتراف کرتے ہیں کہ ایسا بادشاہ دین اور دنیا میں بھی نہیں ہے۔ اسی خلوص کی وجہ سے بادشاہ نے اپنا نام دونوں دنیاؤں میں

بلند کر لیا ہے۔ اور حوریں نور کے طبق لے کر بادشاہ پر نثار کرتی ہیں۔ چونکہ نبیؐ کے صدقے میں محمد قلی قطب شاہ نے آج دعوت کی ہے اس لئے علیؑ کے صدقے میں اس کے ستارے دونوں عالموں میں بلند ہیں۔"

ثابت ہوا کہ وہ وسیع پیمانہ پر دعوتِ عام کرتا تھا اور لوگ صف در صف جمع ہو کر اس کے لئے دعائیں مانگتے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب ہر روز دستر خوان پر ہزار آدمی سے کم نہ ہوتے تو اس دعوتِ عام میں کتنے لوگ جمع ہوتے ہوں گے اس لئے اس کو فرشتوں اور جنوں کے شریک ہونے کا بھی خیال پیدا ہوا ہوگا۔ بادشاہ ایک دوسری نظم میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کرتا ہے:۔

"ہر گھڑی خوشی اور رونق ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا پر چاروں طرف سے خوشی و خرمی کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ روشنی سے تمام ملک جگمگانے لگتا ہے اور ہر طرف شادی و خوشی کا غل سنائی دیتا ہے چونکہ آج گنہگاروں کے بخشانے والے کی پیدائش کا دن ہے اس لئے فقیر و بادشاہ سب مل کر اپنی بخشائش کی دعا کرتے ہیں۔

لوگ دوسری عیدوں میں بھی خوشیاں مناتے ہیں لیکن اس عید کی خوشی کے برابر کوئی خوشی نہیں۔"

خود بادشاہ اس عید کی دعوت کے اہتمام کا یوں ذکر کرتا ہے کہ :۔

"جب ہمایوں محمد قطب شاہ ترکمان عید مولود نبی مناتا ہے تو تمام زمین جنت کی طرح سجائی جاتی ہے۔ بازار قصر اور محل سب دلہن بن جاتے ہیں اور خوبصورت عورتیں بن سنور کر حوروں کی طرح ہر طرف سے جمع ہونے لگتی ہیں۔ شاہ کی نازنینیں شراب محبت کی متوالی ہو کر لاکھوں عشوہ و انداز کے ساتھ شامیانے کے نیچے ہوا کی طرح سبک رفتار چلی آتی ہیں۔ ان کے جوبن سونے کے ایسے گڑھے دکھائی دیتے ہیں جن کو دیکھ کر لوگ حیران ہو جائیں۔ ان ہنس مکھ سہیلیوں کی چال ڈھال اور بات چیت پر ہنسیں اور کوئلیں اپنے دلوں کو بطور تحفہ پیش کر دیں تو کوئی تعجب نہیں۔

جب بادشاہ اس تقریب میلاد میں آسمان کی طرح سرائی چتر کے نیچے بیٹھتا ہے تو اس کے آگے بڑے بڑے مدبرین وقت اور ہرے اور لال چتر والے ملوک زمیں بوس ہوتے ہیں۔ جب بادشاہ ان ملوکوں کے ساتھ مجلس آرائی کرتے ہیں تو راستہ کے دونوں طرف ہندو راجا ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ جب حوض خانے میں لعل بدخشاں کے رنگ کی شراب بھری جاتی ہے تو اس کی روشنی سے جام اور شیشے بھی رخشاں نظر آتے ہیں۔ عجب نہیں جو

شراب کا نام سُن کر آسمان کا جی بھی للچائے اور مستوں کو مے پیتا دیکھ کر وہ بھی پیالے پینے لگے۔

شاہ کی اس بزم کا تماشا دیکھنے کے لئے آسمان سے لاکھوں فرشتے خوشی خوشی چلے آئیں اور شہ کے عیش و عشرت کو دیکھ کر کہیں کہ اے قطب شاہ تمہارے دن اور رات اسی طرح چین سے گذریں اور نبی کی مہربانی سے قیامت تک تم نبی کے لاکھوں مولود گواؤ۔"

معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ عام کے علاوہ دربار عام بھی کیا جاتا تھا جس میں دوسرے ملکوں کے نمایندے اور کبھی کبھی بیجاپور اور احمد نگر کے سلاطین اور اطراف کے ہندو راجا بھی شریک ہوتے تھے۔ جس طرح گولکنڈہ کا شاہی رنگ آسمانی تھا بیجاپور کا سبز اور احمد نگر کا سرخ تھا۔ اس نظم میں محمد قلی نے تینوں سلطنتوں کے شاہی رنگوں کا ذکر کر دیا ہے۔ ایک اور نظم کے آغاز میں وہ اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیتا ہے کہ وہ ہر سال عید مناتا اور اس سے متعلق نظمیں لکھتا ہے۔ اس کا بیان ہے:-

"اب کے پھر حضرت نبی کی عید ولادت اپنے ساتھ عیش اور انبساط لے آئی ہے۔ اس یوم مسعود کی وجہ سے تمام عالم میں پھر عیش و عشرت کا دور دورہ ہو گیا۔ گھر گھر میں تیاری اور اس کاج کے لئے زیبائش و آرائش

ہو رہی ہے، آج کے دن کے لئے بہت ہی سجاوٹ کی ضرورت ہے کیونکہ دنیا پر چاروں طرف عیش و آرام بادل بن کر چھا گیا ہے۔ اس تقریب میں خود خوشی و مسرت خوش ہیں، عیش متوالا ہو گیا ہے اور عشرت بھی آنند کے الاپ سن کر ناچنے لگی ہے۔

ہم جس طرح کا آرام و راحت چاہتے تھے پروردگار نے ہم کو اس سے لاکھ درجہ بڑھ کر مسرت و عیش عنایت کیا۔

چمن کے تمام درخت آج کی خوشی میں ہمارے شریک ہو کر مستی سے جھول رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عید کی خوشی نے ان کو لالوں کے پیالے بھر بھر کر ہوا کی شراب پلا دی ہے۔

میرے من کی مرادیں اور مقصود کے غنچے عید مولود نبیؐ کی وجہ سے کھل کر پھول بن گئے ہیں۔ کیونکہ اس عید کی مسرت نے امیدوں کی برسات کی جھڑی لگا دی ہے۔

ہماری قسمتوں کے بنانے والے نے جس روز ہر ایک کا حصہ تقسیم کیا اسی دن سے اے قطب شاہ تمہاری قسمت میں یہ عیش و آنند بھی آ گیا۔

دوسری عیدیں

محرم اور عید میلاد النبی کے متعلق تاریخوں سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ویسی کوئی معلومات دوسری عیدوں کے بارے میں نہیں ملتیں۔ ان کے متعلق ہماری واقفیت کا واحد ذریعہ محمد قلی قطب شاہ کا کلام ہی ہے جس میں اتفاق سے بعض بے حد دلچسپ اور ضروری معلومات محفوظ ہو گئی ہیں۔ یوں تو محمد قلی نے کئی عیدوں پر نظمیں لکھی ہیں لیکن ان تقریبوں میں اس نے حسب ذیل چار پر خاص کر زور دیا ہے۔

۱۔ عید بعثت نبیؐ ۲۔ عید میلاد علیؑ ۳۔ عید غدیر ۴۔ شب برات

اب ہم خود بادشاہ ہی کے بیان سے ان عیدوں کے متعلق معلومات قلمبند کرتے ہیں۔

عید بعثت نبیؐ

اس موضوع پر پانچ نظمیں کلیات میں موجود ہیں۔ ان سب کا خلاصہ خود محمد قلی ہی کی زبان میں درج ہے:-

اے موالیو خوشیاں کرو کہ عید بعثت رسول آئی ہے اور اپنے ساتھ طرح طرح کے عیش و آرام لے آئی ہے۔

پہلی عید شب برات، دوسری عید رمضان، تیسری عید قرباں اور قطب شاہ موالی جس کا رتبہ شاہوں میں عالی ہے خاص اہتمام سے مبعث رسول کی عید بھی مناتا ہے۔ اور خوان خلیل کا احسان اپنے عہد میں دکھا کر دنیا و دین کو رجھا لیتا ہے۔

اس عید کے زمانہ میں ایسی خوشی منائی جاتی ہے کہ غم کا نشان کہیں ڈھونڈھنے پر بھی نہیں ملتا کیونکہ آج ہی کے دن سے دین اور ایمان آشکارا ہوئے اور اسی دن کے فیض نے تمام امت کے دل و جان کو روشن کر دیا۔

عید بعثت کی خوشی حوریں بھی مناتی ہیں جس کی وجہ سے جنت کی خوشبو تمام عالم کو مہکا دیتی ہے۔

عالم میں خدا کا نور پھیل جاتا ہے اور اس کی رحمت کی چھاؤں چھا جاتی ہے کیونکہ اسی وقت جبرئیل خدا کے یہاں سے اس کے حبیب کے پاس وحی لائے تھے اور بڑی خوشی سے کہا تھا کہ اے بھائی خوشی سے ہونٹ کھولو اور دو[2] حرف بولو کیونکہ یہ بعثت کا دن ہے اور خدا نے تم کو سب نبیوں میں سروری بخشی۔ تم تمام انبیا کے خاتم ہو اس لئے اقراء پڑھو۔ عرش نے تمہارے پانچ گوہروں (پنجتن) کی وجہ سے روشنی پائی۔ اور اب فرشتوں کو تمہارے

سوا کسی اور نبی پر درود پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

جب حضرتؐ تختِ پیغمبری پر جلوہ گر ہوئے تو نو آسمان شمس والضحیٰ کے قدم چومنے لگے۔ فرشتوں نے خوشی کا چتر سر پر تان لیا اور دنیا خوشی و خرمی سے باغِ فردوس کے ہم سر ہو گئی۔ اسی لئے شاہ اور گدا انسان اور فرشتہ سب کا دل آج خورسند رہتا ہے۔ اس تقریب میں عالم منور ہو گیا اور کائنات آئینہ کی طرح روشن ہو گئی اور تمام ستارے چاند اور سورج کی طرح چمکنے لگے۔

بعثت مصطفیٰ کے دن خوشیوں کی عید ہوتی ہے اور آنحضرتؐ کے صدقے میں تمام شیعہ گھر گھر عیش و عشرت مناتے ہیں کیوں کہ اسی روز جبرئیل نے جناب پیغمبر سے یہ بھی کہا کہ " روز ازل سے مرتضیٰ علیؑ کو تمہارا نائب بنا دیا گیا ہے تاکہ اُن کی ذوالفقار سے کافروں کو مار کر ان سے خراج لیا جائے۔ جبرئیل تمہاری پوری صفت نہیں بیان کر سکتا اور اس طرح اس سے خدمت میں چوک ہو گئی اور اسی لئے وہ سب خدمتگاروں سے زیادہ شرمندہ ہے۔

جو شخص بعثت نبیؐ کی عید یکسوئی اور صدق دل سے مناتا ہے اس کے دل پر طٰہٰ کا بیان روشن ہو جاتا ہے۔ جب قطب شاہ بعثت رسول کی یہ خوشی مناتا ہے تو اس تقریب میں سکھیاں خوشی و خرمی کے لاکھوں قمر دکھائی دیتی ہیں۔

عید میلاد علیؑ اس موضوع پر نو نظمیں کلیات اُردو میں موجود ہیں۔ چونکہ شاعر کو حضرت علیؑ سے خاص عقیدت تھی اس لئے ان نظموں میں بڑے خلوص اور جوش کا اظہار کیا گیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ :۔

مصطفےٰ اور مرتضےٰ دونوں کی پیدائش کا دن ایک ہی سا ہے۔ اسلئے یہ عید منانا طالع مسعود ہونے کی دلیل سمجھا جاتا ہے کیوں کہ جس دن یہ ابر رحمت عالم پر فیض بار ہوا وہ روز شیعوں کے لئے روزِ بہبود تھا۔ چونکہ حضرتؑ کعبہ میں پیدا ہوئے اس لئے کعبہ کو دنیا میں شرف حاصل ہوا۔ اور اس لئے مومنوں کو اس روز دل و سر سے اس طرف سجدہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ طاہروں کی عید کا دن ہے۔ کعبہ میں پیدائش کا شرف کسی نبی کو بھی حاصل نہیں ہوا۔ آپ کی پیدائش کے بعد جب آں حضرتؐ آپ کو دیکھنے آئے تو آپ کی والدہ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ بچہ نادانی سے آپ پر ہاتھ مار رہا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ نہیں مجھ پر نہیں۔ اگر یہ ہاتھ ماریں گے تو کافر بادشاہوں پر ماریں گے۔ ان کی پیدائش سے میرا دین قوت پا گیا اور اب مجھے کفار کے کاموں سے کوئی ڈر باقی نہیں رہا۔ اس ولادت کی وجہ سے خدا کا عرش زیادہ جھلکنے لگا۔ اور آسمان و زمین میں چاند سورج سے زیادہ روشنی پھیل گئی

دنیا جنت سے زیادہ آراستہ ہوگئی۔ اور ساتوں آسمانوں سے نور کی بارش ہونے لگی۔ حضرت علیؑ کی پیدائش کیا ہوئی کہ باری تعالیٰ کا نور عرش سے کعبہ میں اتر آیا اور اس دن ساتوں آسمانوں کے فرشتے اس کا طواف کرنے کے لئے جمع ہوگئے۔

اس روز سے مومنوں کے دلوں نے اسی طرح تجلی پائی جس طرح صبح صادق آفتاب سے روشنی پاتی ہے اس خوشی کے دن ہر طرف خوشی کی آوازیں بلند ہوں۔ اس روز خوشیاں میری مہمان رہیں۔ بہار کی خوشبو پھیلے۔ لوگ خوشی سے رنگ ڈالیں۔ اور مولود علی زور زور سے لحن داؤدی کے ساتھ گائیں تاکہ اس گانے کی آواز تارا منڈل کی گرج کی طرح ساتوں آسمانوں میں گونج اٹھے۔

عیدِ غدیر اس موضوع پر آٹھ نظمیں موجود ہیں جن میں شاعر لکھتا ہے کہ:۔

اس کو خلافتِ علی کا دن سمجھا جاتا ہے کیونکہ رسول نے خود ہی جناب امیرؑ کو اپنی خلافت دے کر ان کی شرافت کا تذکرہ کیا۔ اس روز فرشتوں نے مل کر اونٹ کے زینوں کے ساتھ آسمان کے منبر کو بھی سنوارا کیونکہ پیغمبر کو منبر پر چڑھ کر داد فصاحت دینی تھی۔ چنانچہ دو جگ کے شاہ نے مرتضیٰ کو

من کنت مولا کہا اور نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ آپ کے رتبہ کو ظاہر کیا۔ اس خوشی میں فرشتے منگل گاتے اور عرش منڈل بناتے ہیں کیونکہ شاہ نے اپنا فیض عنایت کر کے حضرت علیؑ کو سب میں افضل کیا۔

حق نے نبیؐ سے کہا کہ علی کی یاد ناد علی کے ذریعہ سے کر کیونکہ علی میری قدرت کا بے بہا مظہر ہے۔ قطب زماں نبیؐ کے صدقے سے علی کی منقبت لکھا کرتا ہے کیونکہ دنیا و دین میں یہی اُس کی سعادت کی نشانی ہے۔

عید غدیر شیعوں کے لئے عید کبیر ہے اور خوارج کے لئے باعث غم اس کو مل کر خوشیاں منانی چاہئیں۔ اس خوشی کے آگے دوسری تمام خوشیاں چھوٹی نظر آتی ہیں۔ تمام مومن شہانی کسوت زیب تن کرتے ہیں اس عید میں ایک عالم کی میزبانی کی جاتی۔ مطرب گاتے اور محفل میں عبیر لائی جاتی۔ سب مومن اس عید میں بھائی بن کے سینے پڑتے۔ اور تمام عیدوں کی خوشی اس ایک عید میں بھرپور نظر آتی۔ اس عید کے طبل ساتوں جنتوں میں بجتے۔ اور چاند سورج اسی لئے جگ کو روشنی

پہنچاتے ہیں۔ اس عید کے دنوں کے سوا کوئی دن دعا کے قابل نہیں۔ اسلئے
دعا کرتا ہے کہ الٰہی مجھ کو امن میں رکھ اور میرا ایمان درست رکھ اور دونوں
عالم میں میری مدد کر۔

ایک نظم میں لکھتا ہے :۔

نبیؐ نے خلافت دے کر کہا کہ میرے بعد حیدر ہیں جو تمام مومنوں اور
مسلمانوں کے لئے دونو عالم میں رہبر ہیں۔

آج علی کے لئے خدا نے اپنی عنایت سے خلافت بھیجی جس کا اعلان
عرش و کرسی اور نو آسمانوں کے منبر سے کیا گیا۔

علی کفر کے توڑنے والے تھے اس لئے دین کی بنیاد ٹک گئی۔ اگر محمدؐ
دین کے گھر ہیں تو علی اس گھر کے نگہبان ہیں۔

سب اولیا ایک دل سے آپ کے معتقد ہو کر کہتے ہیں کہ ہم سبھوں
کے سر پر ولایت علی کا چھتر سایہ بان ہے۔

اس طرح جملہ آٹھ نظموں میں حضرت علی کی منقبت اور ان کی فضیلت کو قلمبند کیا ہے۔

شب برات یہ ان موضوعوں میں سے ہے جن پر محمد قلی قطب شاہ نے دل کھول کر اپنی طبیعت کی جولانی دکھائی ہے۔ چنانچہ کلیات میں

اس کے متعلق دس نہایت دلچسپ اور اہم نظمیں موجود ہیں۔ محمد قلی کو پانی اور سبزہ کیطرح روشنی سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ وہ ہر اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا جس میں اُسے جشن چراغاں سے لطف اندوزی نصیب ہو سکتی تھی اور شب برات میں تو وہ جی کھول کر چراغوں، آتشبازیوں اور شاہانہ رنگ رلیوں میں منہمک ہو جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ :—

جہاں شب برات آئی کہ خوشی و خرمی کی روشنی تمام دنیا میں پھیل گئی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شب برات اپنے ساتھ خوشیوں اور عشرتوں ایسی برأتیں لے کر آتی ہے کہ ان کی روشنی سے تمام عالم جگمگانے لگتا ہے۔ چونکہ محمد قلی پر ائمہ معصومین کی نظر عنایت ہے اس لئے وہ نبی اور علی کے کرم کی وجہ سے پھلتا پھولتا رہتا ہے۔ اور خود عیش و عشرت اس کی بارگاہ میں خوشی کے مارے ٹمٹمیاں بجانے لگتے ہیں۔ اسی وجہ سے خدا قطب شاہ کو شاہنشاہی کا رتبہ دے کر اس کی بادشاہت کو ... کائنات میں پھیلاتا ہے۔ اور اس کے دشمنوں کو دنیا سے نیست و نابود کر کے مفقود کر دیتا ہے۔

دوسری نظم میں لکھتا ہے کہ :—

شب برات کی وجہ سے تمام راتوں کو شرف حاصل ہوا اور سب راتوں میں شب برات ہی کو شرف حاصل ہے۔ کثرتِ چراغاں کی وجہ سے رات ایسی منور ہوگئی کہ معلوم ہوتا ہے بغیر سورج طلوع ہوئے دن نکل آیا ہے۔ زمین کے ان چراغوں کا عکس جب آسمان پر پڑا تو وہ بھی آئینہ کی طرح جھلکنے لگا۔ آتشبازی اور چراغوں کی وجہ سے دنیا ایسی روشن ہو جاتی ہے کہ اس اُجالے کو دیکھ کر آفتاب شرما گیا اور اسی شرم کے مارے رات کو کبھی اپنا مُنہ نہیں دکھاتا۔

شب برات میں جو مہتاب چھوڑے جاتے ہیں تو ان کی تابانی ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ظلمات میں آبِ خضر۔ گلشن میں جب پھولبازیاں چھوڑی جاتی ہیں تو زمین پر سورج، چاند اور تارے اُتر آتے ہیں اور ان کی روشنی کی جھلک آسمان تک پہنچ جاتی ہے۔ خدائے تعالےٰ نے قطب شاہ کو ایسی تجلی بخشی کہ اُس نے رات کو دن سے زیادہ روشن کر کے چمکا دیا۔

تیسری نظم میں کہتا ہے :—

شب برات کی مبارک رات اپنے ساتھ اپنے روزی خوار (لوازمات) یعنی خوشی، عیش، انند اور عشرت کو براتی بنا کر لے آئی ہے۔

محمدؐ نے جنگ احد میں علیؑ کو ساتھ لے کر کامیابی حاصل کی کیونکہ ان کی تلوار
کے چمکنے سے تاریکی کی فوجیں بھاگ گئیں۔

اس رات میں معشوقوں کے دہن پستے، آنکھیں شکر کی طرح شیریں،
اور ہونٹ گھڑوں کی مصری کی طرح نازک نظر آتے ہیں۔ اور ان کے
چہرہ پر پسینہ کی بوندیں خشخش کی طرح باریک نظر آتی ہیں۔

سہیلیوں کی کاجل لگی ہوئی آنکھیں سیاہ باداموں کی طرح، تھوڑی
سیب کی طرح اور دانت چار ولیوں کی طرح نظر آتے ہیں۔

اسی طرح پوری نظم میں سہیلیوں کے حسن اور لباس کی تعریف کی ہے۔ ان کا آتشبازی چھوڑنا اور اس کی جھلک سے ان کے جسم پر زیوروں کا جگمگا اٹھنا نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

چوتھی نظم کا تذکرہ بھاگ متی کے ذکر میں کیا جا چکا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شب برات کی تقریب میں دربار اور ڈیوڑھی کی خاص خاص طوائفیں بڑے اہتمام کے ساتھ سج دھج کر کے اور شاہی طمطراق کے ساتھ اپنے اپنے مکانوں سے آتی تھیں۔ بھاگ متی کی نسبت تاریخوں میں یہ لکھا ہے کہ وہ جب دربار کو آتی تو اس کے ایک ہزار سوار اس کی جلو میں رہتے۔ جب اس کی معمولی آمد اس شان سے ہوتی تھی تو شب برات

کی تقریب میں وہ جو کچھ اہتمام کرتی کم تھا۔ اسی لئے بادشاہ نے اس موضوع پر ایک خاص نظم لکھدی ہے جس میں اس امر پر زور دیا ہے کہ:۔

"وہ اپنے ساتھ آسمان کے مہر و ماہ سے زیادہ روشنی رکھنے والے لاکھوں چاند سورج اپنے ساتھ لاتی ہے۔ کیا تعجب کہ زمین آسمان پر لاف زنی کرنے لگے کیونکہ وہ زمین کو صاف و شفاف آسمان کی طرح جھلکا دیتی ہے"

پانچویں نظم میں محمد قلی لکھتا ہے کہ:۔

شب برات پھر سے مبارک سلامت کی خبر لے آئی ہے۔ کیونکہ اس رات میرے بخت کا طالع سورج کی طرح جھلکنے لگتا ہے۔

میری سکی کے چہرہ کی روشنی کے سامنے اس عید کا اُجالا شرمانے لگتا ہے۔ اس عید میں سُکھ اور انند کا فوراز سر تو مجھ پر چھتر کی طرح چھاجاتا ہے۔

دنیا دلہن بن کر انند کرنے والی دوشیزاؤں کے ہاتھ سے مئے عشرت پلواتی ہے اور زہرہ الحان کے ساتھ بادشاہ کے لئے نغمہ گانے لگتی ہے۔

شب برات کے عیش کی آمد نے اپنے حسن کی ایسی جھلکار دکھائی کہ دنیا کے دل میں پھر سے زندگی کا نور پیدا ہونے لگا۔

شاہ کی سب پیاریاں عید کا سنگار کرتی ہیں تاکہ بادشاہ کو ایک کا سنگار دوسرے سے زیادہ پسند آئے۔

آنند کے بھیدوں اور جادوؤں کی وجہ سے پیاری (ایک خاص سہیلی) میرے دل میں کھیلنے لگتی ہے کیونکہ وہ اپنے جوبن کے چمن میں خوشبو مہکا لیتی ہے۔

نبیؐ کے صدقے میں قطب شاہ کو ہمیشہ لاکھوں عیدیں دیکھنی نصیب ہوں کیوں کہ عیسیٰ کی دعا اس کے لئے گلِ مسرت کی خوشبو لے آئی ہے۔

چھٹی نظم میں بادشاہ نے اپنی ایک سہیلی پیاری کے آتش بازی کھیلنے کا ذکر کیا ہے اس سلسلہ میں شب برات کی آتش بازیوں کے بہت سے نام بھی ہمارے لئے محفوظ کر دیئے ہیں۔ کہتا ہے:—

شب برات نے کوہِ طور کے نور کو اب تمام عالم میں پھیلا دیا ہے اور خضر نے اپنے ہاتھ سے مجھ کو آبِ حیات پلا دیا۔

شب برات اپنے ساتھ ساتھ خوشی کی براتیں لے آئی ہے۔ اور قطب شاہ ان براتوں کو لے کر رات اور دن آنند کے ساتھ گزارتا ہے

پیاری کا سرو قد ہوائی کی طرح (بلندی کی طرف مائل) ہوا ہے

ناک کی پھلڑی پھلیازی کی طرح ہے۔ پیشانی پر مہتاب کی طرح ٹیکہ لگائی ہے اور ہونٹوں پر سورج جیسی چمک دمک نظر آتی ہے۔

اس کے رات جیسے سیاہ بالوں میں کیوڑا بھنورے کی طرح نظر آتا ہے

تالوں اور پٹاخوں کی آوازوں سے آسمان کے اندر میں خلل پڑتا ہے

اس کی چوٹی کا پھندنا طاؤس کی طرح ناچ رہا ہے۔ ہوائی کو اپنا حاجب بنا کر وہ اپنی درائی (مالکی) کا اعلان کرتی ہے۔

اس کے بالوں کے جوڑے میں پھولوں کی جولڑیاں ہیں وہ ٹوکریوں کے چھیلے کی طرح ہیں۔ ....

اے قطب شاہ تجھ کو نبی کے صدقے میں بڑی اچھی پیاری ملی ہے۔

ساتویں نظم کی ردیف ہی لفظ روشن ہے جس کی وجہ سے تمام نظم شب برات کی روشنی سے جگمگا رہی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس عید سے قبل بادشاہ کو کسی جنگ میں کامیابی نصیب ہوئی تھی جس کی طرف مقطع میں اشارہ کرتا ہے کہ:۔

دشمنوں کے سینے پھانکوں کی طرح کیوں نہ پھوٹیں اور تڑخیں جبکہ خدا نے قطب شاہ کو ایک روشن فتح اور کامرانی عطا کی ہے۔

آٹھویں نظم طویل ہے اور اس موضوع کی اچھی نظموں میں شمار ہوتی ہے اس میں محمد قلی لکھتا ہے کہ:۔

شبِ برات نے آکر تمام عالم اس طرح روشن کر دیا ہے جس طرح نورِ موسوی کی وجہ سے وادیٔ ایمن روشن ہو گئی تھی۔

آپ رخسار کی جھلکیں دکھا کر عاشقوں کی آنکھوں کو ایک نور سے معمور گلشن بنا دیا ہے۔ چونکہ اس رات کو زلفِ خوباں کے ساتھ نسبت ہے اس لئے جس طرح معشوقوں کے جسم پر زیبائش و آرائش کی وجہ سے نور جھلکنے لگتا ہے۔ اسی طرح اس رات کو بھی نورانی لباس زیب دیتا ہے

اس عید کی لطف اندوزی کی ہوس کا دنیا کو خبط ہے کیونکہ اس میں محبت کی ہواؤں کے جھونکے تن اور من کو شگفتہ کر دیتے ہیں۔

نبیؐ کے صدقے میں اے قطب شاہ تو لاکھ سال خوش و خرم زندہ رہ کیونکہ تیری ہی وجہ سے اس عید میں شمعِ عیش روشن رہتی ہے۔

محمد قلی کی "شبرات" سے متعلق نویں نظم شاعرانہ کمال کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ نظم نہایت مرصع ہے اور اس میں ایسی اعلیٰ پائے کی تشبیہیں استعمال کی گئی ہیں کہ اس کو اردو شاعری کے شہ پاروں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ نثر میں اس کی

تمام خوبیوں کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم قوت تخیل کا کچھ نہ کچھ پتہ چل سکتا ہے وہ کہتا ہے :۔

میری ماہ رویوں نے اپنے چہروں کی روشنی سے شب برات کو روشن کر دیا ہے۔ ان میں سے کوئی سورج نظر آتی ہے، کوئی چاند اور کوئی ستارہ۔

ہر طرف سے ہر ایک نازنین نورتن کا لباس پہن کر آئی ہے تاکہ بادشاہ کے ساتھ چمن میں نکلے۔ شراب عشق پینے سے اُن کے جسم چھلکنے لگے ہیں۔ وہ اپنے نوجوان چہروں کے آب و رنگ اور آفتاب جیسی جھلک سے مہتاب کو بے تاب بنا کر پگلا رہی ہیں۔

نازنین اس انداز سے محو خرام ہے کہ اس کی زلفوں کے لہرانے کی وجہ سے خوشبو آسمان تک پہنچی ہے اور سارا آسمان مہک گیا ہے جس کی وجہ سے فرشتے فریفتہ ہو کر لاکھوں کی تعداد میں اتر آئے ہیں۔

ایک سے ایک کے پستان زیادہ خوبصورت ہیں جن پر سیاہ بادلوں کی لٹیں ایسی نظر آتی ہیں جیسے پہاڑیوں پر کالے کالے بادل چڑھائی کرنے آئے ہوں۔

نازنین کے رخسار مہتاب اور پھولوں کے ہار پھول جھڑیاں نظر آتے ہیں۔ اس کے دونوں بھوجاجبوں کی طرح ایک دوسرے پر حملہ کر رہے ہیں۔

علی جیو کے یہاں سے یہ حکم لے آئے ہیں کہ یہ جہان امن و اماں کے ساتھ ہمیشہ قطب زماں کے حکم کے تلے رہے۔

شب برات کی نظموں کے سلسلہ میں آخری نظم آتش بازی کی بہت سی اصطلاحوں کی آئینہ دار ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ ان میں سے اکثر اصطلاحیں اب بھی رائج ہیں۔ اس نظم کے چند شعر ذیل میں درج ہیں جن میں اصطلاحوں کے نیچے خط کھینچا گیا ہے:—

هوایاں سو کے بنگڑیاں چکڑاں جو — گھڑیاں بازیاں سوا چمن کریں
نین ستی کے گلریزاں سو بھر کر — نلی طاؤس چپک چمن کریں
پھلی نا سک جھمکنے تھے ہے شب رات — وصرت کوں آج بن جوں کمن کریں
لڑیاں موتیاں کیاں تج ہنسنے کیاں جھبلاں — تو جھبلاں تھے جگت درپن کریں

مذہبی عیدوں کے بیان کے آخر میں عید رمضان اور عید اضحیٰ کا کچھ ذکر بھی

ضروری ہے۔ کیونکہ اسلامی دنیا میں یہی عیدیں بہت اہم سمجھی جاتی ہیں۔

عیدِ رمضان

اس عید کی چہل پہل اور سرکاری و درباری مصروفیتوں کے متعلق تاریخوں سے کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں لیکن محمد قلی قطب شاہ کی نظموں سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں رمضان کا چاند دکھائی دیتا تمام قطب شاہی سلطنت میں لہو ولعب ختم ہو جاتے۔ شراب کی دکانیں اور سیندھی خانے بند کر دئے جاتے۔ رمضان مبارک کے احترام کا یہاں تک خیال تھا کہ خود محلات شاہی میں بھی شراب اور عیش و عشرت موقوف رہتی۔

محمد قلی قطب شاہ خود روزہ رکھتا تھا اور اس کی تقلید میں تمام بیگمات و محلات شاہی بھی صوم و صلوٰۃ کی پابند ہو جاتیں۔ رمضان کے تیس[۳] دن گزر جانے کے بعد جب شوال کا چاند آسمان پر نظر آتا تو خوشی و خرمی کا اظہار کیا جاتا۔ عیش و عشرت کے شادیانے بجنے لگتے۔ مصری، پستے، بادام، دودھ اور کھجور خاص اہتمام سے منگوائے جاتے اور شیر خرما اور سیویوں سے ایک دوسرے کی ضیافت کی جاتی۔

ہر عید کے وقت بادشاہ اردو میں ایک نظم بھی لکھا کرتا تھا۔ چنانچہ اس وقت عید رمضان کے متعلق سلطان محمد قلی کی گیارہ نظمیں موجود ہیں۔ جن میں سے چند کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی نظم میں وہ کہتا ہے کہ :۔

اے ساقی لوگ کہتے ہیں کہ آج آسمان پر چاند دکھائی دیا اور خازنِ چرخ نے نور کے ورق پر لکھ دیا کہ انگور کی کنواری یعنے شرابِ وصل مجھے ملنا چاہیئے۔ ایک مہینہ سے میرا دل اس کا منتظر تھا، اب کہیں چل کے نئے چاند کا پیالہ حاصل ہوا ہے۔

اس موقع پر ساقی کنول کے پیالے میں گلال بھر کر چاروں طرف پھر رہا ہے تاکہ گلرخوں کے گالوں کو لال لال کر دے۔ اور سکھیوں سے پوچھے کہ خود تمہارے ہونٹوں میں تو مصری، شیر خرما اور پستے موجود ہیں پھر تم روزے کیوں رکھتی ہو۔

اے محتسب آج تو یہ نہ کہہ کہ مے پینا شرع میں منع ہے۔ اے ساقی اپنے نمکین ہونٹوں کے بوسے دے اور شراب کو حلال بنا دے۔

ایک دوسری نظم میں لکھتا ہے :۔

چاند نے عین عید کی آمد کی بشارت دی اور بہول بن کر ساقی کو اشارہ کیا کہ شراب پلائی جائے۔

ہونٹوں کے شراب خانے کو قفل پڑا ہوا تھا اس کو آنکھوں کے خطِ سرمہ کی

کونجی سے کھول کر عمارتِ دل کی حالت دکھادی۔ (یعنے ہونٹوں سے بوسے دیکر دل کے جذبات کو ظاہر کیا)

شراب کی چھیلی جو ایک ماہ سے چھپی ہوئی تھی اُس نگار کو عید نے آکر اور مشاطہ بن کر آج دکھادیا۔

مجھے چاہیے کہ اب اطمینان سے پیرِ مغاں کی سیوا کروں، کیوں کہ اس نے مے خانے کی اجازت دے دی۔

محمدؐ نبی کے فیض سے آج عید نے آکر محمد قطب کو مجلس کی صدارت عطا کی۔

تیسری نظم کا خلاصہ ہے :—

عید کی رات جلوہ گر ہوئی اور روزوں کے دن گزر گئے۔ اس لیے اے ساقی نئے چاند جیسے ساغروں میں شراب بھر۔

میں بہت دن سے صوم وصلوٰۃ کی پابندی کی وجہ سے زہدِ ریائی کا مرتکب ہو کر بدنام ہو رہا تھا اس لئے اب تو محبت کے پیالے پلاکر مجھے نیک نام کر۔

(ماہِ رمضان کی وجہ سے) صراحی مست ہو کر سرکشی کرنے لگی تھی

لیکن اب پھر جام کی طرف جھک جھک کر سلام کرنے لگی ہے۔

ان تیس دنوں کا خمار توڑنے کے لئے اے ساقی تو مجھے کم کم شراب نہ دے

بلکہ دم بہ دم پیالے بھر بھر کر دیتا جا۔

نبی کے صدقے میں قطب شاہ کو مے طہور ملی اور امام کے صدقے میں کوثر

سے بھرا ہوا ساغر مل گیا۔

دوسری نظموں سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کے روز خوشی کے دمامے اور طبل بجائے جاتے ہیں۔ لوگ باغ کے پھولوں کی طرح شگفتہ ہو جاتے ہیں اور متوالوں کی طرح ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ سب لوگ رنگین لباس پہنتے ہیں اور سیویوں اور شیر خرما سے بھر پور پیالے پیتے اور پلاتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ آج سے ساڑھے تین سو سال قبل بھی رمضان کی عید میں شیر خرما اور سیویوں کا دستور تھا۔ ایک نظم میں تو رمضان کی عید کو سیوی کی عید لکھا ہے چنانچہ کہتا ہے ؎

عید سیوی لیا ئیا خوشیاں انند ــــ اس انند اں سوں کریں خوباں انند

شیر خرما، بادام اور پستوں وغیرہ کا ذکر ان اشعار میں ملتا ہے: ؎

نا بات شیر خرما پستے شکر ادھر ــــ کیوں روزے رکھتی سکیا کر کر سوال ساقی

خرم خوشیاں سوں شیوے کی سیویاں بھری پڑی ساقی پلا پیالہ کہ آیا ہلالِ عید
تج خندہ کا شکر دے منجے شیر خرمے میں شربت پلا ادھر ستے کھلیا گلالِ عید

شیر خرما، قند، بداماں، پستے جیواں ملا کر
صنعت سوں کیتا صانع لب لال موہنیاں کے

عیدِ قرباں

عید رمضاں کی طرح بقر عید سے متعلق بھی تاریخوں میں کوئی معلومات درج نہیں ہیں۔ لیکن محمد قلی نے اپنے کلام میں اس عید کی مصروفیتوں کو بھی زندۂ جاوید بنا دیا ہے۔ اس موضوع پر اس کی گیارہ نظمیں ہمیں دستیاب ہوئی ہیں۔ جن میں سے ۲ دو تو نہایت اعلیٰ پایہ کے قصیدے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ایک قصیدہ میں تو اس نے اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ شاید "مورخ میری اس مجلسِ عید کی تاریخ نہ لکھے پھر قصہ خواں اس شاندار عید کے قصے کیوں کر بیان کرے گا۔"

عید قرباں کی نظموں میں حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل کے واقعات کی تلمیحوں، حج کے لئے سفر کعبہ کی واجبیت، اور حج اکبر کی فضیلت کے اظہار کے ساتھ ساتھ اپنی مجلس آرائیوں کا ذکر بھی خوبی سے کیا ہے اور عید میں عام طور پر اس زمانہ میں جو عیدی

تقسیم کی جاتی تھی اُس کی طرف کئی جگہ اشارہ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے چند سال قبل تک حیدر آباد میں بچوں کے لئے عیدی لانے کا جو طریقہ رائج تھا وہ محمد قلی کے عہد میں عام طور پر موجود تھا۔ اس عید کی تقریب میں بھی محمد قلی مجلس آرائی کرتا تھا اور پھولوں اور خوشبوؤں سے اس کی محفل مہکنے لگتی تھی۔ تمام ملک میں عام طور پر لوگ دعوتیں مناتے، سیخوں کے کباب کھلائے جاتے، باورچی خانوں میں آگ ہمیشہ روشن رہتی اور راتوں پر ہر طرف عزیز و اقارب کے لئے حصوں کے خوان جاتے دکھائی دیتے۔ دسترخوانوں پر جنت کی نعمتیں چُن دی جاتیں جن کو دیکھ کر لوگ بھی حیران رہ جاتے۔ لوگ توؤں پر کباب تلتے تلتے آفتاب کو بھی ایک توا سمجھنے لگتے۔ عید بقر کی پہلی نظم میں وہ لکھتا ہے :۔

میرے لئے خوشیوں کے ساتھ بقر عید کی خبر بھی آئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بقر عید میری خوشیوں پر سے قربان ہونے کے لئے آ رہی ہے۔

پھول میری مجلس سے رنگ پا کر سہانے دکھائی دیتے ہیں کیوں کہ اس محفل میں ساقی اپنی آنکھوں کے پیالوں سے شراب پلا کر مجھے رجھاتا ہے۔

سہیلیاں جامۂ محبت کی رنگینیوں سے خود کو سنوارتی ہیں کیوں کہ بقر عید کی آمد آمد سے تمام دنیا میں طبلِ عشرت بجنے لگتے ہیں۔

میری مستی کی ماتی سکھیوں کے ساتھ عشق کا کھیل کھیلنا مجھے زیب دیتا ہے۔

اور دنیا اس عشق کو دیکھ کر اچنبھے میں رہ جاتی ہے۔

چونکہ مجھے آنند اور خوشی کے راگ اور رنگ زیب دیتے ہیں اس لئے عید کی

مستی میرے قدموں پر اپنا سر رکھ کر میرے دل کو راضی کر لیتی ہے۔

نبیؐ کے صدقے میں قطب شاہ کو ہمیشہ عید مستانہ زیب دیتی ہے کیونکہ

میرے سر پر ہمیشہ چتر شاہی سہانا نظر آتا ہے۔

اسی طرح جملہ نظموں میں عید کی تیاریوں، خوشیوں اور رنگ رلیوں کی طرف شاعرانہ انداز میں اشارے کئے گئے ہیں۔ اور قربانی کے لحاظ سے دشمنوں اور مخالفوں کے بادشاہ پر سے قربان ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

پانچویں نظم ذرا طویل بھی ہے اور اہم بھی۔ اس میں بادشاہ نے اپنے شاہانہ جاہ و جلال، فاتحانہ سطوت و اقبال اور عید کے کر و فر کو بڑے کمال سے ظاہر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے :-

اے بادشاہ بقر عید آئی ہے تاکہ دشمن تجھ پر سے قربان کر دیئے جائیں

زمین خوش دل، آسمان خوش حال اور تمام جگ شاداں و خنداں ہے۔

چونکہ تو ابراہیم کا تیسرا فرزند ہے اس لئے حضرت اسمٰعیل کی طرح

حق تعالیٰ تیری اور تیرے دوستوں کی اپنی مہربانی سے ہمیشہ نگہبانی کرتا ہے۔

تو علیؑ کا شیر ہے اس لئے تیرے رعب و جلال اور ہیبت کی وجہ سے آسمان کے شیر (اسد) کو مریخ تجھ پر سے قربان کر دیتا ہے۔

خدا نے تمام ہندستان کو عیدی کے طور پر تجھے دے دیا ہے اس لئے تیرے ملک میں قیامت تک روز بروز آبادی بڑھتی رہے گی۔

جو کوئی تیرا موافق نہیں وہ محمد (محمد قلی) کا دشمن ہے اور جو محمد کا دشمن ہوتا ہے وہ ہمیشہ خوار اور پریشان رہتا ہے۔

تو موسیٰ کی طرح ہے تیری تلوار عصائے موسیٰ کا کام دیتی ہے اور تیرا چہرہ ید بیضا کی طرح روشن ہے۔ تو عیسیٰ کی طرح ہے، سورج تیرا گھوڑا ہے اور آسمان تیری جولانگاہ ہے۔

تیری بزم میں داؤد کی طرح ہمیشہ نغمے سنائی دیتے ہیں اور خوشیوں پر خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔

خدا نے تمام پریوں، دیووں، اور وحوش وطیور کے علاوہ انسان اور جن اور چاروں عنصروں کو بھی تیرے حکم کے تلے کر دیا ہے کیوں کہ تو سچ مچ سلیمان ہے۔

اگر تیری تلوار کا عکس دشمن پر پڑ جائے تو اس کے جسم کا خون جم کر عقیق
اور لعل و مرجان بن جائے۔

جو کوئی تیرا دعا گو ہے اس کے لئے تمام دنیا دعا کرتی ہے اور جو کوئی تیرا
ثنا خواں ہے تمام عالم اس کی ثنا کرتا ہے۔

اے قطب شاہ نبیؐ کے صدقے میں کچھ اس طرح گھر گھر خوشی اور جگہ جگہ
اطمینان ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا تیرے گھر میں بقرعید لاکھ سال کیلئے
مہمان بن کر آئی ہے۔

غرض بقرعید کی تمام نظمیں اور دونوں قصیدے بھی نہایت دل چسپ ہیں
اور تعجب ہوتا ہے کہ اس یک گونہ خشک موضوع پر بھی محمد قلی نے کس خوبی سے طویل
نظمیں لکھی ہیں۔

چوتھا حصّہ

سرزمینِ حیدرآباد شروع ہی سے ہندو مسلم اتحاد کا گہوارہ رہی ہے۔ اس کا ابتدائی نام بھاگ نگر اس دعوے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ لیکن یہ دعویٰ یقینی طور پر صحیح نکلتا ہے جب بانئ حیدرآباد کی وہ کوششیں پیشِ نظر ہوتی ہیں جو اس نے اس مملکت میں ایک بین قومی فضا کی ترویج کے لئے کی تھیں۔ اکبرِ اعظم کے علاوہ شاید ہی کوئی بادشاہ ہو جس نے اپنی رعایا کے جملہ طبقوں کا دل موہ لینے میں محمد قلی اعظم سے زیادہ کامیابی حاصل کی ہو۔

اس سلسلہ میں اس کی کامیاب ترین کوشش ایسی عیدوں اور تہواروں کو رائج کرنا ہے جن کے منانے میں اس کی تمام رعایا، بلا اختلافِ مذہب وملّت اسکے ساتھ شریک ہو سکتی تھی۔

اِس حصّہ کے مطالعہ سے واضح ہو گا کہ اگر ابراہیم قلی قطب شاہ کے بعد محمد قلی تخت نشین نہ ہوتا تو گولکنڈہ کا بین قومی تمدّن اس نقطۂ کمال کو نہ پہنچ سکتا جس کیلئے یہ سرزمین اب تک مشہور ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ثابت ہو جائے گی کہ محمد قلی میں شاعری کی ایسی غیر معمولی قوتیں ودیعت کی گئی تھیں کہ اس نے اپنے کلام کو اپنے زمانہ اور زندگی کا بہترین ترجمان بنایا۔

نوروز اور بسنت

یہ بات پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے کہ محمد قلی قطب شاہ نے حیدرآباد میں ایک بین قومی فضا کی ترویج میں بڑا حصہ لیا تھا اور ملک کے جملہ طبقوں کا دل موہ لینے کے سلسلے میں تو وہ اپنے باپ سلطان ابراہیم سے زیادہ کامیاب رہا ہے۔ اس کا لباس، وضع قطع، اور معاشرت بالکل ہندستانی تھی۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر ابراہیم کے بعد محمد قلی جیسا حکمران تخت نشین نہ ہوتا تو گولکنڈہ کا بین قومی تمدن اس انتہائی عروج کو نہ پہنچ سکتا جس کی وجہ سے سرزمین دکن اب تک مشہور ہے۔

اس بین قومی تمدن کے پیدا کرنے کے لئے محمد قلی نے مذکورہ خالص اسلامی عیدوں کے علاوہ اور بھی تقریبیں زور و شور سے رائج کیں جن میں نوروز، بسنت اور آمدِ برسات کی تقریبوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ موخر الذکر کا تذکرہ آئندہ ایک علیحدہ عنوان کے تحت کیا جائے گا، یہاں صرف نوروز اور بسنت کی مصروفیتوں کی نسبت کچھ باتیں بیان کی جاتی ہیں۔

افسوس ہے کہ ان دونوں موضوعوں کے بارے میں تاریخوں سے کوئی مدد نہیں

ملتی۔ ان کے متعلق ہماری معلومات کا واحد ذریعہ کلیات محمد قلی قطب شاہ ہے۔

نوروز

عید نوروز کے موضوع پر محمد قلی کی تین نظمیں اور دو اعلیٰ پایے کے قصیدے دستیاب ہوئے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ اِس روز وہ کسی مذہبی عید سے کم خوشی نہیں مناتا تھا۔

ان نظموں میں شاعر نے علمِ نجوم کی اصطلاحوں کا دل کھول کر استعمال کیا ہے۔ اور برج حمل میں آفتاب کی تحویل سے متعلق شاعرانہ انداز میں خیال آرائی کی ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ جب آفتاب بارہ برجوں کی گردش کرتا ہوا خط استوا پر آجائے تو ایک پورا سال ختم ہوتا ہے اور جس روز آفتاب یا زمین کا ایک دور ختم ہو کر نیا دور شروع ہوتا ہے اس کو نوروز کہتے ہیں اور اس دن دوسرے تمام سیارے جن جن مقامات پر ہوں ان کے لحاظ سے آنے والے پورے سال کے حالات کے متعلق پیش قیاسی کی جاتی ہے۔ گولکنڈہ کے ماہران علم نجوم ہر نوروز کی خاصیتوں اور ان کے اثرات کے متعلق دربار میں تفصیل سے معلومات پیش کرتے تھے جن کی بنا پر نوروز کے ساتھ ہی یہ سمجھا جاتا تھا کہ دنیا ایک نئی کروٹ بدل رہی ہے اور یہاں کی ہر چیز اب ترو تازہ اور نئی ہو جائے گی۔ آفتاب کے برجِ حمل میں داخل ہونے کے وقت کو نہایت مسعود سمجھ کر اوراد و وظائف پڑھے جاتے اور دعائیں کی جاتیں۔ ان سب باتوں کو محمد قلی نے اپنی

نظموں میں پیش کیا ہے۔

چنانچہ پہلی نظم کے چند شعروں کا خلاصہ یہ ہے:۔

نورانی نوروز نور کے جلووں کے ساتھ آیا اور حمل اس کے شایان شان لوازم سے آراستہ ہو گیا۔ تمام عالم میں نور جھلک رہا ہے اور سارا چمن چاند کی طرح جگ مگ کر رہا ہے۔ ہر طرف ہر قسم کی چیزوں کی ہوا بندھی ہوئی ہے۔ اور ہزاروں ہرے بن لہلہا رہے ہیں۔ بادشاہ کی سہیلیاں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ لائے چمن میں صف در صف اٹھلاتی جارہی ہیں گویا عقد ثریا جیسے ستارے اتر آئے ہیں جس طرح آفتاب اور برج حمل کی قربت سے نئے نئے اثرات پیدا ہوتے ہیں اسی طرح قطب شاہ اور قدرت خدا کی قربت نے قاف تا قاف قطب شاہ کا حکم جاری کر دیا ہے۔

اس نظم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے دوسرے شعر کے اکثر لفظ حرف ج سے، تیسرے کے م سے، چوتھے کے ک سے، پانچویں کے ہ (ہائے ہوز) سے، چھٹے کے س سے، اور ساتویں کے ق سے شروع ہوتے ہیں مثلاً ؎

(۲) مدہر مدسنی مبیا سوں منوہر مدن من کی مجلس میں مہتر منڈایا.....م

۵) ہوا ہے ہوا ہر طرف ہر جنس کا ہوس سو ہرے بن ہزاروں ہلایا ۵

۷) قرب سوں قطب شاہ قدرت خدا سوں قضا قوس نقے قاف تا قاف پایا ..... ق

دوسری نظم ذرا طویل ہے اور طویل بحر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں نوروز کی وجہ سے دنیا پر جو سرسبزی، ترد تازگی، اور رونق پیدا ہوگئی ہے اس کا نہایت خوبی اور تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً کہتا ہے کہ :۔

نئے نورنگ کے نوروز نے نہ صرف کلی کلی کو کھلا دیا ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حسین عورتوں کے جوبن بھی پھر سے بہار پر آ گئے ہیں۔ پھولوں کے خوش رنگ پیالوں کو شبنم سے دھوکر ان میں گلابی شراب بھر کر سبز رنگ نہالوں جیسی حسینوں کے ہاتھ سے پلا رہا ہے۔

چمن میں بلبلیں جگہ جگہ ایسی دکھائی دے رہی ہیں جیسے حسینوں کی آنکھوں میں تلیں۔ پھولوں کے گچھوں میں کالے کالے بھونرے ایسے نظر آتے ہیں جیسے کالی کوئلیں ہری ہری ڈالیوں میں اڑتی پھر رہی ہوں ....

تیسری نظم میں بھی اسی طرح کے مضامین باندھے ہیں۔ اور کہتا ہے اس سال پھر نوروز خوشیوں کی بشارت لے کر آ رہا ہے کیونکہ اب کے برج حمل میں اس کا

شرفِ عزم یہی ظاہر کر رہا ہے۔ اس کی وجہ سے میرے دل کے چمن میں امیدوں کے پھول کھل گئے ہیں۔ وغیرہ

نوروز کے موضوع پر محمد قلی قطب شاہ کے قصیدے نہایت اعلیٰ پایہ ہیں۔ اور یہ دونوں قصیدے اس کی انتہائی خوشی اور مسرت کے ترجمان ہیں کیونکہ یہ دونوں ایک ایسے موقع پر لکھے گئے ہیں جب نوروز اور عید رمضان ایک ہی روز یا قریب قریب آئے تھے۔ دونوں قصیدے چونکہ ایک ہی موضوع پر ہیں اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا ایک ہی وقت میں یہ قصیدے لکھے گئے تھے یا دو دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا تھا کہ نوروز اور عید رمضان مل کر آئے تھے۔ پہلا قصیدہ سینتیس اشعار پر مشتمل ہے۔ اور اس میں صاف طور پر عید رمضان اور نوروز کے ساتھ ساتھ آنے کا ذکر درج ہے۔ اس کے چند اشعار کا خلاصہ یہ ہے:۔

اے بادشاہ نوروز عید کے روز آکر عید کے آنے کی خبر لے آیا ہے اور پھر سے سکھ کا کاروان اپنے ساتھ لے کر گویا عید کے اہتمام کا سامان لایا ہے۔

تمام عیدوں کے دنوں میں یہ روز عید اچھا ہے اس لئے نیشکر کی طرح اپنی کمر باندھ کر عید کا خراج لے آیا ہے۔

یہ عید اتنی اچھی ہے کہ اس میں دوسری تمام عیدیں غلامی کا حلقہ اپنے کان میں ڈالکر

عید کا گلدستہ پکڑی کھڑی ہیں ۔

ان دونوں شعروں میں محمد قلی نے اپنی عیدوں کے رسم و رواج کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ کس طرح اس کے ماتحت راجہ اور امرا لشکر کی طرح کمر باندھ کر سلطنت کے خراج داخل کرنے کے لئے حاضر ہوتے تھے ۔ اسی طرح شاہی تقریبوں اور مجلسوں میں غلام (جن کے کانوں میں حلقے پڑے ہوتے) اپنے ہاتھوں میں گلدستے لئے کھڑے رہتے تھے ۔ روز عید اور نوروز کے ساتھ ساتھ آنے کے متعلق اور دو شعروں میں کہتا ہے :۔

یوم عید کے پھولوں میں نوروز کے پھول بھی کھلے ہیں اور ان پھولوں کی خوشبو

کی وجہ سے دل عید کی طرف راغب ہو گیا ہے ۔

نوروز اور یوم عید آپس میں بھائی پن کا صیغہ پڑھ کر ایک ہو گئے ہیں

اور عید کی خوشیاں اپنے ساتھ لائے ہیں ۔

اس قصیدے میں ماہرین نجوم کے اس خیال کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ جب آفتاب برج حمل میں داخل ہونے لگتا ہے تو اس کو ساعتِ نیک کہتے ہیں اور اس مبارک وقت میں ہر دعا قبول ہوتی ہے ۔ اس لئے ماہرین نجوم کہتے ہیں کہ اس وقت صاف و پاک جگہ پر خوشبودار بخور روشن کر کے اور پاک و صاف لباس پہنکر

کسی اسم الٰہی کا ورد کریں اور آخر میں حصول مدعا کے لئے دعا مانگیں تو وہ ضرور بامراد ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مسعود وقت کے لئے عامل لوگ منتظر رہا کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں بڑے روپے کماتے ہیں۔ اسی لئے محمد قلی کہتا ہے کہ :۔

اس عید کے روز امید کے پھول کھل گئے ہیں اس لئے دعا مانگو۔ یہی
وجہ ہے کہ دوسرے دنوں کے مقابلے میں یہ دن بہت نمایاں ہے۔

دعا کرو کہ امن و اطمینان کی بارش ہو تا کہ میرے درخت ہرے ہوجائیں
اور میرے دل کے چمن کی روشوں میں گل و ریحان کھلنے لگیں۔

عید نوروز سے متعلق دوسرا قصیدہ ناقص الاول معلوم ہوتا ہے اس میں جملہ گیارہ شعر ہیں۔ اس سال غالباً نجومیوں نے بادشاہ کو خبر دی تھی کہ اس کے زائچہ کے لحاظ سے یہ نوروز بہت ہی مبارک و مسعود ہے کیوں کہ اس کے برج میں زہرہ اور مشتری واقع ہوتے تھے۔ بادشاہ خوش ہے اور یہ قصیدہ ایک طرح کا نعرۂ مسرت ہے جس میں شاعر پکار اٹھتا ہے کہ :۔

خدا مجھے عید کی جیسی راتیں اور نوروز جیسے دن عطا کرتا ہے اور میرے
دل کی بلبل کے لئے نئی نئی عشرتوں کے پھول کھلاتا ہے۔

لیکن پھولوں کی عید اور چیز ہے اور نوروز کی خوشی اور۔ کیونکہ نوروز

کی وجہ سے ساقی عیش کی طرح اندازی کر کے میرے دل کو محبوب سے ملا دیتا ہے۔

چونکہ میرے برج میں زہرہ اور مشتری آئے ہیں اس لیے اس دفعہ نوروز

کو بڑائی حاصل ہو گئی ہے اور وہ نوروزی صفائی بخش رہا ہے۔

اے مرغ دل ذوق و شوق سے پر فشاں ہو کہ نوروزی براتیں آئیں جو

بہت جلد غم کی براتوں کو پھاڑ کر تباہ کر دیں گی۔

بسنت اس عید کی تقریب میں بادشاہ کی دو نظمیں ملی ہیں جن میں ایک تو قصیدہ ہے اور دوسری نظم بقر عید اور بسنت دونوں کے ایک ساتھ آنے پر لکھی گئی ہے۔

بسنت دراصل ہندوؤں کی عید ہے جو موسم بہار کی آمد آمد پر منائی جاتی ہے۔ ہندوستان میں بہار کا موسم وسطِ مارچ سے مئی تک سمجھا جاتا ہے جب کہ پھول کثرت سے کھلتے ہیں۔ بسنت اصل میں سنسکرت لفظ وسنت ہے جس کے معنی ہیں سال کی پہلی فصل جو چیت اور بیساکھ تک رہتی ہے اس زمانے میں چونکہ پھولوں کی کثرت ہوتی ہے اس لئے ہندو پھول جمع کر کے دیوتاؤں کے مندروں یا نالابوں کو لے جاتے تھے۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہ ایک عید یا میلا بن گیا۔ جس کو حضرت امیر خسرو کے زمانے سے دلّی کے مسلمانوں نے بھی منانا شروع کر دیا تھا اور وہاں بزرگوں کی درگاہوں پر

مسلمان پھول لے جا کر چڑھاتے تھے۔

محمد قلی قطب شاہ نے گولکنڈہ میں اس تقریب کو خاص اہتمام اور شان و شوکت سے جاری کیا۔ اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ وہ ہندوستانیت کو بہت پسند کرتا تھا بلکہ اسکی طبیعت عیش و عشرت کی طرف زیادہ مائل تھی اور اس عید میں اس کے فطرتی رجحانات اور دل کی امنگیں جس خوبی سے ظاہر ہو سکتی تھیں شاید ہی کسی اور تقریب میں ہو سکتیں۔ موسم کا اثر انسان کی طبیعت پر ضرور پڑتا ہے۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے ماحول کا بندہ ہوتا ہے۔ پھر محمد قلی جیسا حساس انسان جو اپنے اطراف و اکناف کی چھوٹی سے چھوٹی چیز سے متاثر ہوتا تھا! فرق اتنا ہے کہ وہ ماحول کا بندہ بننے کی جگہ اس خوش اسلوبی سے اپنے ماحول کو کام میں لاتا تھا کہ صحیح معنوں میں اس کا آقا بن جاتا۔

اس کی رعایا میں ہندوؤں کی کثرت تھی اور اس کے محل میں بھی ہندو عورتوں اور ملازموں کی کمی نہ تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی خاطر بسنت نہیں مناتا تھا بلکہ خود اپنی خاطر اس تقریب میں بے تکلفی سے حصہ لیتا تھا۔ بسنت کی نظموں میں اس نے جس بے ساختگی اور رنگینی کے ساتھ خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اپنی آپ نظیر ہے بسنت کی آمد آمد کے ساتھ وہ پھولوں نہیں سماتا تھا۔ چونکہ اس موسم میں شہوانی جذبات بھی برانگیختہ ہو جاتے ہیں اس لئے ان نظموں میں بعض جگہ اظہار خیالات کے لئے وہ بہت

عریاں پیرایہ بھی اختیار کر لیتا ہے۔ اس خصوص میں وہ عہدِ حاضر کے شبابی شاعروں سے بہت مشابہ ہے۔

ان نظموں سے پتہ چلتا ہے کہ محمد قلی اس موسم میں پھول کھیلنے کے علاوہ اپنی محبوباؤں اور کنیزوں کے ساتھ جی کھول کر رنگ بھی کھیلتا تھا۔ محلوں اور باغوں میں پھولوں کے انبار جمع کر دیئے جاتے تھے اور حوضوں کو رنگوں سے بھر دیا جاتا۔ جن بے تکلف جلسوں میں راگ، رنگ، اور شراب و شاہد کے افراط کے ساتھ محمد قلی جیسا رنگیلا بادشاہ ہو اُن کی رنگینی کا کیا پوچھنا! لیکن ان رنگینیوں اور رنگ رلیوں کی کامیاب ترجمانی بڑے سے بڑے شاعر سے بھی ممکن نہ تھی۔ یہ تو محمد قلی ہی کا حصہ تھا۔ دنیا کا کوئی شاعر اپنے کلام میں اپنی زندگی کو اتنا عریاں نہیں پیش کر سکتا تھا جتنا محمد قلی نے کیا۔ اس کا کلام اس کے قلب کی گہرائیوں سے نکلتا تھا۔ اس کو مبالغہ، تصنع، یا آورد کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ وہ ریاکاری کے ذریعے سے خود کو پاکباز یا زاہدِ مرتاض ثابت کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے ہر جگہ خود کو ایک رندِ شاہد باز ظاہر کیا ہے۔

قلعہ گولکنڈہ سے متصل نئے قلعہ میں جو پر فضا تالاب اور وسیع مرغزار ہے اس میں اب بھی بسنت کے زمانے میں ایک میلہ لگا رہتا ہے۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر سے ہندو عورتیں بناؤ سنگار کر کے اور پھولوں کی ٹوکریاں لئے ہوئے گاتی اور اٹھلاتی چلی آتی ہیں۔ چونکہ یہ عہدِ قطب شاہیہ میں ایک سرسبز و شاداب باغ تھا اس لئے

یقین ہے کہ محمد قلی کی بسنت کی محفلیں یہاں بھی منائی جاتی ہوں گی اور آج بھی جب کہ محمد قلی کو اس دنیا سے گزرے تین سو اسی (۳۸۰) برس گزر گئے اس جگہ ہر سال بسنت میں میلہ لگا رہتا ہے۔ یہاں کی چہل پہل موسم کی تر و تازگی، اور ماحول کی شگفتگی دیکھ کر خیال گزرتا ہے کہ کیا تعجب ہے جو محمد قلی جیسے بسنت کے شیدائی کی روح اب بھی اس پر کیف منظر کے دیکھنے کے لئے اس میلے میں شریک رہتی ہو۔

بسنت کی نظموں میں سب سے پہلے قصیدہ بسنت قابل ذکر ہے۔ کیونکہ بادشاہ کو فخر ہے کہ اس نے اس میں بڑے اچھے شعر نکالے ہیں۔ چنانچہ آخر میں وہ کہتا ہے کہ

خدا نے تجھ کو فن شعر میں ایسی نزاکت بخشی ہے کہ اے معانی شبہ ہوتا ہے کہ یہ شعر تیرے ہیں یا خاقانی کے۔

اس قصیدے کا آغاز بسنت کی آمد آمد کے ذکر سے کیا ہے اور لکھتا ہے:۔

بسنت کا پھول یاقوتِ رمانی کی طرح کھلا ہے اس لئے اے سہیلیو!

سب مل کر بسنت کو اپنے یہاں مہمان رکھو۔

بسنت کی رُت نے اپنے ساتھ خوشیاں لاکر فراق کی آگ کو بجھا دیا ہے

اے نولیو آج ایک نئی مجلس شاہانہ ترتیب دو۔

بسنت کی آمد آمد کی وجہ سے تمام درختوں کو جواہر کی طرح پھول لگے ہیں۔

تاکہ تم اپنے پیا پر پھولوں کو موتیوں کی طرح نچھاور کرو۔

اے ساقی! بسنت کے پھولوں پر کی شبنم کو شراب کی طرح صراحی میں بھر لانا کہ اس شراب کے پینے سے ایسی مستی ہو کہ ہمارا رنگ نورانی ہو جائے۔

صراحی سے شراب انڈیلتے وقت قلقل کی ایسی آواز نکلتی ہے گویا بادل مست ہو کر گرج رہا ہے۔ اس قلقل کی آواز کو ابر نیساں کی آواز سمجھ کر پیالہ پیتے جاؤ۔

اے ساقی! شراب پلاتا جا تاکہ مجھ کو کشف ہونے لگے۔ کیونکہ شراب کی وجہ سے مجھے پوشیدہ راز بھی نظر آنے لگتے ہیں۔

عنبر، عود، مشک، زعفران کا رت آیا ہے اسی وجہ سے ان سب کی خوشبو دنیا کو گلستان بنا دیتی ہے۔

اے سہیلیو! تم سب مل کر چاند اور سورج کے حوض خانوں کو بھی آب حیات سے بھر دو تاکہ ہم افشانی رنگ کھیلیں۔ بسنت کے پھولوں کی مالا پہن کر منہ جبیں صحن میں نکلی آئی ہے جس کے پھولوں کے نقش و نگار کو دیکھ کر مانی بھی حیران ہے۔

سورج کی کرنوں کو پھولوں کی چھڑیاں بنا کر ہم ایک دوسرے کو مارتے ہیں۔ سہیلیوں کے ساتھ یہ کھیل خدا کرے کہ میں ہمیشہ کھیلتا رہوں۔"

اس نظم کو لکھتے وقت بادشاہ خوشی کے مارے اتنا آپے سے باہر ہو جاتا ہے کہ

اس کو اپنے دشمنوں کی شکست اور اپنی کامرانی یاد آجاتی ہے اور کہتا ہے کہ :۔

قطب شاہ پر مصطفی اور مرتضی کی نظر ہے اسی لئے اس کے دشمن کی پیشانی پر حرف پشیمانی لکھ دیا گیا ہے۔

ان کے دشمنوں پر ازل ہی سے لعنت بھیجنا واجب ہے خواہ وہ سمرقندی ہوں یا بخارائی یا ملتانی۔

نظموں میں پہلی نہایت پرلطف ہے اس میں اس نے اپنے بسنت کھیلنے کا طریقہ اور اس کے رسوم سب صاف صاف بیان کر دیے ہیں۔ یہ نظم جذبات کے اظہار سے معمور ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب بادشاہ اور اس کی سہیلیاں بسنت کھیلتی تو یں تو مطربان خوش گلو اس نظم کو گاتی رہتی تھیں۔ وہ لکھتا ہے :۔

" اے پیارے! آؤ عشق کی بسنت کھیلیں کیونکہ تم چاند ہو اور میں تارا ہوں۔

میرا جسم خالص کندن کی طرح چمک رہا ہے اور میں سنگار کر کے اور ہر طرح کے چھند بند کے ساتھ تیار ہوں۔

ہم اور ہمارا ساجن اس طرح بسنت کا رنگ کھیلیں جیسے آسمان شفق کی وجہ سے رنگا رنگ ہو جاتا ہو۔

شفق کے رنگ کے پیچھے سے جس طرح تارے جھلکنے لگتے ہیں اسی طرح ہمارا سورج کی کرنوں جیسے زر کے تاروں سے بنا ہوا لباس جھلکنے لگا۔

پیاری بسنت کو پیا کے قدموں سے مل کرلے آئی اور کچھ اس طرح بسنت کھیلی کے رنگ رنگ کو سنگار حاصل ہو گیا۔

اپنے جوبن کے حوض خانوں میں عشق کا رنگ بھر کر جسم کے رویں رویں میں بجلی کی رو دوڑا دیتی ہے۔

رنگ سے بھیگی ہوئی چوٹی میں سے سرپتیاں رات کی نشانی بن کر سیاہ نظر آتی ہے اور اس کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ سورج (جیسے پیشان) کے بیچ میں رات کو کیسی جگہ مل گئی۔

بسنتی رنگ کے جسموں اور کندنی گالوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیسر کی آگ کی بہار پھل پھول رہی ہے۔

نبیؐ کے صدقے میں قطب شاہ نے ایسی دھوم دھام کی بسنت کھیلی کہ تینوں عالم رنگیلے ہو رہے ہے۔

بعد کی دو نظموں کے بعض مصرعے پڑھے نہیں گئے۔ ان نظموں میں محمد قلی نے

لکھا ہے کہ بسنت کی ہوا آئی اور سکیوں کے تن مشک و زعفران کی خوشبو سے معطر ہو گئے۔ چاروں طرف ہرے رنگ کی ہوا چھا گئی۔ کوئلیں نغمے گانے لگیں مور کی اچھے رس والی آواز عالم کا دل بھانے لگی۔ طرح طرح کے گلابی رنگ کے لباس رنگیلی چھبیلیوں کے قد پر زیب دینے لگے۔ اور موتیوں کی بارش عجیب منظر دکھانے لگی۔ پپیہا میٹھے میٹھے گیت گانے لگی۔ پھول جیسے ہونٹوں کے پیالوں سے شہد جیسا رس ملنے لگا۔ پیاری اور پیا ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سرو کے بن میں گلاب کے پھولوں کی مالا پہن کر نکلے۔ کوئلوں کے گلے اچھے اچھے نغمے الاپنے لگے کہ تننن تن نن تنن تن نن تلالا۔ ایسے گوسائیں کی ہمیشہ سیوا کرنا چاہیئے جو نحوست کو دور کر کے نہال کر دیتا ہو۔ قطب شاہ کو بسنت کھیلتا اور عیش مناتا ہوا دیکھ کر کیا تعجب کہ دشمنوں کے سینوں میں دکھ کے بھالے سلگتے ہوں۔

پانچویں اور چھٹی نظمیں مکمل ہیں اور ان میں بھی بسنت کی مصروفیتوں کو بڑی خوبی اور صفائی سے بیان کیا ہے۔ ساتویں نظم بڑی طویل بحر میں اور بہت پر زور لکھی ہے۔ اس کے چند اشعار کا خلاصہ یہ ہے:۔

بادشاہ کے مندر میں بسنت سعادت کی خبر لے کر آیا۔ بسنت کے آنے کی وجہ سے آنکھوں کی پتلیوں کا چمن پھولوں اور پھلوں سے معمور ہو گیا۔

بسنت کے پھول نے تمام پھولوں کو مہمان بن کر آنے کی دعوت دی
اور اس دعوت میں گلاب کو پیالہ بنا کر خدمت کرنے کی غرض سے لے آیا۔

بسنت کی روشنی سے تمام دنیا میں پھول کھل گئے اور آسمان پر لال
رنگ چھاگیا۔ سورج کی دھوپ میں بسنت ہی کا رنگ نور بن کر جھلکتا ہے
اور چاند کے حوض کو بسنت نے چندن بھر کے مہکا دیا ہے۔

بسنت کی وجہ سے ہر گھر میں موتیوں اور یاقوتوں کے انبار لگ گئے ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ بسنت نے ہر گدا کو خاقان کے ہم پلہ بنا دیا۔

اے معانی خدا کا شکر بجا لا کہ تیرے مندر میں رات اور دن خوش
اور آنند کے ساتھ بسنت منایا جاتا ہے۔

ان سات نظموں اور قصیدے کے علاوہ محمد قلی قطب شاہ نے ایک نظم بقرعید اور بسنت کے ایک ساتھ آنے پر بھی لکھی تھی یہ بڑی اچھی نظم ہے اور اس میں بادشاہ نے بقرعید اور بسنت دونوں کی مسرت کی ترجمانی کی ہے۔ دو موضوعوں پر ایک ساتھ خیال آرائی کرنے میں محمد قلی کو بڑا کمال حاصل تھا۔ اس کی اس قسم کی نظمیں اردو شاعری میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائیں گی۔ اس کا نوروز اور روز عید کا قصیدہ اردو زبان میں اپنی آپ نظیر ہے۔ اسی طرح بقرعید اور بسنت کی نظمیں بھی نہایت ہی

پر لطف اور بلند پایہ ہے وہ لکھتا ہے :۔

"وہ بسنت بکرید کے ساتھ مل کر عشرت کے پھولوں کی بہار لے آیا اور

اور بسنت کا بکرید کے ساتھ آنا میری تمام رنگ بھری سہیلیوں کے دل کو بہت بھایا۔

اس کی خوشبو کی مہکاٹ سے اس جگ میں بہار آگئی بسنت اور بکرید کی وجہ

سے عیش کے پھول باغ عالم میں چھا گئے۔

تمام جنگل آسمان کی طرح سبز ہو گئے جن پر تاروں کی مانند پھول کھلنے لگے

بسنت نے بکرید کے ساتھ زہرا کو مجبور کر دیا کہ وہ منگل کے ساز پر گائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کھلتی ہوئی کلیوں کے نازک ہونٹ کچھ بھید بیان

کرنے کے لیے ہل رہے ہیں۔ کیونکہ بسنت بکرید کے ساتھ اس لیے آیا ہے کہ

دونوں مل کر بادشاہ کی تعریف بیان کریں۔ (جو ایک ہی کے بس کی بات نہ تھی)

جب بادشاہ خوبصورت سکھیوں کے چہروں پر رنگ ملتا یا ڈالتا ہے تو

ان کی آنکھوں کی پتلیں ایسی جھلکتی نظر آتی ہیں جیسے سورج نے رات میں تاروں

پر اپنی کرنیں ڈالی ہوں۔

ہماری بزم میں عشرت کے بادل اور آب حیات کی پھوار یا جھڑی برسنے

لگتی ہے کیونکہ بسنت نے بکرید کے ساتھ آ کر میرے دل کے چمن میں سکھ کی

کونپلیں اگائی ہیں۔

بسنت اور بکرید دونوں حضرت نبیؐ کی نظر کرم کی وجہ سے ایک جگہ مل کر آئے ہیں ہیں اور قطب زماں آنند اور سکھ پا رہا ہے۔

مرگ سال یا آمد برسات

مرگ سال یا آمد برسات کے موقع پر جو عید منائی جاتی تھی اس کا تذکرہ بھی نوروز اور بسنت کے بعد ضروری ہے۔ یہ یہ اصل میں عوام کی عید ہے۔ اور خورداد اور تیر کی چلچلاتی گرمیوں کے بعد جب موسم بدلتا ہے اور بارش شروع ہونے لگتی ہے تو زمین کے ذرہ ذرہ میں جان پڑ جاتی ہے۔ پھر انسانوں کا کیا پوچھنا! اور دکن میں تو موسم باراں ہی اصل میں موسم بہار ہے یہی وجہ ہے کہ محمد قلی نے بارش کے آغاز کو بڑی اہمیت دی اور جس روز مرگ لگتا یا برسات کا موسم شروع ہوتا وہ بڑی دھوم دھام سے مجلس آرائی کرتا۔ شراب کے دور چلتے۔ مطربانِ خوش نوا رقص و سرود کے کمال دکھاتے۔ باغوں میں جھولے ڈالے جاتے عشق و شیفتگی کے جذبات برانگیختہ ہونے لگتے۔ سہیلیاں مشک و زعفران و عنبر مل کر اپنے جسم کو معطر بناتیں اور بیر بہوٹی کے رنگ کے سرخ کپڑے زیب تن کرتیں۔ پھول اور پان کے طبق تقسیم کیئے جاتے۔ تمام محلات شاہی میں زمردی رنگ کی مسندیں بچھادی جاتیں اور ہر طرف خوشی و خرمی کا اظہار کیا جاتا۔

محمد قلی نے اپنے شاعرانہ کمال کا بہترین اظہار اس موضوع سے متعلقہ نظموں میں بھی کیا ہے۔ اس نے موسم باراں کی آمد آمد پر پندرہ نفیس نظمیں لکھیں اور گرمیوں کے بعد موسم کی تبدیلی کی وجہ سے کائنات جس طرح متاثر ہوتی ہے اُس کے ایسے پاکیزہ مرقعے چھوڑ گیا ہے جو اردو شاعری کے شاہکار سمجھے جاسکتے ہیں ان نظموں میں منظر نگاری کے بہترین نمونے دستیاب ہوتے ہیں۔ اس کی یہ نظمیں زیادہ تر گائی جاتی ہوں گی کیونکہ ان میں موسیقیت کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ اور قافیے اور ردیفیں ایسی استعمال کی ہیں جو لے کے ساتھ پڑھنے میں بڑا اثر پیدا کرتی ہیں۔

پہلی نظم میں وہ کہتا ہے :-

بارش کا موسم آیا اور کلیوں کا راج شروع ہوگیا۔ کیونکہ اب ہری ہری ڈالیوں کے سروں پر پھولوں کے تاج پہنائے جائیں گے۔

مینہہ کی بوندوں کا پیالہ ہاتھ میں لے لو کیونکہ ہر مہ جبین بڑھ چڑھ کر سج دہج کر رہی ہے۔

جسم ٹھنڈ کی وجہ سے لرز رہے ہیں اور جوبن کپکپا رہے ہیں۔ پیا کا چہرہ دیکھتے ہی چولی خود بخود پھٹی جا رہی ہے۔

نازنین کا چہرہ بجلی کی طرح چمکنے لگا جب وہ شرم کے مارے آنچل

ہٹا کر پھر چہرے پر ڈال لینے لگی۔

اس کے بالوں میں پھول ایسے نظر آنے لگے جیسے آسمان پر تارے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس عہد کی پدمنی ہے۔

چاروں طرف گرج کی آواز سنائی دیتی ہے اور مینہہ برستا ہے۔

عشق کے ترانوں سے موروں نے چمنوں کو معمور کر دیا۔

اے قطب شاہ حضرت مصطفیٰؐ کے صدقے سے برسات آئی ہے

اس دن عشق و عاشقی کے ساتھ حکومت کرو۔

آمد برسات کی بعض نظموں میں بادشاہ نے اپنی فتحمندی اور خوش طالعی پر بھی بڑی مسرت کا اظہار کیا ہے اور اپنی تعریف میں اتنا زیادہ لکھا ہے کہ خود ستائی تک پہنچ گیا ہے۔ ساتھ ہی بعض دشمنوں کی بڑی مذمت کی ہے اور ان کی ذلت و رسوائی اور ناکامی کا تلخی کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے بارش سے قبل بعض اہم لڑائیوں میں فتح پائی تھی۔ چنانچہ مدعیان سلطنت عبدالقادر عرف شاہ صاحب اور خدابندہ (برادران محمد قلی) کی بغاوت کے تذکرے میں بارش سے متعلق انہی نظموں میں سے ایک کا ذکر

کیا جا چکا ہے۔

بارش کی دوسری نظم میں اس نے جس طرح خود ستائی کی ہے اس کا اظہار پہلے کیا جا چکا ہے۔ کیونکہ اس نظم کے بعض شعروں کا خلاصہ اس کتاب کے صفحہ ۱۰۲ پر درج ہو چکا ہے۔

مرگ سال کی پانچویں نظم تو صرف نام کو بارش سے متعلق ہے۔ ورنہ پوری نظم بادشاہ کی فتحمندی اور دشمنوں کی شکست کی خوشی سے معمور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عین بارش کے آغاز کے وقت اس کو کوئی بڑی فتح نصیب ہوئی تھی۔ یہ نظم اور اس کا خلاصہ اس کتاب کے صفحات ۱۰۳ و ۱۰۴ درج ہے۔

اسی طرح آٹھویں نظم کے خاتمہ پر بھی کسی کامیابی کی طرف اشارہ کیا ہے جب کہ کہتا ہے:۔

اے محمد قطب شاہ خوشی کی خبریں آئی ہیں۔ اس لئے مرگ کے ساتھ فتح و کامرانی کی تقریب بھی منعقد کرو۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بحث تھی لیکن اس کا تذکرہ اس لیے چھیڑا گیا کہ گولکنڈہ میں محمد قلی کے عہد حکومت میں جو لڑائیاں ہوئیں ان میں ملک کے حالات کے پیش نظر بارش سے قبل فتح حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس طرح

عہد محمد قلی کی لڑائیوں کے مہینوں کا تعین کرنے میں ان نظموں سے مورخ کو بڑی مدد مل جاتی ہے۔

اصل موضوع یعنی آمد برسات کی رنگ رلیوں کا بھی خود محمد قلی کی زبان سے کچھ حال معلوم کر لینا دلچسپی سے خالی نہیں۔

گیارھویں نظم میں وہ مرگ کی تقریب منانے کے لئے اپنی سکھیوں کو یوں دعوت دیتا ہے:-

مرگ کے بادل گرج رہے ہیں، اے سکھیو آؤ اور سنگار کرو۔ بارش کے قطرے آہستہ آہستہ گرنے لگے تم ان سے اپنی چولی بھگا لو۔ (تاکہ تمھارے جوبن کی بہار نظر آئے)۔

عطار نے ہواؤں کے جنگل میں پھولوں کے طبل کھول کر خوشبو کی مہکار اٹھا دی ہے اس لیے تم پھر میرے دل میں چلے آؤ۔

جس طرح ڈالیوں پر سرخ پھول نکل آئے ہیں اسی طرح تم اپنے بازوؤں پر بازو بند کے سرخ پھندنوں کی بہار دکھاؤ۔

بادلوں کی وجہ سے آسمان اور زمین کا ایک رنگ ہو جانا! بڑا اچھا منظر دکھائی دے رہا ہے۔ آج عیش کا دن ہے اس لیے

اے سکیو ملہار گاؤ۔

تم سب سر سے پاؤں تک پر تکلف اور چمکدار سرخ لباس پہن لو۔

جس طرح سورج شفق میں چمکتا ہے اس طرح اے سکیو تم میں سے ہر ایک چمکے۔

ہونٹوں کی یاقوتی پیالیوں سے شراب محبت بھر کے نئے بادشاہ محمد کو بھی پلاؤ۔ ناچنے والیوں کو اپنی آنکھوں کی پتلیوں سے شراب پلا کر مست بنا دو تاکہ وہ شاہی مندر کے صحن میں نٹوں کی طرح ناچنے لگیں۔

یہ نظم محمد قلی کے تخت نشین ہونے کے بعد ہی جب پہلی دفعہ مرگ لگا ہے اس وقت یعنی ۹۸۸ھ کی برسات کے آغاز میں لکھی گئی تھی۔ کیونکہ اس نے خود کو اس نظم میں نئے بادشاہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اس طرح گویا وہ سولھویں سال میں تھا جب یہ نظم لکھی گئی ہے۔ اور در اصل یہی نظم گولکنڈے میں مرگ کی تقریب منانے کا آغاز کرتی ہے۔

ایک اور بہت اچھی نظم جو غالباً بہت بعد لکھی گئی اس سلسلہ کی نویں نظم ہے۔ اس کی تصنیف کے وقت اس تقریب کو رائج ہوئے عرصہ گزر چکا تھا کیونکہ اس میں وہ آمد برسات کی خوشیوں کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے جیسے کوئی بارہا ان تقریبوں سے محظوظ ہو چکا ہو اور اب اپنے گزشتہ کے تجربے بیان کر رہا ہے۔ اس نظم کی

بحر طویل اور زمین بڑی پر لطف اختیار کی گئی ہے۔ اس میں کہتا ہے :۔

مرگ کے بادلوں کو گرجتا ہوا دیکھ کر بالیاں (دوشیزائیں) چاروں طرف سے آئیں اور فوجوں کی طرح ایک جگہ جمع ہوگئیں۔ اور اپنے زرق برق لباس سے زمین پر بجلیاں چمکانے لگیں۔

ان نئی نئی اور شوخ دوشیزاؤں نے اپنی چولیاں پانی کی بوندوں سے بھگائی ہیں اور جھولوں میں بیٹھ کر جھُل رہی ہیں۔

شراب عشق کے پیالوں، غمزہ کرنے والی آنکھوں کی چالوں، اور جوانی کے الاؤں (ترنگوں) سے مست ہوکر یہ دوشیزائیں آپس میں عیش منا رہی ہیں۔

ان چھیلی پتلیوں جیسی دوشیزاؤں کے جوبن چولیوں کے بند سے آزاد ہوکر نکل پڑے ہیں، ان کے جسم سے شراب عشق ابل رہی ہے، اور وہ اپنی آنکھوں سے فریفتہ بنا رہی ہیں۔

اپنے زرق برق لباس کی وجہ سے ہر لمحہ جگمگا رہی ہیں، رہ رہ کر بادشاہ کے گلے لگ رہی ہیں، اور چال میں ایسی ڈگمگا رہی ہیں جیسی کہ باولی لڑکیاں ہیں۔

ایک سے زیادہ دوسری چمک، دمک دکھاتی ہیں جس کو دیکھ کر دنیا کے

بڑے بڑے سیانے راہ بھٹک جائیں۔ جب یہ چلبلی لڑکیاں مست خرام ہوتی ہیں تو ڈھلے ہوئے موتی بھی ان کو دیکھ کر مارے شرم کے پانی پانی ہوجاتے ہیں۔

نبیؐ کے صدقے میں یہ پاک و صاف دوشیزائیں نازو انداز کے ساتھ رات اور دن قطب شاہ کے ساتھ رہتی ہیں اور اپنا من بھاتا سکھ حاصل کرتی ہیں۔

اس نظم کی ردیف لفظ بالیاں (یعنی دوشیزائیں) ہے۔ اور قافیے چلبلیاں، ننلیاں، نرلیاں، بجلیاں، ملیاں، اور باولیاں وغیرہ۔

ایک اور نظم (نمبر ۱۲) کی ردیف "میں" اور قافیے گگناں، چمناں، اور جوبناں وغیرہ ہیں۔ اس کی بحر بھی خاص ہے۔ چونکہ اس میں بارش کے مناظر کے لیے بڑی اچھی تشبیہیں استعمال کی ہیں اس لئے اس کے چند اشعار کا خلاصہ بھی درج کیا جاتا ہے:۔

آسمان پر فرشتوں نے مرگ کے جینے کو دعوت دی اور اس خوشی میں سمندر کے موتیوں کو آسمان سے برسایا جن سے ہمارے صحن بھر گئے۔

زمین نے سر پر جواہر کی پگڑی باندھ لی اور آنگ میں کانچ کے رنگ

کی چولی پہن لی۔ اور لعل یمن جیسی بیر بہوٹیاں تمام ملکوں میں نکل آئیں۔

ہر طرف ہرے بھرے جنگل دیکھ کر چاروں طرف سے مور کوک رہے اور رنگ برنگ کے پرندے چمنوں میں مست ہو کر نغمے گا رہے ہیں۔

ہرے جنگل میں لال لال پھول نہیں ہیں بلکہ زمرد کی لگنوں میں شبنمی تیل سے شمعیں جل رہی ہیں۔

اس تازگی اور طراوت کو دیکھ کر موہنیاں اپنے خوشرنگ جسموں پر رنگ برنگ کے لباس پہنی، اپنے جوبنوں کی بہار دکھاتی ہوئی، نازو انداز کے ساتھ محو خرام ہیں۔

ان کے آب حیات جیسے صاف وشفاف پستانوں کے ساتھ سیاہ بھیٹنیں (سر پستان) ظلمات کی طرح لگی ہوئی ہیں۔ یا جوبن کے پاک وصاف آسمانوں پر ڈو کالے کالے بادل چڑھ آئے ہیں۔

ہوا کا نظارہ کرنے کے لیے مست سہیلیوں نے شراب پی لی ہے اور چنبیلی کے پھولوں میں بھنورے ملہار کے گیت گاتے پھر رہے ہیں۔

یہ مشک جیسے سیاہ بھنورے نہیں ہیں جو پھولوں کو اپنا وطن بنائے ہوئے ہیں بلکہ چنبیلی جیسی نرل تھوڈیوں کی کالی کالی تلیں ہیں۔

زر بینے کے لباس میں سکیاں سر سے پاؤں تک زرق برق نظر آرہی ہیں اور
اُن کے گھنگروؤں اور پیجنوں نے میرے دل کو بھا کر مچھلی کی طرح بے تاب بنا دیا ہے۔

آخر میں ایک اور نظم کے تذکرے کے بعد اس موضوع کو ختم کیا جاتا ہے۔ یہ نظم ایک ایسے وقت لکھی گئی تھی جب کہ عید میلاد نبی کے زمانے میں یعنی وسط ماہ ربیع الاول میں دھوپ کا لاختم ہو کر بارش کا آغاز ہو رہا تھا۔ بادشاہ اس سال آمد برسات کو خاص اہمیت دیتا ہے اور کہتا ہے:۔

یوم میلاد نبی میں آنے کی وجہ سے مرگ سال کو وہ لطف حاصل ہوا جو عام طور پر دنیا میں نہیں ملتا۔
مرگ سال نے یوم نبیؐ کی خوشی میں چاروں طرف بادل کے منڈپ تان دیئے
ہیں اور بجلیوں کے تار امنڈل گرج رہے ہیں۔
اس دفعہ کچھ ایسے طریقے سے مرگ سال فضا پر چھایا ہوا ہے کہ زمین
تازہ ہو کر مارے خوشی کے ہنس رہی ہے۔
ہرے ہرے فرش پر مرگ سال نے خود فراش بن کر موتیوں کے بچھونے بچھا دیئے ہیں۔
اور دنیا میں جملہ مخلوق کو (مساوی طور پر فیض پہنچا کر ایک طرح سے عیش
کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور پاک و صاف بارش کے قطروں کو گلاب بنا کر عالم کے سینے پر چھڑک دیا ہے
قطب شاہ کو عید میلاد نبی مناتا ہوا دیکھ کر مرگ بھی بڑے شوق سے نبیؐ کا
سہیلا گا رہا ہے۔

رسم و رواج اور دیگر مصروفیتیں

عیدوں اور تہواروں کی دھوم دھام اور مصروفیتیں معلوم کرنے کے بعد ہمارا خیال محمد قلی قطب شاہ کی خانگی دلچسپیوں اور روزمرہ کی مصروفیتوں کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ جب ہم اس موضوع کی خاطر تاریخوں اور کلیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ محمد قلی گولکنڈہ یا قطب شاہی تمدن و معاشرت کا سب سے بڑا تعمیر کار تھا۔ اس کے عہد میں جو رسم و رواج چل پڑے وہ اس کے بعد بھی صدیوں تک باقی رہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس کو آج دکنی تہذیب و معاشرت کہا جاتا ہے وہ زیادہ تر محمد قلی ہی کی مرہون منت ہے۔

دکن میں شادیوں کے سلسلے میں جو رسم اب تک رائج تھے ان میں سے اکثر محمد قلی کے رائج کردہ ہیں۔ یہ معلوم کرکے حیرت ہوتی ہے کہ حیدرآباد اور مضافات میں اب تک (یعنی ساڑھے تین سو سال گزر جانے کے بعد بھی) جلوہ کے وقت محمد قلی قطب شاہ ہی کے لکھے ہوئے گیت گائے جاتے ہیں۔ مہندی اور ساچق کے رسوم بھی

اس نے بڑی دھوم دھام سے جاری کئے تھے۔ اور سالگرہ کی تقریب منانے پر تو اس نے خاص طور پر توجہ کی تھی۔

اس باب میں پہلے انہی مذکورہ رسوم سے متعلق معلومات پیش کرنے کے بعد محمد قلی کی دوسری روزمرہ کی مصروفیتوں اور دلچسپیوں کے متعلق اجمال کے ساتھ لکھا جائیگا۔

سالگرہ

محمد قلی اپنی سالگرہ کی تقریب بھی عیدوں اور تہواروں کی طرح بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام کے ساتھ مناتا تھا۔ یہ اگرچہ اس کا خانگی کاج تھا لیکن ہر طبقہ اور ہر قوم کی رعایا کے لیے یہ ایک مشترکہ قومی تقریب بن گئی تھی۔ خود بادشاہ نے اس کو تمام اہل ملک کے لئے ایک سرکاری عید کے طور پر رائج کردیا۔

یوں تو محمد قلی قطب شاہ ۴ ررمضان کو جمعہ کے دن پہلے پہر میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن اس کی سالگرہ کی تقریب ہر سال اسی تاریخ کو نہیں منائی جاتی تھی بلکہ رمضان کا چاند دیکھنے کے ساتھ ہی ماہرین نجوم کے مشورہ سے تاروں کو دیکھ کر مبارک ساعت اور اچھی گھڑی کا تعین کر کے بادشاہ کی سالگرہ منانے کا دن تاریخ اور وقت مقرر کیا جاتا تھا۔

دن اور وقت کا تعین ہوتے ہی تمام محلاتِ شاہی کو آراستہ کیا جاتا بڑے بڑے شامیانے یا منڈپ اور آسمان گیریاں تانی جاتیں جن کے اونچے اونچے

تھموں کے کلس چاند اور سورج کی طرح چمکتے رہتے تھے ۔ خوشی کے دمامے بجنے لگتے ٹھٹھیاں بجائی جاتیں اور تارا منڈل چھوڑے جاتے ۔

جہاں سالگرہ کے پھول پہنائے جاتے تھے اس جگہ نیلگوں رنگ (جو قطب شاہیوں کا سرکاری رنگ تھا) کا چتر لگایا جاتا ۔ اور جب بادشاہ مرصع لباس زیب تن کئے اور سر پر شاہی تاج رکھے اس چتر کے نیچے مسند پر بیٹھتا تو سات سہیلیاں پھولوں کا منڈپ پکڑی کھڑی رہتیں ۔ یہ منڈپ نیشکر یعنی گنّے کی چھڑیوں پر باندھا جاتا تھا۔ اور گنّے کی ان چھڑیوں کو یہ سات نازنینیں تھامی رہتی تھیں ۔

بڑے بڑے طبقوں میں مشک و زعفران بھر کر لایا جاتا تھا جو بادشاہ کے ساتھ تمام حاضرین محفل کو بھی لگایا جاتا ۔ اس دعوت میزبانی میں اتنے لوگ جمع ہوتے کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی ۔ بادشاہ قبلہ رو بیٹھتا تھا ۔ اور چودہ ائمہ معصومین کے نام لے کر سہرا باندھتے ۔ حضرت علیؑ کا نام لے کر گلے میں ہار پہناتے اور مصری چبانے کے لئے پیش کیجاتی ۔ اس کے بعد نظر اتاری جاتی اور زر و جواہرات نثار کئے جاتے ۔

بادشاہ کے مصری چبانے کے ساتھ ہی تمام مخلوق میں مصری تقسیم کی جاتی تھی اس اثنا میں گانے اور ناچنے والیاں اپنے اپنے کمال دکھاتی رہتیں دعوت میزبانی کے آخر میں اتنے پھول پان تقسیم ہوتے کہ ان کا خرچ لکھنا مشکل تھا ۔

جس روز بادشاہ کی سالگرہ منائی جاتی تمام ملک میں ہر مذہب و ملت کے لوگ سجدے کر کے یا ہاتھ اٹھا اٹھا کر بادشاہ کی درازیٔ عمر کے لئے دعا کرتے شاہی باورچی خانوں سے لال لال طبقوں میں الوان نعمت کی تقسیم عمل میں آتی۔

یہ تمام معلومات تاریخوں سے نہیں بلکہ خود محمد قلی قطب شاہ کے کلام سے حاصل ہوئی ہیں۔ اس نے اپنی سالگرہ سے متعلق ہر سال ایک نہ ایک نظم ضرور لکھی تھی جن میں سے دس کلیات میں شائع ہوی ہیں، ان نظموں کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان میں اس نے خدائے تعالی کی عنایتوں کا بڑی عاجزی سے اعتراف کیا ہے۔ اس کے احسان مندی کے جذبات جتنے ان نظموں میں نمایاں ہیں کہیں اور نہیں۔ وہ ہر سالگرہ کے وقت سر تا پا عجز و انکسار کا پتلا اور خدا کا سچا سپاس گزار بندہ بن جاتا تھا۔ وہ اپنی درازیٔ عمر اور ترقی اقبال کے لئے بڑے عجز و الحاح کے ساتھ دعائیں مانگتا ہے اور اس کو یقین تھا کہ وہ اپنی ہر سالگرہ محض نبیؐ اور اہل بیت نبیؐ کے مہر و کرم کی وجہ سے دیکھ سکتا ہے۔ اس لیے وہ ان سب کی مدح و منقبت میں رطب اللساں ہے۔ ان نظموں میں اس نے خودستائی بھی کی ہے لیکن اس میں بھی اس کو نبیؐ و آل نبیؐ ہی کی توصیف و مدحت مقصود تھی مثلاً تیسری نظم میں لکھتا ہے:۔

خدا کی رضا سے سالگرہ آئی ہے۔ اس لئے تو اس کا ہزار بار شکر ادا کر۔

میرا راج اماموں کی دعا کی وجہ سے قایم ہے اور اسی لیے خدا نے گویا آب حیات پلا دیا ہے۔

نبیؐ کی دعا میرے سر پر ایک منڈپ کی طرح ہے اور اس منڈپ کی طنابیں اماموں کی دعائیں ہیں۔

تیرے جسم کا ہر رواں ایک زبان ہے اور تو ان تمام زبانوں سے شکر ادا کر کہ تیری قسمت کے تارے کو شرف بخشا گیا۔

اے معانی تو محمد پر صلواۃ بھیج کیونکہ انہی کی وجہ سے تو بچپن سے دنیا میں سرخرو ہے۔

اس سلسلے کی پانچویں نظم بہت اچھی اور اعلیٰ پائے کی ہے اس میں محمد قلی قطب شاہ کہتا ہے:۔

حبیب حق کی عنایت سے میری سالگرہ کے دن آئے ہیں اور علی کی محبت کی وجہ سے میری محفل معمور ہے۔

محمد قلی کے سر پر پھولوں کا منڈپ اس طرح اٹھائے کھڑا ہے گویا خدا نے آسمان کو ستاروں سے سجا دیا ہے۔

میرے سر پر محمد کا نام لے کر سہرا باندھا گیا اور گلے میں علیؑ کے نام سے حمایل پہنائے گئے۔

سکیوں نے اس تقریب میں اپنے سینے کے صدر پر جوہیوں کو پھولوں کی گیندوں کی طرح ہزاروں چھند بند سے سجایا ہے۔

سہیل ساقی بن کر سنبلہ کی صراحی سے مشتری کے پیالے میں شراب پلانے کے لیے آیا ہے۔

فرشتے مجھے چکانے کے لیے آسمان کے طبق میں ستاروں کے نقل بھر کر اپنے ساتھ لائے ہیں

سکھیاں سرخ رخساروں کے طبق میں عشق و محبت کی نعمت رکھ کر اپنے
پیارے بادشاہ کو بڑے انداز سے کھلا رہی ہیں۔
آسمان کے طبق میں سورج اور چاند کے کاسے رکھ کر ان کو زعفران اور مشک
سے بھر دیا گیا ہے تاکہ میری محفل میں کام آئیں۔
آسمان نے بادلوں کے منڈل اور فرشتوں نے چاند اور سورج سے تالیاں
بجا کر میری دلچسپی کے لئے سکھیوں کو نچایا ہے۔
محمد قلی ہمیشہ محمد کا غلام ہے اور اس نے آج علیؑ کی مہربانی کی وجہ سے سکھ اور آنند حاصل کیا۔
نبی کے صدقے میں اے قطب شاہ علیؑ سے مدد مانگ تاکہ تو آج کے دن لاکھ برس
تک سالگرہ مناتا رہے۔

اسی طرح جملہ نظموں میں خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ خدا نبیؐ اور اہل بیت نبیؐ کی منقبت بڑی پاکیزگی سے قلمبند کی گئی ہے۔ یوں تو سالگرہ کی اکثر نظمیں اس قابل ہیں کہ ان کو پڑھ کر بادشاہ کے خلوص اور تخیل کی صفائی سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں لیکن یہاں ایک اور نظم کا خلاصہ درج کر کے بحث کو ختم کیا جاتا ہے۔ ساتویں نظم میں لکھتا ہے:۔

فرشتے عرش کے اوپر بادشاہ کی سالگرہ مناتے ہیں اور ساتوں آسمان کے محلوں
میں بادل فراش بن کر فرش بچھاتے ہیں۔

پنجتن، بارہ اماموں اور چودہ معصوموں کے کرم کی وجہ سے بادشاہ کو آج لاکھ برس کی سالگرہ بڑی آرزو اور ارمان سے حاصل ہو رہی ہے۔

تمام حوروں نے سجدہ کیا تا کہ بادشاہ ہمیشہ زندہ رہے اور فرشتے ہاتھ اٹھا کر اس دعا میں آمین کہہ رہے ہیں۔

آسمان پر خوبریوں کے چہروں کے افشاں کی طرح تارے نہیں ہیں بلکہ بادشاہ کی سالگرہوں کی گرہیں ہیں جو دو عالم کے لئے باعث زینت بن گئی ہیں۔

بادشاہ کے گھر میں مہمانی دعوت ہوتی دیکھ کر سورج اور چاند بھی مہمان بن کر آئے ہیں بجلیاں خوشی سے ناچ رہی ہیں اور عشرت کے بادل چھا رہے ہیں۔

چاروں طرف سے بادل مل مل کر دوڑے آرہے ہیں گویا فرشتے اس تقریب میں آسمان کے پسینے کو لینے کے لیے مشک لے آئے ہیں۔

پنجتن پاک قطب شاہ کو اپنی عنایت سے حیات اور بخت و دولت دیکر خضر کی طرح جلا رہے ہیں۔

مہندی

سالگرہ کے بیان کے ساتھ ہی مہندی کے رسم کی تفصیل بھی قابل ذکر ہے۔

اس موضوع پر ایک ہی نظم سے معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ جس میں وہ کہتا ہے کہ :۔

خوشیوں کے طبل بجائے جا رہے ہیں اور قطب زماں کو طرح طرح سے آب حیات پلایا جا رہا ہے مجھے اس بارگاہ میں بٹھایا جا رہا ہے جہاں کا رنگ بڑا سہانا ہے اور جہاں نبی کا نام

لے کر سورج جیسی شمعیں لگائی گئی ہیں۔

وہاں کی مسندیں زرنگار ہیں جس کے کندن میں تارے جڑے ہوئے ہیں۔ اور وہاں سونے سے بنائے ہوئے سرو کے درخت خاص آرائش و زیبائش کے ساتھ سجائے گئے ہیں۔

اس بارگاہ کے صحن میں زہرہ کی طرح زرق برق محافے روشن ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورج کی کرنیں چمک دمک کے ساتھ سر اٹھائی کھڑی ہیں۔

ایک خوبصورت رنگیلی بڑی نزاکت و رنگینی کے ساتھ بہت سے رنگ لا کر مہندی بادشاہ کے پاؤں کو کئی ایک چاؤوں کے ساتھ لگاتی ہے۔

مہندی لگانے کے بعد تمام پیارے یکے بعد دیگرے بادشاہ پر سے بل بل جاتے ہیں (بلائیں لیتے ہیں) اور خوش بخت سندریاں رنگ اور رس کے ساتھ ناچتی ہیں۔

نبیؐ کے صدقے میں قطب شاہ کو یہ خوشیاں زیب دیتی ہیں کیونکہ وہ ان خوشیوں اور انند میں تمام دنیا کو شریک کر کے اپنا فریفتہ بنا لیتا ہے۔

اس خلاصے کے بعد کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ مہندی کے رسم سے متعلق اور کچھ لکھا جائے یہ محمد قلی قطب شاہ کے شاعرانہ کمال کا طفیل ہے کہ اس کی زندگی کے اکثر واقعات کے نہایت نفیس اور مکمل مرقعے ہمارے لیے محفوظ رہ گئے۔

جلوہ اس موضوع سے متعلق محمد قلی نے جو نظمیں لکھی ہیں وہ بڑی دلاویز ہیں۔ چھ نظمیں تو محض جلوہ پر ہیں اور ایک جلوہ کی گھڑیوں اور پہروں سے متعلق ہے جو تقسیم اوقات کے عنوان سے درج کلیات ہے۔

یہ تو یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سب نظمیں محمد قلی نے اپنی شادیوں کی تقریب میں لکھی ہوں گی البتہ اتنا ضرور ہے کہ ان میں سے اکثر خود اس کی زندگی سے متعلق ہیں۔ محمد قلی نے دو تین شادیاں دھوم دھام سے شرعی طریقے پر کی تھیں جن کا ذکر تاہل اور اولاد کے عنوان میں درج ہے۔ لیکن ان باضابطہ نکاحوں کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کئی نازنینوں سے جملہ رسوم کے ساتھ شادیاں رچائیں اور جلوہ کی یہ نظمیں زیادہ تر انہی تقریبوں میں لکھی گئی ہونگی۔ اس کی بارہ پیاریوں کا تذکرہ گذر چکا ہے چنانچہ ان پیاریوں میں سے بعض کے نام بھی ان نظموں میں اس نے لکھ دیے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری، چوتھی، پانچویں، اور چھٹی نظم علی الترتیب کنولی، پیاری، موہن اور ننھی کے جلوے کی تقریب میں لکھی گئی تھی۔

ان نظموں کے مطالعے سے اس عہد کی دلہنوں کے بناؤ سنگھار اور رسم جلوہ کے طریقے واضح ہوتے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف بڑے اہتمام سے جلوے کا تخت سجایا جاتا تھا اور چوکی کو چاروں طرف سے موتیوں سے آراستہ کرتے تھے۔ اور دوسری طرف مشاطائیں دلہن کے ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی لگاتیں کندنی کلیوں کے ہار گوندھے جاتے۔ تمام عورتوں کو اس تقریب میں موتیوں کے کناروں کی ساڑیاں بندھوائی جاتیں۔

سات سہاگنیں مل کر دلہن کے بالوں میں تیل لگاتیں، کنگھی کرتیں، چوٹی گوندھتیں۔ مانگ میں موتی پروئے جاتے۔ مشاطہ ہاتھوں کا بناؤ سنگھار کرتی پیشانی پر چاند سا ٹیکہ لگایا جاتا۔ آنکھوں میں

کاجل اور سرمے کے خط کھینچے جاتے۔ ایسے مہین کپڑے کا زرین لباس پہنایا جاتا کہ دلہن کا تمام جسم اس میں سے جھلکنے لگتا اور اس کے جوبن ایسے نظر آتے جیسے کہ سونے کے طبق میں پھولوں کی گیندیں کھڑی گئی ہوں اور ان پر دو کالے کالے بھونرے بیٹھے ہوں۔ اس طرح آراستہ و پیراستہ کر کے ساتوں سہیلیاں دلہن کو جلوے کے تخت پر لا کر بٹھائیں اور اس کے سر پر سہرا اور گلے میں پھولوں کے ہار پہنائیں۔ اس وقت اگرچہ دلہن کے جسم اور سر پر جلوے کی چادر یا آنچل اوڑھایا جاتا تھا لیکن وہ بھی اتنے مہین کپڑے کا ہوتا کہ سہرا اور گلے کے ہاروں کے علاوہ جگہ جگہ سے اس کا جسم ایسا جھلکنے لگتا جیسے کہ بجلیاں ابر میں چمک رہی ہوں۔ پھول پہنانے کے بعد دولہا اور دلہن دونوں کو شربت پلایا جاتا اور دونوں کے ہاتھوں میں پان کے بیڑے دئے جاتے تاکہ ایک دوسرے کو کھلائیں۔

اس تفصیل کے بعد نمونے کے طور پر جلوے کی صرف ایک نظم یہاں نقل کر دی جاتی ہے جو اس سلسلے کی پہلی نظم ہے ۔

پریم پیاری کا جلوہ گاؤ سارے ۔۔۔ اسے چند سور سوں پریاں سنگارے
(چاند سورج)
سہاگاں بھاگ پھل منک کھلے ہیں ۔۔۔ سہیلیاں آرتی تارے نوارے
رچاؤ تخت جلوے کا خوشی سوں ۔۔۔ کہ چوندھر چوک موتیاں سوں سنوارے
چڑاو نیل اب ساتوں سہاگان ۔۔۔ مشاطہ ہو کے زہرہ ہٹ نگارے
پلا شربت دیو و ہاتاں میں بیڑے ۔۔۔ بندا و وسا ریاں موتیاں کنارے
محمد قطب شاہ ہور اس پری کوں ۔۔۔ خدایا رکھ جداں لک ہیں ستارے

جلوہ کی نظموں کے سلسلے میں ایک اور طویل نظم کا تذکرہ ضروری ہے جو جلوے کی گھڑیوں اور پہروں کی مصروفیتوں پر قلمبند کی گئی ہے اس میں محمد قلی لکھتا ہے :۔

نازنین پہلی گھڑی میں ساتنی کی بارش کے موتی جیسے قطروں سے غسل کرتی ہے اور دوسری گھڑی میں عشق کی چادر اوڑھتی ہے ۔

تیسری گھڑی میں اپنے گلے میں پریم کی گلسر باندھتی ہے اور چوتھی گھڑی میں چوکی پر بیٹھ کر محبوب کو شراب حیدری پلاتی ہے ۔

پانچویں گھڑی میں پانچویں رنگوں کو آگ کی طرح نغموں سے روشن کرتی ہے اور اور چھٹی گھڑی میں اپنی چھاتی کی عنبری خوشبوئیں سنگھاتی ہے ۔

ساتویں گھڑی میں ساتوں سکھیاں مل کر مجھے چیرا باندھتی ہیں اور آٹھویں گھڑی میں بڑے پھندوں کے ساتھ ہوا کی چادر اوڑھتی ہے ۔

گھڑیوں کو گنا چھوڑ کر میں اب پہروں کو گنتا ہوں پہلے پہر میں کنولی کے بالوں میں کیوڑے کے پھولوں کی خوشبو مہکتی ہے ۔

دوسرے پہر میں سکی اپنے کان میں دوپہری پھول لگاتی ہے ۔ یہ شراب میرے کس کام کی مجھے تو شراب کوثر پلانا چاہیے ۔

تیسرا پہر عبادت اور اللہ و محمدؐ و علیؑ کے ذکر کے لیے ہے جب کہ غلام قنبر خوشیوں کے پیالوں کی طرح بجنے لگتا ہے ۔

چوتھے پہر میں پدمنی قطب زماں سے آکر ملتی ہے کیونکہ نبیؐ کے صدقہ میں قطب زماں اس عہد کا انوری ہے ۔

اس نظم کے ہم معنی اور ہم قافیہ ایک نظم جلوہ کی گھڑیوں پر رسالہ سب رس بابتہ جولائی ۱۹۴۰ء میں شایع ہوئی ہے ۔ جس کو ایک صاحب جمال الدین حیدر نے اسی سال جگتیال (ضلع عادل آباد)

میں جلوہ کی رسم میں عورتوں کو گاتے ہوئے سنا تھا۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی محمد قلی ہی کی لکھی ہوئی ہوگی یا اس کے قریبی زمانے میں کسی نے اس کی نظموں کی تقلید میں یہ نظم لکھی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرور ایام کی وجہ سے اس نظم میں چند الفاظ بدل گئے ہیں تاہم اس کا محمد قلی کی اس نظم سے مقابلہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی شخص یا ایک ہی زمانے کی تحریریں ہیں۔ یہاں ہم ان دونوں نظموں کے چند شعر پہلو بہ پہلو پیش کرتے ہیں تاکہ محمد قلی کے کلام کی مقبولیت کا اندازہ ہوسکے

محمد قلی کی نظم

پہلی گھڑی سانتی کے میتہ موتیاں سیتی نہاتی پری
دوسری گھڑی میں عشق چادر اوڑے ہے او استری
تیسری گھڑی باندھے پرم کی گلسری اپ کنٹھ میں
چوتھی گھڑی چو کاں بچے بیلاتی منج مدحیدری
ساتویں گھڑی ساتوں سکیاں مل کر بندا وچہبر منج
آٹھویں گھڑی چھنداں سیتی اوڑے پون کا چادری

عہد حاضر میں مستعملہ نظم

پہلی گھڑی سر نہا دہو کر پھول پہنی چوٹا ڈال کر
تن بیتے خوشبو لاؤ کر پھول پہنی چند استری
دوسری گھڑی پاؤں پایجنا گھنگرو جو بجنے رم جھما
گھنگرو کی صنعت کیا کہوں پاؤں پہنی چند استری
تیسری گھڑی ڈنڈ کے کڑے مانگی کے موتی یوں جڑا
چو نسر ناراں یوں گھڑے اس مول اس کا بن دھڑا

کھیل کود اور دوسری مصروفیتیں

سالگرہ، مہندی، اور جلوہ وغیرہ کی رسموں اور مصروفیتوں کے بعد اب ہم محمد قلی قطب شاہ کی دوسری مصروفیتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم نٹوں اور بھانڈوں کی ایک محفل کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ

اس عہد میں ہر محفل اور ہر تقریب میں رقص و سرود ضروری تھا چنانچہ عیدوں اور تہواروں اور رسوم کی جملہ محفلوں میں محمد قلی نے ناچ اور گانے کا التزام سے تذکرہ کیا ہے لیکن رقاصاؤں کے علاوہ ایک اور طبقہ نٹوں یا نٹووں کا تھا جو اپنے اعضا کی حرکتوں اور پھرتیلی اداکاری کے ذریعے سے عجیب عجیب کرتب دکھاتے تھے۔ جن کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے جسم میں ہڈی ہی نہیں ہے۔

ناٹک یا نٹوں کے کرتب

محمد قلی کے عہد میں بڑے باکمال نٹ یا نٹوے موجود تھے۔ اور وہ ناٹک کی طرح ایک محفل ترتیب دیا کرتا تھا جس میں یہ باکمال اپنی اداکاری کے جوہر دکھاتے تھے۔ اس موضوع پر اس نے ایک اعلیٰ پائے کی نظم لکھی ہے جس کے حسب ذیل خلاصے سے اس محفل کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں:۔

آج بادشاہ زریں پر تکلف لباس سے آراستہ ہوا ہے اور اس کے جسم اور چہرہ کا نور موتیوں کی طرح چاروں طرف جھلک رہا ہے۔

دنیا کے تمام باکمال (خوباں) بادشاہ کے دربار میں خدمت گزاری کے لئے موجود ہیں چاروں طرف یوسف جیسی صورت والے اور نازک اور کم عمر حسین استادہ ہیں۔ ان خدمتگاروں کے ہاتھوں میں موتی جڑے ہوئے کہکشاں جیسے ڈنڈے (عصا) ہیں جن کے کلس سورج جیسے چمکدار اور جسم سونے کی طرح ہیں۔

زرتار کی ڈوریاں کرنوں کی طرح اور نٹوے درمیان میں تاروں کی طرح رقصاں ہیں یہ تارے (یعنی نٹ) ایسا چمکدار لباس پہنے ہوئے ہیں کہ ان کا نور سورج سے زیادہ چمک رہا ہے۔ ان کو جب دور سے فرشتے دیکھتے ہیں تو بیچارے حیران ہو جاتے ہیں۔

ان کے کانوں میں بجلیوں کے ٹکڑوں کی طرح آویزے چمکتے ہیں۔ اور یہ کئی طرح

کے پھندبندکر کے کولانٹ کھیلتے، کولاٹیاں یا قلابازیاں کھاتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ مہ پارے کیسے شوخ ہیں!

ان نٹوں نے اپنے چہروں کو اس طرح بنایا ہے کہ ان کی آنکھوں کے قریب سوکہ یا خط سرمہ ایسا نظر آتا ہے جیسے بھوجنگ (اژدہا) زبانیں نکالے کھڑے ہوں۔ آنکھوں کے لال رنگ کے ڈورے جنگاریاں ہیں اور رخسار شعلے کی طرح دہکتے ہیں۔

ان کے ہاتھوں میں جگہ جگہ مہندی کے بوند ایسے نظر آتے ہیں جیسے ہرے ہرے پتوں میں لال پھول ہوں۔ اداکاری کے ساتھ ساتھ یہ ایسی اچھی گفتگو بھی کرتے ہیں کہ گویا موتی جھڑرہے ہیں جن کے رشک سے سمندر کھارے ہوگئے ہیں۔

طرح طرح سے چہرے بنا کر یہ نٹوے ایسی قلابازیاں کھاتے ہیں کہ ان کی پتلی کمر دیکھ کر دنیا والے چیتے کی کمر بھول جاتے ہیں۔

یہ بھاری بھرکم ہاتھیوں کی طرح مستی اور نومندی دکھاتے ہیں اور ان کے قد ایسے سیدھے ہیں جیسے تیر۔ جب یہ آہستہ چلتے ہیں تو پانی کی طرح اور تیزی میں آتے ہیں تو ہوا بن جاتے ہیں۔

نٹ ناٹک میں ایسا گاتے ہیں کہ سب خوش ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ طنبورے اور تال بجتے رہتے ہیں اور ڈھول کے دھماکوں کی آوازیں آتی ہیں۔

یہ ایسے چنچل، چتر، باکمال اور صاحب فن ہیں کہ لاکھوں تک ان کے درشن کرنے والے ہیں۔ انہی تماشوں نے قطب شاہ کو تمام عالم کے دل کا پیارا بنا دیا ہے۔

کھیل

ناٹک کے بعد قطب شاہ کے کلام سے میدانی اور خانگی کھیلوں کی نسبت بھی کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ایک نظم اس نے چوگان کھیلنے کے متعلق لکھی ہے لیکن اصل میں چوگان بازی کا استعارہ قرار دے کر عشق بازی کی طرف توجہ کی ہے۔ تاہم

اس نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اچھے موسم میں چوگان ضرور کھیلا کرتا تھا وہ کہتا ہے ؎

کھیلو چوگان اب کہ ہے بستان خوش ہر طرف رنگاں سیتی کھلیئے ہیں پھول

یعنی ہر طرف رنگ برنگ کے پھول کھلے ہوئے ہیں اور بستاں اچھا نظر آرہا ہے اس لئے چوگان کھیلو۔ یہ نظم کلیات کے ص ۱۵۸ پر شایع ہوئی اور قابل مطالعہ ہے۔ اس میں گھوڑے کی سواری، گیند، میدان، اور زور کے چھند سے کھیل جیتنے کا تذکرہ کیا ہے۔

پھوکڑی پھو اور ڈھان ڈھکنی

چوگان کے ساتھ ان دو کھیلوں کا تذکرہ بھی ایک نظم میں ملتا ہے۔ جس کا مطلع ہے۔

کہ ڈھان ڈھکنی کھیل کر ہشکتی کھڑی سکی تال دے منج ٹھٹکتی کھڑی

پھر کہتا ہے کہ اس نے ابھی پھوکڑی پھو کھیلنا نہیں سیکھا اور ڈھان ڈھکنی کھیلنے آتی ہے! اول الذکر کھیل اب تک دکن میں لڑکیوں کا مشہور و مقبول کھیل ہے۔

حقہ

اسی نظم سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ محمد قلی حقہ بھی پیا کرتا تھا اس میں اس نے سکی کے حقہ بھر بھر کے دینے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

پانچواں حصّہ

محمّد قلی کے کردار کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے لازمی ہے کہ اُن لڑائیوں اور فتنہ وفساد پر بھی نظر ڈال لی جائے جن سے اس کو سابقہ پڑا۔ اور جن میں اس کی بہادرانہ اور دانشمندانہ طرزِ روش نے ثابت کر دیا کہ وہ جہاں بزم آرائیوں اور رنگ ریلیوں کا دلدادہ تھا میدانِ رزم کا بھی شہسوار تھا۔

شبستانِ عشرت میں بیسیوں مہ جبینوں کے ساتھ ناز و نعم سے گذر بسر کرنے والا جب لشکر کشی اور جدال و قتال پر اتر آتا ہے تو تجربہ کار اور سخت کوش نبرد آزماؤں سے زیادہ صعوبتیں اُٹھانے کے لئے تیار رہتا ہے۔

لیکن خاک و خون سے کھیلنے کا یہ شوق دشمن کی طرف سے صلح و آشتی کا پیام آتے ہی ہمیشہ نفرت سے بدل جاتا تھا۔ صلح پسند طبیعت کی وجہ سے محمّد قلی ہر اُس آواز پر لبیک کہتا تھا جو جنگ و جدل کو روکنے کے لئے بلند کی جاتی تھی۔ خواہ اس آواز میں دھوکہ اور فریب ہی کیوں نہ پوشیدہ ہو!

معرکہ آرائیاں

گذشتہ صفحات میں جس امن و امان اور رنگ رلیوں کے تذکرے بیان کئے گئے ان کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ محمد قلی قطب شاہ کی تمام زندگی اسی طرح گزری۔ وہ جہاں شبستان عشرت میں حریر و پرنیاں سے زیادہ نرم اور نازک بن جاتا تھا' میدانِ کارزار میں فولاد سے زیادہ سخت اور بجلی سے زیادہ تیز تھا۔ اس کو تخت نشیں ہوئے ابھی چند ہی روز گزرے تھے اور اس کی عمر سولہ سال کی بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ میدانِ کارزار میں مردانہ وار نکل کھڑا ہوا۔

محاصرۂ نلدرگ
۹۸۸ھ

اس کی تخت نشینی کے وقت سلطنت گولکنڈہ نظام شاہیوں کی مدد کرنے کے لئے سلطنت بیجاپور سے برسر پیکار تھی۔ بہزاد الملک اور سید مرتضیٰ وغیرہ احمد نگر کی طرف سے میدان جنگ میں تھے اور امیر شاہ میر گولکنڈہ کی طرف سے ان کی مدد پر تھا۔ یہ فوجیں قلعہ نلدرگ کا محاصرہ کی ہوئی تھیں اور بڑا سخت معرکہ ہو رہا تھا کہ ابراہیم قلی قطب شاہ فوت ہو گیا اور محمد قلی تخت نشیں ہوا۔ ایک تجربہ کار اور نبرد آزما بادشاہ کے انتقال اور ایک کم عمر نوجوان کی تخت نشینی کی خبریں فوجوں کے لئے بڑی

مایوس کن ثابت ہو رہی تھیں۔ لیکن محمد قلی نے بڑے تدبر سے کام لیا اور گولکنڈہ کی فوج کے سپہ سالار امیر شاہ میر اور دیگر امراء و خوانین کے لئے تشریفات شاہانہ روانہ کیں اور ایک فرمان بھیجا جس میں ان سب کو عنایات شاہانہ کا امیدوار بنا کر ان کی حوصلہ افزائی کی۔[1] امیر شاہ میر نے جس نے عرصہ تک ابراہیم قطب شاہ کی وفات کی خبر چھپا رکھی تھی گولکنڈہ کی فوج کے تمام امیروں کو جمع کر کے یہ فرمان سنایا۔ ہر ایک کو تشریف شاہانہ پہنائی اور مزید انعام و اکرام کی امیدیں دلا کر بادشاہ کے احکام کی اطاعت پر آمادہ کیا اور نئے بادشاہ کے لئے بیعت لی۔ ساتھ ہی اپنے حلیف نظام شاہی امراء و خوانین کو بھی اس خوشخبری سے مطلع کر کے اتفاق و اتحاد سے اصل منصوبہ اور عہد کے مطابق لڑنے کی تاکید کی۔

اس اثنا میں نظام شاہی سلطنت کی طرف سے مرحوم بادشاہ کی تعزیت اور نئے بادشاہ کی تہنیت کے لئے میرک معین سبزواری گولکنڈہ آیا تو محمد قلی نے امیر شاہ میر کو بھی پایہ تخت چلے آنے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ وہ قطب شاہی فوجوں کو محاصرہ پر چھوڑ کر خود گولکنڈہ چلا آیا۔

نوجوان محمد قلی بہت جلد اپنے باپ کی حکمت عملی پر کاربند ہو گیا تھا۔ اس نے ایک طرف تو اپنی حلیف سلطنت احمد نگر کے ایلچی کا شاندار خیر مقدم کیا اور دوسری طرف

---

[1] تاریخ قطب شاہی ورق ۲۲۷ ب۔

امیر شاہ میر کی بڑی تعظیم و توقیر کی اور وکیل السلطنت بنا کر امور سلطنت کے حل و عقد میں اسکی رائے طلب کی۔ امیر شاہ میر نے لڑائیوں اور فتوحات کی پوری کیفیت بیان کی کہ کس طرح اس وقت تک قطب شاہی سرحد سے متصل کئی قلعے اور علاقے مثلاً کاکن اور ناکوٹی وغیرہ فتح کر لئے گئے تھے اور نلدرگ کا محاصرہ کس کامیابی سے کیا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی رائے دی کہ اس وقت جب کہ جلوسِ تخت نشینی کو عرصہ نہیں گزرا اگر نوجوان بادشاہ بہ نفس نفیس جنگ کے لئے نکلے تو فوجوں کی ہمت بڑھ جائے گی اور دشمنوں پر بادشاہ کی بہادری اور سیاست کا رعب بیٹھ جائے گا۔

محمد قلی نے اس رائے کو بغیر کسی پس و پیش کے قبول کر لیا اور امرائے سلطنت اور سپاہ کو بہت جلد تیار کر کے میدانِ جنگ کے لئے بے جھجھک نکل کھڑا ہوا۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ محض ایک آرام طلب اور عیش پسند نوجوان نہیں تھا۔ اس جواں سال بادشاہ کی آمد آمد کی خبر سن کر فوجوں میں نئی جان پڑ گئی۔ اور سید مرتضیٰ، جمشید خاں، خداوند خاں، بحری خاں اور بہزاد الملک جیسے امرا نے دو تین منزل آگے بڑھ کر بادشاہ کا استقبال کیا۔[ا] محمد قلی اپنے سرداروں کے علاوہ سید مرتضیٰ اور دیگر امرائے نظام شاہی کے ساتھ بھی خاص عنایت اور نوازش سے پیش آیا۔ سب کو خلعت، کمر مرصع اور ہر ایک کے رتبہ کے مطابق گھوڑے اور

ا۔ تاریخ قطب شاہی ورق ۲۲۸۔

نقرئی وزریں زینیں عطا کیں۔ اس ہمت افزائی سے محاصرین میں بڑی تقویت پیدا ہو گئی۔ محمد قلی نے قطب شاہی اور نظام شاہی توپوں حیدری اور محمدی نو گزی اور لیلیٰ مجنوں وغیرہ کو اُس طرف مورچوں پر نصب کرایا جدھر پانی کا اندیشہ نہ تھا۔ اور اتنا سخت محاصرہ کیا کہ بہت جلد فصیل جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی اور خندق کو پاٹ کر قطب شاہی فوجیں آگے بڑھنے لگیں۔ اس اثنا میں جاسوس یہ خبر لے آئے کہ بیجاپور سے بیس ہزار سوار کی نئی کمک آ رہی ہے محمد قلی قطب شاہ اپنے ساتھ ایک فوج لے کر ادھر متوجہ ہوا۔ اور اس طرح قلعہ نلدرگ فتح ہوتے ہوتے رہ گیا۔ وزیر الملک قلعہ دار نلدرگ کو اتنا موقع ملنا کافی تھا اس نے فوراً بیجاپور کو اطلاع کرائی۔ بیجاپور کا بادشاہ ابراہیم عادل شاہ نورس خود بھی بڑا صلح جو تھا اس نے شاہ فتح اللہ شیرازی کی رائے سے محمد قلی کے یہاں صلح کے لئے خط بھیجا کہ:—

چوں باری تعالیٰ عزاسمہ سلاطین را اشرف انواع موجودات مخلوق گردانیدہ وجود ایشاں را واسطہ نظام عالم و رفاہیت بنی آدم ساختہ است اگر بسبب غبارے کہ میانۂ ایشاں ارتفاع یابد در مقام قصد یک دیگر درآمدہ آتش قتال را برافروزند بہ ہنگام تموج طوفان محاربہ چندیں ہزار صدف تن را از لآلی ارواح خالی سازند ...... چنانچہ از شمیم مرضیۂ آں عالی حضرت سنہ رد چناں نماید کہ بر آئینہ اتفاق دو خاندان قدیم موجب نظام آفاق شود وظلال مرحمت و احسان بر مفارق ساکنان ایں بلاد گستردہ بر وجہے مسرت خاطر عاطر را جلوہ گاہ آمال محباں سازند“

لہ تاریخ قطب شاہی صفحہ ۲۳۰ جب تاریخ حدیقۃ العالم صفحہ ۲۰۳ پر اسی عبارت کو اختلاف کے ساتھ درج کیا ہے۔

عادل شاہی پیامبروں نے محمد قلی کے مقربین کے توسط سے اس پیام کو بادشاہ تک پہنچایا اور خود بھی سفارش کی کہ اب صلح کر لینی چاہیئے۔ محمد قلی اس پر راضی ہو گیا۔ اور نظام شاہی امرا، وخوانین کو طلب کر کے تشریفات شاہانہ سرفراز کیئے اور احمد نگر کی طرف رخصت کی اجازت دی۔ اور خود بھی گولکنڈہ کو واپس ہوا۔

اس جنگ کے واقعات سے محمد قلی قطب شاہ کی طبیعت اور کردار کا بڑا اچھا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ایک طرف تو وہ باوجود کم عمری اور ناتجربہ کاری کے بہادری اور تیزی کے ساتھ جنگ کے لئے نکل پڑتا ہے اور پھر میدان جنگ میں سپہ سالاروں جیسی آفف کاری اور نبرد آزمائی دکھاتا ہے اور اپنے بذل ونوال سے اپنے اور حلیفوں کے سپاہیوں کو سرفراز کرتا ہے اور آخر کار جب صلح کی خواہش کی جاتی ہے تو اپنی صلح پسند طبیعت کے اقتضا سے اس کو فوراً قبول بھی کر لیتا ہے۔ یہ اس کی سلامتی طبع کی بہت بڑی دلیل تھی۔

امیر زنبیل سے عادل شاہیوں کا مقابلہ

محاصرہ نلدرگ سے واپسی کے وقت محمد قلی قطب شاہ نے اپنے ایک سردار امیر زنبیل استرابادی کو مصطفیٰ خاں کا خطاب دے کر قطب شاہی سرحد کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر آیا تھا۔ یہ امیر ابراہیم قطب شاہ کے ایما سے قطب شاہی فوجوں کو لے کر عرصے سے معرکۂ کارزار میں مصروف تھا اور ولایت کاکن وغیرہ پر قبضہ کر چکا تھا۔ اور جب محمد قلی نظام شاہیوں

کی مدد کے لیے عادل شاہیوں کے خلاف میدان جنگ میں نکلا تو امیر زنبیل کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ شاہی فوج کی رسد وغیرہ کی فراہمی کا انتظام کرے۔

شاہی فوج کی واپسی کے بعد امیر زنبیل اطمینان سے سرحد کی حفاظت میں مصروف تھا کہ دلاور خاں حبشی عادل شاہی بیس ہزار سوار کی ایک بڑی فوج کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا۔ امیر زنبیل نے صلابت خاں رحیم داد پٹھان اور طاہر محمد خاں کو مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ انھوں نے عادل شاہی ہراول فوج کو شکست دے کر بھگا دیا اور ان کے تعاقب اور مال غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ اس حالت انتشار کو دیکھ کر دلاور خاں خود دو تین ہزار سواروں کے ساتھ ایک طرف منتظر تھا قطب شاہی فوج پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے امیر زنبیل کو سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کے بعد جب قطب شاہی فوج واپس ہوئی تو صلابت خاں نے ایسا بے پناہ مقابلہ کیا کہ میدان کارزار میں مارا گیا۔ اس وقت عادل شاہیوں کے ہاتھ قطب شاہیوں کا بہت سا مال غنیمت آیا جن میں کئی ہاتھی بھی تھے اس غیر متوقعہ لڑائی کے بعد پھر عادل شاہیوں سے کوئی معرکہ محمد قلی کی زندگی میں نہ ہوا۔

علی خاں لُر کی بغاوت
سنہ ۹۹۰ تا ۹۹۱ھ

ابراہیم قلی قطب شاہ کی وفات اور نوجوان محمد قلی کی تخت نشینی کے بعد عادل شاہیوں کی ملک گیری اور سرحدوں پر معرکہ آرائی سے مستقل تعلقات ملدرگ میں مصروفیت سے فائدہ اٹھا کر گولکنڈہ کے دوسرے مخالفین میں بھی نبرد آزمائی کی ہمت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ علی خاں لُرستانی نے سب سے پہلے

اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ وہ ابراہیم قطب شاہ کا دست گرفتہ تھا اور قطب شاہی فوج میں اپنی بہادری کی وجہ سے سلحداری کے مرتبے سے سرداری کے مرتبے تک پہنچا دیا گیا تھا اور سلطان ابراہیم قلی نے اس کو طبل وعلم اور خطاب ملک نائب سے سرفراز کر کے ولایت مرتضیٰ نگر (کنڈور) کی حفاظت کیلئے روانہ کیا تھا

جب اس کو معلوم ہوا کہ نوجوان سلطان محمد قلی پایۂ تخت سے باہر تلدرگ میں مصروف پیکار ہے تو علی خاں نے ایک فوج جمع کر کے ۹۹۱ھ میں مرتضیٰ نگر پر قبضہ کرنے کے لیے حملہ کیا اس وقت وینجا نگر والوں نے بھی اس کی مدد کی لیکن محمد قلی اس بغاوت سے ہراساں ہونے والا انسان نہ تھا۔ اس نے فوراً تجربہ کار بہادروں کو رحیم داد[1] خاں اور طاہر محمد خاں پٹھان کی سرداری میں مرتضیٰ نگر کی طرف روانہ کیا۔ اور ایسی ہمت افزائی کی کہ اس کی فوجیں ایک مہینے کے راستہ کو صرف آٹھ روز میں طے کر کے جب موضع نندگاؤں میں پہنچیں تو معلوم ہوا کہ علی خاں ولایت کونڈپلی چلا گیا اور وہاں مصروف فساد ہے ان لوگوں نے فوراً ادھر کا رُخ کیا مگر باغیوں پر قطب شاہی فوج کے اس تیز حمل ونقل کا اتنا رعب پڑا کہ علی خاں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن قطب شاہی فوجیں برابر اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ وہ قلعہ آونکی کو اپنے کارداں بہادروں کے سپرد کر کے خود جنگل میں بھاگ نکلا قطب شاہی فوج نے اس قلعہ کو فتح کر کے باغیوں کا قلع قمع کر دیا اور پھر علی خاں کے تعاقب میں نکل پڑیں۔ راستے میں مخالفین کی فوجوں نے کمین گاہوں سے نکل کر قطب شاہیوں کو بہت ستایا لیکن اس فوج نے بھی ایسی جان توڑ لڑائی کی کہ

---

[1] تاریخ قطب شاہی میں اس کا نام ہر جگہ رحم داد خاں لکھا ہے (ورق ۲۳۴)

ایک ہزار دشمنوں کو قید کر لیا اور ایک ہزار مارے گئے۔ اس اثنا میں افضل خاں حوالدار ایک ہزار فوج کے ساتھ موضع ستراول میں قطب شاہی فوج کی مدد کے لئے پہنچ گیا۔[1]

جب علی خاں نے قلعہ کی تسخیر اور اپنی پیادہ فوج کی تباہی کا حال سنا تو بندر نظام پٹن کی طرف فرار ہو گیا۔ اور وہاں کے سوداگروں اور مالدار شہریوں کو لوٹ کر کافی دولت جمع کر لی۔ اس اثنا میں اس کو خبر ملی کہ قطب شاہی فوج کا بڑا حصہ رحیم داد اور طاہر محمد کے ساتھ اس کے تعاقب میں مصروف ہے اور کشور خاں ایک فوج کے ساتھ قلعہ مرتضیٰ نگر کے دروازے پر پڑا ہوا ہے تو وہ تیزی کے ساتھ ادھر روانہ ہوا اور وہاں کی تمام فوج کو حملہ کر کے تباہ کر دیا۔ اسی طرح افضل خاں کی بڑی فوج بھی طاہر محمد کے ساتھ تھی اور وہ تھوڑی سی فوج کے ساتھ باغیوں کو ڈھونڈ رہا تھا کہ علی خاں اس کے سر پر بھی جا پہنچا اور اس کی فوج کو بھی تباہ کر کے پھر سرحد کی طرف بھاگنے لگا۔

رحیم داد خاں اور طاہر محمد خاں تو اس کی تلاش ہی میں تھے انھوں نے

1۔ تاریخ قطب شاہی ورق ۲۳۵ الف

گھیر کر اس کو سرحد سے باہر نکلنے نہ دیا اور ایسا سخت مقابلہ کیا کہ شکست کھاتے کھاتے بچ گئے اور علی خاں اور اس کے ساتھی تمام باغیوں کا میدان کارزار ہی میں خاتمہ ہوگیا۔ علی خاں باغی کے سر کو نیزے پر چڑھا کر جگہ جگہ تشہیر کی گئی اور جب یہ فتحمند فوجیں گولکنڈہ واپس ہوئیں تو نوجوان محمد قلی نے اپنے سپہ سالار طاہر محمد خاں کو خطاب علم خاں سے سرفراز کیا اور دوسرے سرداروں میں سے ہر ایک کی منصب اور مشاہرہ میں اضافہ کر کے سب کی قدر افزائی کی۔

غالباً اسی فتح کی خوشی میں محمد قلی نے وہ نظم لکھی تھی جس کے مقطع میں کہتا ہے ؎

صدقے نبیؐ جم راج کر قطب زماں آنند سوں قدرت تھے کہکش آئے کر دندیاں کے سر اہوا

یعنی اے قطب زماں نبیؐ کے صدقے میں ہمیشہ بادشاہت کرتا رہ کیونکہ قدرت کی طرف سے تیرے دشمنوں کے سروں پر کہکشاں نے آرے کا کام کیا ہے۔

تسخیر موسلمورگ و نندیال وغیرہ ۹۸۶ھ

علی خاں لُر کی بغاوت میں پنکنڈہ کی طاقت نے سلطنتِ گولکنڈہ کے خلاف ریشہ دوانی کی تھی اور اب اگرچہ اس کی سرکوبی ہوگئی تھی لیکن پنکنڈہ والوں کو اس بغاوت کی وجہ سے گولکنڈہ پر حملہ کرنے کی جرات ہوگئی اور وہ اس سلطنت پر پیش قدمی کی تیاری کرنے لگے۔

سلطان محمد قلی اس عرصے میں جنگ وجدل سے زیادہ امن وامان کی طرف راغب تھا اور رات دن شہر حیدرآباد کی تعمیر میں مصروف۔ اور جب یہ شہر تین چار سال کی مسلسل کوششوں سے کافی آباد اور بارونق ہوگیا تو بادشاہ نے ان دشمنوں کی طرف توجہ کرنا ضروری خیال کیا اور ۱۰۰۳ھ میں خود بنفس نفیس لڑائی کے لئے حیدرآباد سے باہر نکلا۔

قطب شاہ نے سب سے پہلے موسلمورگ کے قلعہ پر حملہ کیا۔ قلعہ والوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور ان کی ایک جماعت قلعہ سے باہر آکر لڑنے لگی۔ محمد قلی نے اپنے بہادروں کو ان کے مقابلے کے لئے آگے بڑھایا جنھوں نے قلعہ کی دیواروں تک ان کو مار بھگایا۔ وہاں جب ان کو خندق پانی سے خالی نظر آئی تو فصیل کے کنگروں پر کمندیں ڈال کر حصار پر چڑھ گئے۔ اس طرح قلعہ فتح ہوگیا اور قطب شاہی سپاہیوں نے اندر گھس کر قتل وخون کا بازار گرم کیا۔ لیکن جب محمد قلی کو اس کی خبر ہوئی تو وہ ناراض ہوا اور اپنے طبعی رحم وکرم کی بنا پر خونریزی کی ممانعت کر دی۔ جتنے لوگ قتل ہونے سے بچ رہے تھے قلعہ سے نکل کر بادشاہ کے قدموں پر آگرے اور اطاعت وفرمانبرداری کا عہد کیا۔ محمد قلی نے قلعہ موسلمورگ کو اپنے ایک معتمد سردار کے تفویض کر دیا۔

نندیال اور کلکور پر چڑھائی
سنہ ۱۰۰۲ھ

موسلمورگ کی فتح کے بعد سلطان محمد قلی نے اپنے میر جملہ ملک امین الملک کو فوج کے چند سرداروں کے ساتھ رام راج والی وجیانگر کے داماد متیم راج اور بھانجے نرسم راج کے مقابلے کے لئے روانہ کیا جو نندیال اور کلکور جیسے بلند اور مضبوط قلعوں میں قطب شاہی فوج کے منتظر تھے اور ان کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ امین الملک کی روانگی کے بعد خود محمد قلی بھی خیمۂ شاہی کو برخواست کر کے ان قلعوں کی طرف روانہ ہوا جب مخالفین کو خود بادشاہ کی یلغار کی خبر ملی تو لشکر شاہی کی سطوت و صولت سے وہ مرعوب ہو گئے اور فرمانبردار رہنے اور مالگزاری ادا کرنے کی درخواست اور قلعہ کی کنجیاں پیش کر کے صلح کر لی۔ اس طرح محمد قلی کی صلح پسند طبیعت نے ان قلعوں کو قطب شاہی فوجوں کے دست تعدی سے محفوظ رہنے دیا۔ البتہ اس نے اپنے سرداروں کو اطراف و اکناف کے مغرور و سرکش نائک واڑیوں، مقدموں اور سرداروں کی تنبیہ کے لئے روانہ کیا۔ ان میں سے اکثروں نے تو اطاعت قبول کر لی اور جنھوں نے مقابلہ کیا وہ تباہ ہو گئے۔ جنگل مری، چرول، نندنات کوٹ، اور چتوڑ وغیرہ کے رایوں اور چودھریوں نے اپنے اپنے قلعوں کی کنجیاں اور پیش کش لے کر محمد قلی کی آستان بوسی کی اور بادشاہ کی نوازش سے سرفراز ہوئے۔

تسخیر کنڈی کوٹ
۱۰۰۳ھ

اس فتح و کامرانی کے بعد سلطان محمد قلی نے ملک امین الملک کو کنڈی کوٹ کی تسخیر کے لیۓ روانہ کیا کیونکہ نندیال میں معافی چاہنے اور فرمانبرداری کا وعدہ کرنے کے باوجود نرسم راج اس قلعہ میں پہنچ کر قطب شاہی فوج کے مقابلے کی تیاری کر رہا تھا۔ امین الملک اور قطب شاہی سردار طے مراحل کر کے قلعہ کنڈی کوٹ کے اطراف خیمہ زن ہوۓ۔ اور ان میں سے بعض اطراف و جوانب کے سرکشوں کی تنبیہ کر کے اور ان کے زن و فرزند کو غلام بنا کر واپس ہوۓ۔

کچھ عرصہ بعد خود محمد قلی بھی کنڈی کوٹ پہنچ گیا اور قلعہ کے قریب خیمہ زن ہو کر حصار کے مقابل میں توپوں کو نصب کرایا۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں قلعہ کنڈی کوٹ کا برج اور حصار توڑ دیا گیا۔

مشہور قطب شاہی توپ حیدری کے گولے قلعہ کی بلندیوں تک پہنچنے لگے اور وہاں کا بڑا بت خانہ جو سالہا سال کی دولت کی وجہ سے بجاۓ خود زر و جواہر کا ایک عظیم الشان خزانہ بن گیا تھا توپ حیدری کی زد میں آکر مسمار ہو گیا۔

جب نرسم راج خواہر زادہ رام راج نے پورے قلعہ کو قطب شاہی توپوں سے تباہ ہوتے دیکھا تو معذرت خواہی کرنے کے لیۓ بہت سے تحفے لے کر

قلعہ سے باہر نکل آیا اور اپنی اور اپنی اولاد کی جان بخشی کی درخواست کی۔

محمد قلی قطب شاہ عجز و انکسار سے بہت جلد متاثر ہو جاتا تھا۔ اور کبھی اپنے دشمن کو ذلیل اور تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی اس نے نرسم راج کو معاف کر دیا حالانکہ اس کی جگہ کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تو اپنے اس عہد فراموش دشمن کو کبھی معاف نہ کرتا۔

ان حملوں اور کامیابیوں نے محمد قلی کو بہت شاد کام کیا لیکن ان فتحمندیوں کو وہ اپنی بہادری اور تدبیر پر محمول کرنے کی جگہ خدا کے الطاف و عنایات کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ اس وقت دکن کے کئی نئے علاقے اس کے ہاتھ آئے تھے اور وہ خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ وہ اپنی عنایت سے پورا دکن مجھے عنایت کر رہا ہے۔ اس کے دیوان کی پہلی نظم جو حمد باری تعالےٰ میں ہے انہی خیالات پر مشتمل ہے۔ اس کے دو چار اشعار کا خلاصہ یہ ہے :-

چاند اور سورج تیرے ہی نور سے رات اور دن کو نورانی بناتے ہیں

تیری صفت کون بیان کر سکے کیونکہ تو خود ہی تو ہر چیز کی روح ہے۔

تیرا نام میرے لئے باعث آرام ہے اور میں جس کو اپنی روح کہتا ہوں

وہ اصل میں تیرا ہی نام ہے۔ تمام عالم کے کام تجھ سے ہی بنتے ہیں۔

اسی لیے تیرے نام کی مالا جپتے ہیں۔

میں تیری ہی عنایتوں کی آس میں جیتا ہوں، اسی لئے آسمان سے میرے لئے رحم وکرم نازل ہوا ہے۔ میں جو کچھ تجھ سے مانگتا ہوں وہ مجھ کو برابر مل رہا ہے۔

خود ہی بڑی عنایت ومحبت سے قطب شاہ کو سب دکن دے رہا ہے

اس لیے جب تک تن میں روح ہے نبیؐ کے قدموں پر سر رکھنا چاہیئے

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد قلی اپنی کامیابی کے لئے خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں کس خلوص سے ہدیۂ تشکر پیش کرتا تھا۔

محاصرہ پنکینڈہ ۱۰۰۳ھ

وینکٹ پتی راج نے جو رام راج کا جانشین اور طاقتور حکمران تھا علی خاں لر کی بغاوت میں تیس ہزار کی فوج اپنے بھتیجے میکر نیما کے ساتھ کھم کے محاصرے کے لئے بھیجی تھی اور اس وقت اس کی فوجیں شکست کھاکر واپس ہوئی تھیں لیکن اس قطب شاہی باغی کی وجہ سے وجیانگر والوں کی ہمتیں بڑھ گئیں چنانچہ اب قطب شاہی سرحد کے قریب قلعہ پنکینڈہ میں وینکٹ پتی فوجیں جمع کر رہا تھا تاکہ موقع پاکر اس سلطنت پر حملہ کر دے۔

محمد قلی قطب شاہ نے جب دیکھا کہ سرحد کے کئی قلعے فتح ہو چکے ہیں اور ان کامیابیوں

کی وجہ سے فوج کے ولولے بڑھے ہوئے ہیں تو اس نے آگے بڑھ کر قلعہ پنگنڈہ
کا بھی محاصرہ کر لیا۔ وینکٹ پتی اپنی افواج کی کثرت کے باوجود اس اچانک حملے
کی وجہ سے قلعہ بند ہو گیا اور میدان میں مقابلہ کرنے سے بچ گیا۔ لیکن جب دیکھا کہ
پنگنڈہ میں اتنی بڑی فوج کے لئے سامان رسد موجود نہیں ہے تو گھبرا کر اپنے پیشوا
اور رکن سلطنت کو یراج نیما اور پادیا جتی کو عظیم الشان تحفے دے کر محمد قلی کے
یہاں روانہ کیا۔ ان لوگوں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خود کو گھوڑے کے
پاؤں میں ڈال دیا اور وینکٹ پتی کی طرف سے فرمانبرداری اور بندگی کی درخواست
کی اور قلعہ کو چھوڑ دینے کے لئے تین روز کی مہلت مانگی۔

محمد قلی کا دل اپنی طبعی رحمدلی اور صلح جوئی کے اقتضا سے پسیج گیا اور اس
نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ اہل قلعہ کو وہاں سے نکل جانے کے لئے تین روز کی مہلت
دیں اور ان کی آمد و رفت پر کوئی باز پرس نہ کریں۔ لیکن اس دفعہ محمد قلی دھوکا
کھا گیا۔ اہل قلعہ باہر نکل کر اطراف و جوانب کے مقامات سے سامان رسد وغیرہ
فراہم کر کے تین روز میں بجائے باہر نکلنے کے خود قلعہ میں ایسے محفوظ و محصور ہو گئے
کہ قطب شاہی فوجیں دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں، اور انھیں خبر بھی نہ ہوئی کہ راتوں رات
جگدیو راؤ تیس ہزار پیادہ و سوار اور چار ہزار تفنگچیوں کے ساتھ وینکٹ پتی کی

مدد کے لئے قلعہ میں پہنچ گیا۔

بادشاہ اس دھوکا دہی سے بہت برافروختہ ہوا اور اپنی سپاہ کو دوبارہ قلعہ پنکنڈہ کے محاصرہ کا حکم دیا لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ بارش کا موسم بالکل قریب آرہا تھا اور دریائے کرشنا کی طغیانی سے اندیشہ تھا کہ قطب شاہی فوجیں اور کچھ دن سرحد سے باہر رہیں تو واپسی دشوار ہو جائے گی۔ اور خود بادشاہ کا پائے تخت پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ قطب شاہی لشکر میں سامان رسد کی کمی بھی محسوس ہونے لگی کیونکہ پنکنڈہ والوں نے تین روز کی مہلت میں قرب وجوار کا تمام ذخیرہ قلعہ میں منتقل کر لیا تھا اس لئے مشیران سلطنت نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ محاصرے کو ملتوی کر کے بارش سے قبل ہی حیدرآباد واپس ہو جائے۔ بادشاہ نے بادلِ ناخواستہ اس رائے کو قبول کیا اور قلعہ پنکنڈہ کا محاصرہ چھوڑ کر اپنے مفتوحہ علاقوں کا انتظام کر کے حیدرآباد کا رخ کیا۔ محمد قلی کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ دھوکا کھا کر اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

ان مفتوحہ علاقوں کا انتظام کرنے میں محمد قلی نے بڑے تدبر اور بے تعصبی کا اظہار کیا چنانچہ قلعہ کنڈی کوٹ پر سنجر خاں سر نوبت کو قلعہ موسلمورگ پر آسیراؤ اور قلعہ تندیال پر جگپت راؤ اور دوسرے مقامات پر دوسرے نائکواڑیوں کو حاکم بنایا۔

اور مرتضیٰ خان کو سپہ سالار مقرر کر کے حیدر خاں، خان خاناں، اور سا باجی راؤ اور دیگر معتبر سرداروں کو ان کی فوجوں کے ساتھ مفتوحہ علاقہ کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا۔

وینکٹ پتی کی ریشہ دوانیاں

پنکنڈہ کے محاصرے میں محمد قلی کی رحم دلی اور پھر وہاں سے واپسی دونوں قطب شاہی سلطنت کے لیے پریشان کن ثابت ہوئیں اور محمد قلی کے اس رحم و کرم کے جذبے نے اس کو بعد میں کچھ عرصے کے لئے پریشان رکھا۔ کیونکہ وینکٹ پتی کی ہمتیں بڑھ گئیں اور اس نے قطب شاہی سلطنت کے خلاف باضابطہ ریشہ دوانیاں شروع کردیں۔ سب سے پہلے اُس نے راجہ اودگیر کے یہاں بہادروں کو تفنگچیوں اور پیادوں کے ساتھ روانہ کر کے اس کو اکسایا کہ ولایت مرتضیٰ نگر پر حملہ کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُودگیر سے اوریاس رائے بیس ہزار پیادہ اور سوار کے ساتھ نکلا اور مرتضیٰ نگر پہنچ کر قطب شاہی علاقے کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔ افضل خان نے جو اس وقت اس علاقے کا حوالدار اور صاحب اختیار تھا اس خروج سے آگاہ ہو کر اس حدود کے اکثر جاگیرداروں کو جمع کیا، اور اودگیر کے علاقے میں پہنچ کر وہاں کے مواضع اور پرگنوں پر حملہ کر دیا۔ اوریاس راؤ کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ مقابلے کے لئے آیا اور عصر کے وقت دونوں فوجیں معرکہ آرا

ہوئیں ۔ ایسی گھمسان کی لڑائی ہونے لگی کہ قطب شاہی فوجوں کی ہمت ٹوٹ گئی لیکن وقت پر اژدھا خاں اپنے پانچ سو کمانڈار سواروں کے ساتھ اُن کی مدد پر آپہونچا اور اس طرح لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا ۔ مخالفین کے دو سردار اور تین ہزار سوار قتل ہوئے اور بقیہ فوج فرار ہوگئی ۔ شاہی فوج کو اس وقت بہت سامانِ غنیمت ہاتھ آیا ۔

غالباً اسی موقع پر محمد قلی نے اپنی وہ نظم لکھی جس میں بیجانگر کی ان ہندو فوجوں کو اپنی سلطنت سے باہر بھگانے کے لئے اپنی فوجوں کو اکسایا ہے ۔ اور کہتا ہے ؎

محمد دین قایم ہے ہندو بھاراں بھگادو تم ۔۔۔ سیاہی کفر کی بھانو اُجالا جگ لگادو تم

اجالے دین میں فوجاں جو آویں ڈاٹ کر غم کی ۔۔۔ تو حیدر کی کٹاریاں سو ہیاں ان کا چرادو تم

یعنی دینِ محمدی قایم ہے اس لئے تم ہندو حملہ آوروں کو مار کر باہر بھگا دو کفر کی سیاہی کو سورج بن کر نگل جاؤ اور عالم میں اجالا بن کر جگمگاؤ ۔

ایک روشن دین کی سرزمین میں اگر غم پھیلانے والی فوجیں حملہ کر آئیں تو حیدر کی کٹاریوں سے ان کے دل چیر کر پھینک دو ۔

ہمت افزائی کے ان الفاظ سے قطب شاہی فوجوں کا متاثر ہونا ضروری تھا۔ محمد قلی کی یہ نظمیں بڑے بڑے سپہ سالاروں کی جوشیلی اور بہادرانہ تقریروں سے بڑھ کر اثر رکھتی ہیں اور کیا تعجب ہے اگر قطب شاہی فوجیں میدان کارزار میں انہی کو گاتی ہوئی آگے بڑھتی ہوں۔

وینکٹ پتی کا کنڈی کوٹ پر حملہ

اودگیر کی فوجوں کی تباہی کے بعد بھی وینکٹ پتی خاموش رہنے والا شخص نہ تھا۔ راجہ اودگیر کو تو اس نے اپنا ایک آلۂ کار بنایا تھا لیکن جب یہ آلہ ناکارہ ہو گیا تو اس نے دوسرے رایوں اور سرداروں ملیتم راج، گلر تنگ پتی[1]، اور منوہر راج[2] کو اپنا موافق اور ہم آہنگ بنا کر خود بھی ایک لاکھ سواروں اور پیادوں کے ساتھ میدان جنگ میں نکل آیا اور سیدھا کنڈی کوٹ پر حملہ آور ہوا۔ وہاں منجھر خاں سرنوبت نے محصور ہو کر اس کا مقابلہ کیا۔ اس اثنا میں مرتضیٰ خاں سپہ سالار نے حملہ آوروں کی توجہ کنڈی کوٹ کی طرف سے ہٹانے کے لئے بیجانگر کے علاقہ میں یلغار شروع کر دی

---

[1] بعد کی تاریخوں میں اس کا نام کانک پتی لکھا ہے دیکھو حدیقۃ العالم صفحہ (۲۲۴)

[2] اس کا نام تاریخ قطب شاہی میں منواہر راج لکھا ہے (ورق ۲۲۳ ب)

اور کئی قصبوں اور پرگنوں کو تباہ و تاراج کرتا ہوا شہر کرپا پر حملہ کر دیا جو بہت معمور اور مالدار شہر تھا۔[1]

جب وینکٹ پتی کو اس بلائے بے درماں کی اطلاع ملی تو اس نے بلتم راج اور منوہر راج کو دس ہزار سواروں کے ساتھ مرتضیٰ خاں کے مقابلے کے لئے روانہ کیا لیکن مرتضیٰ خاں بڑا بہادر سپہ سالار تھا اس لئے ان کا سخت مقابلہ کیا اور سب کو شکست دے کر بھگا دیا۔ ساتھ ہی محمد قلی قطب شاہ کی خدمت میں ایک عریضہ روانہ کر کے وینکٹ پتی کے حملہ کندی کوٹ کی اطلاع دی اور مزید کمک طلب کی۔

محمد قلی کو جب وینکٹ پتی کے اس حملے کی خبر ملی تو وہ غالباً خود میدان کارزار میں نکلنا چاہتا تھا لیکن اسی زمانے میں رستم خاں احمد نگر کی طرف سے آیا ہوا تھا اور محمد قلی کے دربار میں خود کو رستم زماں سمجھتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ مرتضیٰ نگر کے سپہ سالار نے کمک طلب کی ہے تو خود کو اس خدمت کے لئے پیش کیا اگرچہ بادشاہ کو پس و پیش تھا کہ اس نئے شخص کو بھیجنا مناسب بھی ہے یا نہیں لیکن رستم خاں نے ایسی ایسی باتیں بنائیں اور اس خدمت کی ادائی کے لئے ایسے مبالغے سے

---

[1] تاریخ قطب شاہی ورق ۲۳۳ ب۔ دوسری تاریخوں میں اس شہر کا نام کرپاک لکھا ہے۔ تاریخ دکن حصہ دوم (سلسلۂ آصفیہ) صفحہ ۲۲۹

خواہش کی کہ محمد قلی اس کی مروت میں آگیا اور اسی وقت دربار میں تشریفات شاہانہ اور کمر مرصع سے سرفراز کر کے غضنفر خاں سرنوبت اور پانچ ہزار سواروں کے ساتھ میدان جنگ کی طرف روانہ کیا۔

جب رستم خاں اس قطب شاہی فوج کے ساتھ مرتضیٰ خاں سے جا ملا تو طریق جنگ سے متعلق باہم صلاح و مشورہ ہونے لگا۔ مرتضیٰ خاں جو عرصہ سے اس طرف مصروف کار تھا بیجانگر والوں سے لڑنے کے ڈھب سے واقف تھا۔ اس وقت اس کی یہ رائے تھی کہ وینکٹ پتی کی عظیم الشان فوج کا مقابلہ کرنے کی جگہ بہتر یہ ہے کہ دونوں ایک طرف سے بیجانگر کے علاقے پر حملہ کریں اور اس طرح وینکٹ پتی کو سامان رسد اور امداد سے محروم کر دیں تاکہ وہ تنگ آکر پسپا ہونے پر مجبور ہو جائے۔ لیکن رستم خاں کو خود اپنی دلاوری اور رستمی پر گھمنڈ تھا وہ کب ایسی سیاسی چالوں کو ماننے والا تھا۔ اس نے راست حملے کو ترجیح دی اور جب مرتضیٰ خاں نے شدت سے مخالفت کی تو اس کو یہ کہہ کر ڈانٹا کہ بادشاہ نے مجھے اب سپہ سالار بنا کر بھیجا ہے اس لیے تم میرے احکام کی تعمیل کرو[1]۔ مرتضیٰ خاں کو اس جواب سے

[1] دیکھو تاریخ قطب شاہی ورق ۲۳۸ ب اور حدیقۃ العالم صـ ۲۲۵ ۔

بڑا رنج پہنچا اور اس نے خاموشی اختیار کرلی۔

رستم خاں نے بے دھڑک دریا سے پار ہوکر ایک ایسے مقام پر لڑائی کا ڈھب ڈالا جہاں کیچڑ ہی کیچڑ تھا۔ دوسرے روز صبح کو وینکٹ پتی کی فوج والوں نے زرد گائے کو طرح طرح کے نقش و نگار سے آراستہ کرکے اور اس کے بدن اور سینگوں پر طلسم کے نقش و نگار اتار کے عین لڑائی کے وقت قطب شاہی فوج کی طرف بھگایا۔ اس کی آمد آمد سے فوج میں جو بھگدڑ مچی تو رستم خاں میدان سے ڈر کر بھاگ نکلا اور قطب شاہی فوج دلدل میں محصور ہوگئی اور مخالفین نے یکے بعد دیگرے شاہی سواروں کو گھوڑوں سے گرا گرا کر ضائع کرنا شروع کیا۔

مرتضیٰ خاں ایسے نازک وقت میں خاموش نہ رہ سکتا تھا اس لئے دشمنوں کے عقب میں پہنچ کر ان پر ایسا حملہ کیا کہ وہ منتشر ہونے لگے اس طرح قطب شاہی سوار فوج پوری کی پوری تلف ہونے سے بچ گئی۔ لیکن یہ ایک صریح شکست تھی اور قطب شاہی فوج کا تمام اسباب اور خیمہ و خرگاہ دشمنوں کے قبضے میں چلے گئے۔

جب محمد قلی کو اس شکست کی اطلاع ملی تو اپنی مروت پر پچھتایا اور حکم دیا کہ رستم خاں کو اس کی غلطی کے بدلے میں نہایت بے حرمتی کے ساتھ قطب شاہی سرحد سے باہر نکال دیں۔ چنانچہ رستم خاں کو پکڑ کر اس کے چہرے کو سرخ و سفید

رنگا گیا اور زنانی لباس پہنا کر ممالک محروسہ قطب شاہیہ کے باہر کر دیا گیا۔[1] پھر محمد قلی نے مرتضیٰ خاں اور دوسرے بہادروں کو شاہانہ انعامات سے سرفراز کیا۔ محمد قلی اگرچہ رحمدل تھا لیکن اپنے نواسے عبداللہ قطب شاہ کی طرح کمزور نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ اس نے رستم خاں کو دوسرا موقع نہ دیا اور آزمائے ہوئے کو آزمانا محض بے سود سمجھا اس کے برخلاف عبداللہ کی یہی کمزوری تھی جس نے سلطنت کو زوال آمادہ بنا دیا۔

غرض قطب شاہی لشکر کی اس پریشانی نے محمد قلی کو بہت متاثر اور غضبناک بنا دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ بہت جلد وینکٹ پتی سے اس کا بدلہ لیا جائے۔ چنانچہ اس نے اعتبار خاں یزدی کے نام جو اسی زمانے میں مرتضیٰ نگر کی حوالداری پر سرفراز ہوا تھا ایک فرمان بھیجا کہ علم خاں، خان خاناں، ساباجی، بھالے راؤ اور ان کے علاوہ ان تمام غیر ملکی سلحداروں اور ترکمانوں کو ساتھ لے کر جن کی جاگیریں اس علاقہ میں واقع ہیں بیجانگر کے علاقوں پر حملہ کیا جائے۔

اعتبار خاں نے فوراً احکام کی تعمیل کی اور بہت جلد کرناٹک کا علاقہ

---

[1] تاریخ قطب شاہی ورق ۲۳۹ ا

قطب شاہی فوجوں کی چڑہائی اور تباہ کاری کی وجہ سے ویران ہونے لگا۔ لوگ قصبوں اور دیہاتوں کو چھوڑ چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلے۔ جب اس چڑھائی کی خبر مشہور ہوئی تو راجہ اینگیر نے قطب شاہی فوج پر شبخون مارنے کی تیاری کی۔ قلعہ اینگیر بیجانگر والوں کا بڑا مضبوط اور بلند قلعہ تھا جس کا دور چھ فرسخ تھا۔ یہاں ہمیشہ بہت بڑی فوج قطب شاہیوں کے مقابلے کے لئے تیار رکھی جاتی تھی۔ چنانچہ وہاں کے راجہ نے پچاس ہزار پیادے، دو تین ہزار سوار اور چند ہزار تفنگچی اور بانکاری جمع کر لئے تھے۔ ان میں دو ہزار پیادوں اور بانکاریوں کو جدا کر کے قطب شاہی لشکر کے قریب روانہ کیا گیا اور یہ لوگ رات میں فوج کے اطراف باضابطہ ترتیب سے جمع ہو گئے اور آدھی رات گئے حملہ کرنا چاہتے تھے کہ بارش شروع ہو گئی اور ان کی بارود سرد ہو گئی۔ قطب شاہیوں کو بھی اس شبخون کی اطلاع مل گئی اور انھوں نے تیغ و تبر سے ان مخالفین کا صفایا کر دیا۔[1]

اس شبخون نے اس واقعہ سے بھی مطلع کر دیا کہ پچاس ہزار کی فوج راجہ اینگیر نے

[1] تاریخ قطب شاہی ورق ۲۴۰ اور حدیقۃ العالم ص ۲۳۶۔

جمع کرلی ہے تو علم خاں، خانخاناں اور ساباجی کو پانچ ہزار سواروں اور ابوالخیر بیگ
مہدی قلی بیگ، اسکندر آقا، حسن علی فردوسی اور کلب علی بیگ جیسے چند
سلحداروں کے ساتھ اس کے مقابلے کے لئے روانہ کیا گیا۔ مخالفوں نے جب
اس مختصر سی فوج کو دیکھا تو چاروں طرف سے نرغہ کر کے جان توڑ حملے کرنے لگے۔
اور اس طرح قطب شاہی فوج کے بہت سے بہادر زخمی ہو گئے۔

اس اثنا میں اعتبار خاں کو اس مردانہ وار مقابلے کی اطلاع ملی اور وہ اپنی
بقیہ فوج کے ساتھ علم خاں وغیرہ کی مدد کے لئے پہنچ گیا۔ اس نئی فوج کی آمد آمد
نے مخالفوں کو ہراساں کر دیا اور وہ بھاگنے لگے لیکن کتنے لوگ بھاگتے ان کے
تین چار ہزار سپاہی وہیں مارے گئے اور بہت سی دولت فاتحین کے ہاتھ لگی۔
اب قطب شاہی فوجیں اپنی سرحد سے ایک مہینے کا راستہ طے کر کے شہر کالستری[1]
پر حملہ آور ہوئیں۔ یہ بھی بیجانگر کے علاقہ کا ایک عظیم الشان شہر تھا اور اپنی معموری اور
دولت کی وجہ سے مشہور۔ تمام شہر لوٹ لیا گیا اور بے حساب مال غنیمت ہاتھ لگا۔
اس طرح اطراف و جوانب کے اکثر علاقوں پر بھی قطب شاہیوں نے اپنی دھاک
بٹھانے کے لئے حملے کئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرصے تک کرناٹک اور بیجانگر والوں کی

---

[1] تاریخ قطب شاہی میں اس کا نام کالستری لکھا ہے۔ ورق ۱۲۱۔ اور دوسری تاریخوں میں
عجیب عجیب نام دئے ہیں۔

ہمتیں پست ہوگئیں۔ اور قطب شاہی سلطنت پر حملہ کرنے کا خیال سالہا سال تک ان کے دل میں نہ سمایا۔

علم خاں کی سرکشی ۱۰۰۱ھ

گزشتہ صفحات میں علم خاں کی بہادری اور دشمنوں سے مقابلے کے کئی واقعات لکھے جا چکے ہیں۔ یہ پٹھان تھا اور اس کا اصل نام طاہر محمد خاں تھا علی خاں کی بغاوت کو فرو کرنے کے سلسلے میں محمد قلی نے خوش ہوکر اس کو از راہ عنایت علم خاں کے خطاب سے سرفراز کیا تھا اور بعد کو بڑی جاگیر عنایت کی تھی ملک امین الملک میر جملہ نے حسب معمول اپنے محصلداروں کو مال دیوانی کی تحصیل کے لئے ان جاگیرداروں اور امرا کے یہاں روانہ کیا تھا جن سے کچھ رقمیں وصول طلب تھیں۔ جب یہ محلدار علم خاں، خانخاناں، اور بھالے راؤ وغیرہ کے یہاں بھی پہنچ کر بقایا طلب کرنے لگے اور ان کے ٹال مٹول کو دیکھ کر شدت پر اتر آئے تو علم خاں نے اطراف و جوانب کے جاگیرداروں اور سرداروں کو اپنے موافق بنا کر ۱۰۰۱ھ کے آغاز میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس سرکشی کے اسباب میں ممکن ہے کہ بیجا نگر والوں کا بھی ہاتھ ہو جیسا کہ مورخوں نے لکھا ہے۔[1]

غرض جب علم خاں پٹھان اور اس کے ساتھی فتنہ و فساد پر اتر آئے تو

---

[1] دیکھو تاریخ قطب شاہی ورق ۱۸۲ ب اور حدیقۃ العالم صفحہ ۲۲۷ و ۲۲۸۔

اس نواح کی فوج کے سپہ سالار اعتبار خاں یزدی نے سلطان محمد قلی کی خدمت میں ایک تفصیلی عریضہ بھیج کر صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ یہ عریضہ تاریخوں میں مندرج ہے
جب محمد قلی کو اس سرکشی کا حال معلوم ہوا تو اس نے سپاہ کو تیاری کا حکم دیا۔ اور ارکانِ دولت کو بارگاہ میں طلب کر کے اپنے سرداروں کی بیوفائی پر تقریر کی۔ امین الملک میر جملہ جس کے محلداروں کی وجہ سے یہ صورت ظہور پذیر ہوئی تھی زمین ادب کو بوسہ دے کر عرض پرداز ہوا کہ اگر مجھے اجازت دیجائے تو میں ان کو سزا دینے جاتا ہوں۔ بادشاہ نے اس کی درخواست منظور کی اور تشریفات شاہانہ سے سرفراز کر کے دس ہزار سواروں کے ساتھ مرتضیٰ نگر کی طرف روانہ کیا۔ امین الملک بڑے رعب داب اور دبدبہ کا امیر تھا۔ وہ اثنائے راہ میں چوروں اور فتنہ انگیزوں کی کھوج کرتا اور ان کو سخت سزائیں دیتا ہوا آگے بڑھا۔ تمام چودھری اور مقدم ڈر ڈر کے اس کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فتنہ انگیزوں کے پتے بتاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورا علاقہ سہم گیا اور سلطنت کا بڑا رعب قائم ہو گیا۔
جب امین الملک کے اس غیض و غضب اور شان و شکوہ کی اطلاع علم خاں خانخاناں، ساباجی اور بھالے راؤ وغیرہ کو ہوئی تو وہ بھی بڑے پریشان ہوئے اور اگرچہ ان کے ساتھ سات ہزار سوار اور دس ہزار پیادے تھے اور قلعہ ادنگی کو

انھوں نے سامان رسد وغیرہ جمع کر کے پوری طرح مستحکم کر لیا تھا تاکہ اس میں بیٹھ کر مقابلہ کریں لیکن امین الملک اس دھڑلے سے چلا آرہا تھا کہ ان کی ہمتیں پست ہوگئیں اور وہ سب مال ومتاع چھوڑ کر مقابلہ کئے بغیر بیجانگر کے علاقہ کرناٹک میں بھاگ گئے۔ ان کو توقع تھی کہ رائے پینکنڈہ ان کی مدد کرے گا لیکن وہ بھی ملک امین الملک سے ایسا گھبرایا کہ ان سے انجان ہوگیا۔

ملک امین الملک مخالفین کے تعاقب میں پینکنڈہ کے علاقے میں بھی گھس گیا اور کئی مقامات اور مخالفین کو تباہ وبرباد کر کے واپس ہوا۔ مرتضیٰ نگر کے علاقے میں مخالفین کے جو جو طرفدار یا مددگار رہ گئے تھے ان کا پوری طرح قلع قمع کر دیا چنانچہ دو سو نائک واڑی اور سردار قتل کرا دیے گئے۔ غرض ولایت مرتضیٰ نگر کے جملہ معاملات کا فیصلہ کرنے کے بعد کثیر مال ودولت لے کر محمد قلی قطب شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بادشاہ نے خاص الطاف وعواطف سے اس کو سرفراز کیا۔

شاہ صاحب کا خروج
سنہ ۱۰۰۰ھ

اس واقعہ کا تذکرہ اور اس کے اسباب اس کتاب میں اس سے قبل بعنوان "مذہبی میلان اور مخالفتیں" (صفحات ۸۹ تا ۱۰۴) بتائے جاچکے ہیں۔ اس واقعہ کے بیان کرنے میں تاریخوں نے بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ کہیں بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم قلی قطب شاہ

کی زندگی میں اس کے اس فرزند عبدالقادر عرف شاہ صاحب نے بغاوت کی تھی جس کی وجہ سے ابراہیم نے اس کو قلعہ دیورکنڈہ میں قید کیا جہاں وہ بیس سال کی عمر میں اجل طبعی سے فوت ہوگیا[1]۔ کہیں یہ لکھا ہے کہ اس کو زہر دے کر مار ڈالا گیا۔ اور کہیں یہ کہ امرا نے اس کو زہر نہیں دیا بلکہ بادشاہ کو لکھ دیا کہ زہر دے دیا گیا اور شاہ صاحب کسی مقام پر روپوش ہوگیا تھا[2]۔ لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے یہ واقعی روپوش ہوگا جب ہی تو محمد قلی کو اس کے بارے میں بڑی تشویش تھی۔

غرض جب قطب شاہی فوجیں راجہ پنکنڈہ سے مصروف پیکار تھیں اور اس کے امرا مثلاً علم خاں وغیرہ بھی برسر فساد تھے تو موقع پاکر ۱۰۰۶ھ میں شاہ صاحب نے خروج کیا اور شاہ محب اللہ اور دیگر مشائخین بیدر اس کو اعزاز و احترام سے بیدر لائے (کیونکہ ابراہیم قلی نے شاہ نعمت اللہ کی اولاد میں یعنی شاہ خلیل اللہ مشائخ بیدر کے خاندان کی ایک معزز لڑکی سے اس کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی تھی اور قلعہ دیورکنڈہ میں وہ فوت ہوگیا یا روپوش کر دیا گیا تو اس کی زوجہ کو بیدر روانہ کر دیا گیا تھا۔) اس واقعہ کی اطلاع تمام سلطنت میں پھیل گئی اور جن جن لوگوں کو

---

[1] تاریخ قطب شاہی ورق ۲۴۳ ب

[2] تاریخ دربار آصف۔ گلزار دوم صفحہ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ سلسلہ آصفیہ حصہ دوم صفحہ ۲۳۴۔

محمد قلی سے کچھ شکایت تھی وہ اس نئے مدعی سلطنت کے طرفدار ہونے لگے۔ جب اسکی اطلاع محمد قلی کو پہنچی تو اس کو بے حد پریشانی لاحق ہوئی اس نے سب سے پہلی تدبیر یہ کی کہ بعض معتبر اصحاب کو جمع کر کے ان سے گواہی دلوادی کہ شاہ صاحب کی تجہیز و تکفین کو انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کے بعد ملک برید والی بیدر کو لکھ بھیجا کہ اس مدعیٔ سلطنت کو فوراً قید کرلیں۔ ملک برید ابھی پس و پیش ہی میں تھا کہ مشائخین بیدر نے شاہ صاحب کو بیجانگر کی سرحد میں پہنچا دیا۔ وہاں تو محمد قلی اور قطب شاہی سلطنت کے دیگر مخالفین پہلے ہی سے جمع تھے سبھوں نے شاہ صاحب کو بادشاہ تسلیم کرلیا۔ اور چند اکابر مثلاً خدا بندہ خاں حبشی اور خیرات خاں اور دیگر سردار بھی اس سے جا ملے۔

ان باغیوں نے حصول سلطنت کے لیے وہی حربے استعمال کرنے شروع کئے جو اس سے قبل گولکنڈہ کے ایک اور شہزادے ابراہیم قلی نے اختیار کیے تھے۔ اور اپنے باپ کی سلطنت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ چنانچہ دو تین ہزار پیادے جمع ہونے کے بعد شاہ صاحب نے دریائے کرشنا کو عبور کیا اور سلطان ابراہیم کی طرح یہاں اس کے سر پر بھی چتر شاہی لگایا گیا۔ ساتھ ہی گولکنڈہ کے امراء و عمائدین کے یہاں خفیہ دعوت نامے بھی روانہ کئے گئے۔ اور عجیب اتفاق

کی بات ہے کہ جس طرح ابراہیم قطب شاہ سے گولکنڈہ کے بہت سے لوگ خفیہ طور پر مل گئے تھے بالکل اس طرح شاہ صاحب کے یہاں خفیہ عرضیاں آئیں جن میں اظہار اطاعت کیا گیا۔ شاہ صاحب کو اتنی کامیابی اس وجہ سے بھی ہوئی کہ محمد قلی کے مذہبی غلو کی وجہ سے گولکنڈہ کے بعض سنی امرا اس سے بدظن ہو رہے تھے۔ غرض بہت جلد شاہ صاحب کے اطراف ایک انبوہ جمع ہو گیا اور تلنگانہ کے اکثر علاقوں میں اس کی طرفداری میں حکومت کے خلاف مظاہرے ہونے شروع ہوئے محمد قلی کو یہ خبریں برابر پہنچ رہی تھیں اور وہ جانتا تھا کہ کس طرح اسی راستے سے اس کے باپ نے حکومت حاصل کی تھی۔ اس لئے بڑی ہمت سے کام لیا۔ اور اعتبار خاں کو بہادروں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ پانگل کی حفاظت کے لئے روانہ کیا۔ کیونکہ وہیں قیام کر کے ابراہیم قلی نے گولکنڈہ پر کامیاب حملہ کیا تھا۔

اس اثنا میں شاہ صاحب[1] جس کی بادشاہت کا اعلان ہو چکا تھا قطب شاہی سلطنت کے حدود میں داخل ہو گیا اور محمد قلی کو اپنے چھوٹے بھائی کی طرح مخاطب کر کے ایک ایسا خط لکھا جس کو پڑھ کر وہ غضبناک ہو گیا۔

---

[1] تاریخ قطب شاہی میں اس کو قلندر لکھا ہے۔ ورق ۲۴۳ ب

اس کی تخت نشینی کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب کہ اس کو اتنی ذلت محسوس ہوئی ہوگی اور کسی نے اس کو ایسا مخاطب کیا ہوگا۔ اس نے فوراً ایک دوسری جرار فوج اور امرا و حوالدار مثلاً حسین معمور خاں، عبدالکریم، غازی خاں، علی قلی خاں، یکجہت خاں اور اللہ قلی بیگ اور بعض سلحداروں وغیرہ کو پانگل کی طرف روانہ کیا۔[۱] ان کے پہنچنے سے قبل ہی اعتبار خاں وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ مخالفین کی ہمتیں بڑھتی جا رہی ہیں اور دیر کرنا ان کے حق میں مفید ہوگا فوراً ان کے مقابلے میں جم گیا۔ حالانکہ اس کی فوج دشمن کے مقابلے میں بہت قلیل تھی۔ شاہ صاحب بھی چھ ہزار سواروں کے ساتھ اعتبار خاں کے دو ہزار سواروں کے مقابلے میں صف آرا ہوا اور مغرب کے قریب لڑائی شروع ہوئی دونوں طرف کے بہادر بڑی مردانگی سے لڑے۔ یہ کوئی معمولی لڑائی نہ تھی تخت گولکنڈہ کا فیصلہ ہونا تھا۔ لیکن قضا و قدر نے تو پہلے ہی سے محمد قلی کی قسمت میں تصفیہ کر دیا تھا۔ شاہ صاحب کی فوج کا سپہ سالار خدا بندہ خاں حبشی عین معرکہ کارزار میں مارا گیا۔ پھر کیا تھا اس کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ بچی کھچی فوج کے ساتھ ایک قلعہ سمسیل میں پناہ گزیں ہوا اور جب وہاں بھی اس کی فوج مستحکم نہ ہو سکی تو بیجاپور کی

---

[۱] تاریخ قطب شاہی صفحہ ۲۴۴ ب۔

کی طرف روانہ ہوگیا اور سلطان ابراہیم عادل شاہ کے یہاں پناہ لی اور پھر کبھی تخت گولکنڈہ کا خیال نہ کیا۔ ابراہیم عادل شاہ نے جو محمد قلی کا بہنوی تھا اس کو اپنے دربار میں شامل کرلیا اور گرفتار کرکے محمد قلی کے یہاں روانہ نہیں کیا۔ اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شاہ صاحب جعلی نہیں بلکہ اصلی تھا۔ اگر کوئی جھوٹا یا جعلی شخص ہوتا تو ابراہیم عادل شاہ اپنے برادر نسبتی محمد قلی کی خاطر اس کو ضرور قتل کرادیتا یا قید کرکے روانہ کرتا۔

اس بغاوت کے فرو ہونے سے محمد قلی کو بے انتہا خوشی ہوئی جس کا اظہار اس نے کئی نظموں میں کیا ہے۔ اور ان کا تذکرہ اس کتاب کے صفحات ۱۰۰ تا ۱۰۲ میں کیا گیا ہے۔

مکند راج والی کنٹلکوٹ (قاسم کوٹہ) کی بغاوت ۱۰۰۵ھ

کنٹلکوٹ کا راجہ بھائی بلندر قطب شاہی سلطنت کے باجگزار اور وفادار راجاؤں میں سے تھا۔ جب اس کا انتقال ہوگیا تو اس کا بارہ سال کا لڑکا مکند راج باپ کی جگہ کا وارث ہوا۔ اور محمد قلی قطب شاہ نے اپنی عنایت سے اس نواح کے راجاؤں اور امیروں کے نام فرمان بھیجا کہ ہم نے مکند راج کو اس کے باپ کی جگہ کنٹلکوٹ کی حکومت سپرد کی ہے اس لئے تم سب کو چاہیئے کہ اس کی اطاعت کریں۔ اس طرح مکند راج کی حکومت مستحکم ہوگئی اور تمام امیروں اور راجاؤں نے

اس کی اطاعت قبول کرلی۔ اس واقعہ سے خوش ہوکر اظہار تشکر کے لیے مکند راج تحف و ہدایا کیساتھ محمد قلی کے دربار میں حاضر ہوکر آستان بوسی سے مشرف ہوا۔ محمد قلی قطب شاہ کا بذل و نوال تو مشہور ہی تھا۔ اس نے اپنے اس باجگذار راجہ کو تشریفات شاہانہ زریں زینوں کے ساتھ گھوڑے، کمربند، اور آفتاب گیر عطا کرکے سرفراز کیا۔ غرض یہ کم عمر راجہ اس طرح شان و شوکت کے ساتھ اپنے ملک کو واپس ہوا۔ لیکن وہ بد یادر کے بھڑکانے سے اپنے ایک قرابتدار دیوراج کو قتل کردیا جو محمد قلی کا مطیع و منقاد تھا اور خراج ادا کرنے میں عذر کرنے لگا حالانکہ یہ پچیس تیس سال سے ادا ہوتا چلا آیا تھا۔ ساتھ ہی بغاوت کے لئے فوج جمع کرنی شروع کی اور قطب شاہی رزیڈنٹ برلاس خاں کو قید کرنے کے درپے ہوگیا۔

برلاس خاں نے فوراً اس بغاوت کی اطلاع سلطان محمد قلی کی بارگاہ میں روانہ کی۔ محمد قلی اس قسم کی خبریں سننے کا عادی ہوگیا تھا اس لئے اپنی عادت کے مطابق اس طرف توجہ کی اور میر زین العابدین کو سپہ سالار مقرر کرکے عبدالکریم حوالدار کے ساتھ کشٹکوٹ کی طرف روانہ کیا اور تاکید کی کہ مکند راج کم عمر ہے پہلے اس کو لطف و کرم کے ساتھ پند و نصیحت کرکے راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔

زین العابدین نے کشٹکوٹ پہنچتے ہی پہلے ایک قاصد بھیج کر حمدل بادشا

کے منشا کو ظاہر کیا اُس کے غضب سے ڈرایا اور عنایتوں کا لالچ دیا۔ لیکن مکندراج تو بغاوت کے لئے تیار بیٹھا تھا اس نے ایک نہ مانی۔ سپہ سالار نے بادشاہ کو حقیقت حال سے متوجہ کر کے حملے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ شاید خود میرے وہاں پہنچنے سے مکندراج مروت سے یا ڈر کر میرے پاس چلا آئے گا اس لیے بنفس نفیس کشتم کوٹ جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ مگر امرائے دربار نے عرض کیا کہ یہ چھوٹی سی مہم ایسی نہیں کہ خود بادشاہ زحمت فرمائیں۔ اس لئے ہم میں سے کسی ایک کو منتخب فرمایا جائے تاکہ اس معاملے کا فیصلہ کر آئیں۔ جب بادشاہ پس وپیش کرنے لگا تو خود میر جملہ ملک امین الملک الف خاں نے عاجزی سے درخواست کی کہ میں اس مہم کو آسانی سے سر کر دوں گا۔ بادشاہ کو اپنے میر جملہ پر بڑا اعتماد تھا اس نے اس کی بات مان لی اور شنکر راج برادر زادہ بھائی بلندر، علی خاں[1]، مجاہد خاں اور چند سرداروں کو اس کے ساتھ کشتم کوٹ کی طرف روانہ کیا۔ مکندراج ملک امین الملک کی آمد کی خبر سن کر بہت گھبرایا اور اطراف واکناف کے جملہ راجاؤں اور رایوں سے مدد طلب کی اور وینکٹ پتی رائے بیجانگر سے بھی درخواست کی کہ اگر اس کی فوج

---

[1] تاریخ حدیقۃ العالم میں اُس کا نام علم خاں لکھا ہے صفحہ (۲۳۳) لیکن یہ غلط لکھا ہوگا کیونکہ تاریخ قطب شاہی میں صحیح نام علی خاں درج ہے۔ ورق (۲۴۷)۔

مرتضیٰ نگر پر حملہ کرے تو قطب شاہی فوجوں کو دو محاذوں پر مقابلہ کرنا مشکل ہو جائیگا
غرض کندراج خود تیس ہزار سواروں اور تین ہزار پیادوں کے ساتھ آگے بڑھ کر
راجمندری کے حدود کے پاس قطب شاہی فوج کے مقابلے میں آیا ملک امین الملک
نے بادشاہ کے احکام کے مطابق پہلے اس کو کافی پند و نصیحت کی اور راہ راست پر
لانا چاہا۔ لیکن جب دیکھا کہ وہ لڑائی پر تلا ہوا ہے تو مجبوراً صف آرائی کی گئی اور
مقابلہ شروع ہوا۔ لڑائی جاری تھی کہ علی خاں اور شنکر راج دشمنوں کی فوج
میں گھس پڑے۔ اور اس پامردی سے لڑے کہ دونوں قتل ہو گئے مخالفین نے
ایسی زور و شور کی لڑائی کی کہ قطب شاہی فوج کو شکست ہونے لگی۔ ایسے میں
ملک امین الملک نے بڑی دلیری دکھائی اور چند بہادروں کے ساتھ مخالف لشکر کے
قلب پر حملہ کیا جس کی وجہ سے اس کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ اور مخالفین بھاگنے لگے
کندراج بھی اپنی جان بچا کر قلعہ کشتم کوٹ کی طرف بھاگا اور وہاں پہنچتے ہی
برلاس خاں، غضنفر خاں، اور چند مسلمانوں کو جو اس کے مکر و فریب کی وجہ سے
قلعہ میں قید کر دیے گئے تھے شہید کر دیا۔

اس اثنا میں ملک امین الملک بھی اس کا تعاقب کرتا ہوا قلعہ کشتم کوٹ
پہنچ گیا کندراج اب کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ امین الملک کا غیض و غضب مشہور تھا۔

مکندراج پر اتنا خوف طاری ہوا کہ امین الملک کے پہنچنے سے پہلے ہی ملک و مال چھوڑ کر اہل و عیال کے ساتھ بیکاکول اور مدوارہ کی طرف بھاگ نکلا۔ امین الملک بھی برابر اس کا تعاقب کرتا رہا اور راستے میں ہر جگہ قطب شاہی حکومت کا رعب بٹھاتا گیا اس کی ہیبت سے مکندراج بیکاکول میں بھی نہ رُک سکا بلکہ پتیاپور کے علاقہ کی طرف چلا گیا اور دن بھر جنگلوں میں اور راتوں کو پہاڑوں میں بسر کر کے منہ چھپاتا پھرا۔ امین الملک نے اس خیال سے کہ مکندراج پتیاپور کے جنگل میں چھپا ہوا ہے پورے جنگل کو آگ لگادی۔ مکندراج نے پتیاپور کے راجہ رامچندر سے مدد کی درخواست کی رامچندر نے مادو سنگھ سے امداد چاہی۔ مادو سنگھ مغل اعظم اکبر بادشاہ کا راجپوت امیر تھا جو مغل فوجوں کے ساتھ اس نواح میں قیام پذیر تھا۔ مادو سنگھ رامچندر اور مکندراج کی امداد کے لئے ایک کثیر فوج کے ساتھ نکلا۔

جب امین الملک کو معلوم ہوا کہ رامچندر مکندراج سے مل گیا ہے تو اس نے رامچندر کے علاقوں پر حملہ کر کے ان کو بری طرح سے تباہ و تاراج کرنا شروع کیا امین الملک کچھ ایسی ہیبت پھیلاتا ہوا آگے بڑھتا تھا کہ سخت سے سخت دشمنوں کے دل دہل جاتے تھے۔ مادو سنگھ نے اس کے یلغار کی خبر سن کر بنگالے کی طرف راہ فرار اختیار کی اور رامچندر نے اطاعت قبول کر لی اور سال بسال خراج ادا

کرتے رہنے کا وعدہ کرکے اپنے علاقے کو مزید تباہی سے بچا لیا۔ اب مکندراج کو بنگالے کی طرف بھاگنا پڑا۔ امین الملک اپنی سلطنت سے دور نکل آیا تھا اور راجہ رامچندر کی اطاعت قطب شاہیوں کے لئے ایک غیر متوقعہ فتوحات تھی اس لیے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور اس نئی سرحد کی حفاظت کے لئے ملک نائب آسیراؤ اور دوسرے دور دیوار سرداروں کو چھوڑ کر کنڈکوٹ کے علاقہ میں واپس آیا۔ اس علاقے کے اکثر حصے قطب شاہی سلطنت میں شامل کر لئے گئے اور وہاں امن و امان قایم کر دیا گیا۔

راجمندری کا ہنگامہ لیکن یہ لوگ کنڈکوٹ میں انتظامات کر رہے تھے اور ادھر ردیوار قوم نے جب دیکھا کہ تمام فوجیں امین الملک میر جملہ اور زین العابدین سپہ سالار کے ساتھ ہیں اور راجمندری کا علاقہ خالی ہے تو ایلور، نردول اور بھارجلی میں ہنگامہ آرا ہو گئے۔ راجمندری کے عمال شاہی نے ان حالات سے پایۂ تخت کو آگاہ کیا۔ محمد قلی ایسے موقعوں پر کبھی دیر نہ کرتا تھا اس لئے فی الفور مرتضیٰ نگر کے سپہ سالار عادل خاں اور سرنوبت چنگیز خاں کو حکم دیا کہ جلد از جلد راجمندری اور کاموررم کے علاقہ میں پہنچ کر فتنہ انگیزوں کا قلع قمع کریں۔

ل؎ تاریخ قطب شاہی ورق ۲۵۰ ا

قطب شاہی فوج بہت جلد راجمندری پہنچ گئی اور مخالفین کا مقابلہ کرکے بھگادیا۔ لیکن یہ لوگ بھی بڑے ہوشیار تھے وہ دریا کو عبور کرکے تین ہزار کی تعداد میں ایسے مقامات پر جمع ہو گئے جہاں سے قطب شاہی فوج کو دریا پار کرکے واپس ہونا تھا۔ اب ہر روز کنارِ آب لڑائی ہونے لگی اور قطب شاہی لشکر کے لئے دریا پار کرنا مشکل ہو گیا۔ عادل خاں نے محمد قلی قطب شاہ کی خدمت میں ایک عریضہ روانہ کرکے التجا کی کہ توپوں اور بان کے بغیر ان فتنہ انگیزوں کو راستہ سے ہٹانا مشکل ہے۔

محمد قلی نے اس درخواست کو دیکھتے ہی میر زین العابدین کے نام فرمان عالی نافذ کیا کہ عبدالکریم حوالدار اور تفنگچیوں کی ایک جماعت لے کر قطب شاہی لشکر کی مدد کو پہنچے اور راجمندری سے جتنی توپوں اور بارود کی ضرورت ہو ہمراہ لے جائے۔ زین العابدین حسب الحکم توپچیوں کو لے کر عادل خاں کی مدد کو جا پہنچا اور کئی راتیں اور دن مقابلے میں گذر گئے۔ آخر کار عبور کرنے کا کوئی دوسرا راستہ تلاش کرنا پڑا اور اس کے لئے زین العابدین نے ساباجی سر نوبت اور دھرماراؤ کو روانہ کیا انھوں نے دس بارہ کوس تک ڈھونڈھ کر ایک راستہ نکال ہی لیا۔ اور چنگیز خاں اور اس کے ساتھ چند سلحداروں نے گھوڑوں کو پانی میں ڈال کر دریا کو عبور کیا، پھر کیا تھا

آہستہ آہستہ لشکر کے دوسرے بہادر بھی دریا پار نکل آئے اور باغیوں پر ایسا سخت حملہ کیا کہ ان میں سے اکثر قتل ہو گئے یا بھاگ نکلے۔ اور ایک دیوار کے پیچھے پناہ لی جو دو پہاڑیوں کے درمیان اسی غرض سے پتھر اور چونے سے بنائی گئی تھی۔ جب قطب شاہی لشکر اس کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ باغیوں نے اس کے پیچھے توپوں اور آتشبازی کے سامان کا بڑا ذخیرہ جمع کر لیا ہے۔ اب ایک اور مہم سر کرنی تھی لیکن چنگیز خاں نے یہاں بھی بڑی ہمت سے کام لیا اور سخت حملے کرتا ہوا اور متعدد کوششوں کے بعد اس دیوار پر قابض ہو گیا۔ اس وقت قطب شاہی لشکر بھوکے شیروں کی طرح مخالفین پر ٹوٹ پڑا اور کشت و خون کا ایسا بازار گرم کیا کہ باغی بری طرح پسپا ہو گئے اور اس ڈر سے کہ یہ لشکر ان کا تعاقب کر کے اس پوری قوم ہی کو تباہ نہ کر دے راست سلطان محمد قلی کے یہاں بڑی عاجزی کے ساتھ درخواست روانہ کی اور اظہار اطاعت اور مالگزاری ادا کرتے رہنے کا وعدہ کیا۔ ان کے قاصدوں نے بادشاہ کے روبرو ایسی زاری کی کہ اس کا دریائے رحم جوش میں آگیا اور اس نے عادل خاں کو واپس ہونے اور میر زین العابدین اور چنگیز خاں کو کشتلکوٹ کی طرف چلے جانے کا حکم دیا۔

ہندو سرداروں کی سرکشی سنہ ۱۰۰۸ھ	محمد قلی قطب شاہ جتنا رحمدل اور عفو پسند تھا

اس کا میر جملہ ملک امین الملک انتہائی سخت دل اور صاحب جبروت تھا۔ اپنے اور پرائے سب اس سے کانپتے رہتے تھے۔ اس کے اس جاہ و جلال سے جہاں محمد قلی کو بہت سے فائدے پہنچے اور میدان کارزار میں نکلنے کی ضرورت نہ پڑی ساتھ ہی بعض دفعہ بغاوتوں اور ناخوشگواریوں سے سابقہ کرنا پڑا۔ چنانچہ اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ۱۰۰۴ھ میں چند قطب شاہی عماید مثلاً علم خاں، خان خاناں اور بھالے راؤ وغیرہ اس کی سخت گیری سے بغاوت پر آمادہ ہوئے تھے۔ اور اب چار سال کے بعد ۱۰۰۸ھ میں چند اور ہندو سرداروں نے امین الملک ہی سے رنجش کی وجہ سے محمد قلی قطب شاہ کے خلاف ہنگامہ آرائی شروع کی۔

اس فتنہ و فساد کی وجہ یہ تھی کہ ایک ہندو بہادر راوت راؤ امین الملک کے لب و لہجہ اور احکام سے آزردہ خاطر ہو گیا[1] اور چونکہ اپنی دلاوری اور کثرت جمعیت کی وجہ سے اپنے ہم چشموں میں ممتاز تھا اس لئے اس ذلت سے خشمناک ہو کر ایک رات شاہی لشکر سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرار ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ محمد قلی نے احمد نگر کی مدد کے لئے مہدی قلی سلطان کے ساتھ ایک کثیر لشکر مغلوں کے

---

[1] تاریخ قطب شاہی ورق ۲۵۴ ا

مقابلے کے لئے روانہ کیا تھا۔ خود سلطنت میں زیادہ فوج موجود نہ تھی۔ اور اس موقع کو غنیمت جان کر وینکٹ پتی رائے پنکنڈہ نے دو لاکھ سوار اور پیادوں اور ایک ہزار ہاتھیوں کے ساتھ سرحد مرتضیٰ نگر پر چڑھائی کی تھی۔ لیکن جب قطب شاہ کو اس کا علم ہوا تو اس نے عادل خاں کو سپہ سالار بنا کر اس کے مقابلے کے لئے روانہ کیا جب وینکٹ پتی نے دیکھا کہ مغلوں کے مقابلے میں کثیر فوج بھیجنے کے باوجود محمد قلی قطب شاہ مقابلے کے لئے تیار ہے تو اس نے بادشاہ کے شایان شان تحف و ہدایا روانہ کئے جن میں کوہ پیکر ہاتھی اور تازی گھوڑے بھی شامل تھے۔ ان تحفوں کے ساتھ وینکٹ پتی نے ایک عریضہ بھی ارسال کیا جس میں بتایا کہ وہ لڑنے کے لئے نہیں بلکہ کھمم کا تالاب دیکھنے کے لئے آیا ہے۔ اس طرح بغیر مقابلہ کئے وینکٹ پتی واپس ہو گیا۔ اور محمد قلی نے اس کو چھیڑنا پسند نہ کیا۔

غرض راوت راؤ بڑے نازک وقت میں قطب شاہی فوج سے علیحدہ ہوا اور کیا تعجب ہے کہ وینکٹ پتی اور راوت راؤ کے درمیان پہلے ہی سے اس طرح کا کوئی سمجھوتا ہو گیا ہو۔ بہرحال راوت راؤ نہ صرف خود نکلا بلکہ ہری چندر برادرزادہ بھائی بلندر کو بھی اطلاع دی کہ اگر وہ بھی بغاوت کرے تو اس کو کنتم کوٹ کی حکومت پر قابض ہونے میں مدد کرے گا۔ اس ہری چندر نے اپنے عزیز مکندراج کی بغاوت

کے فرو کرنے میں شنکر راج کے ساتھ قطب شاہی فوج میں کار نمایاں انجام دیئے تھے اور شنکر راج کے اس لڑائی میں مارے جانے کے بعد سے محمد قلی قطب شاہ ہی کی بارگاہ میں معزز و مفتخر تھا لیکن اس وقت وہ بھی حکومت کے لالچ میں بھاگ کر راوت راؤ سے مل گیا۔ اور ان دونوں نے مل کر دس ہزار کی جمعیت فراہم کرلی اور امین الملک کے لشکر پر شب خون مارنے لگے۔ امین الملک معاملے کی نزاکت کو سمجھ گیا اور جس پہاڑ پر یہ باغی چڑھ گئے تھے اس کے درہ تک پہنچ کر اپنے بہادروں کو گھوڑوں سے اتار کر پہاڑ پر چڑھا دیا۔ اور دوبدو لڑائی ہونے لگی۔ اتفاق کی بات ہے کہ ایک تیر راوت راؤ کے سینے میں آلگا اور اس کے ساتھی فرار ہو گئے۔ جو بچ رہے وہ قید کرلیے گئے۔ جب بادشاہ کو اس کی خبر ملی تو اس نے تمام بہادروں کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔

لیکن یہ لڑائی یہیں ختم نہیں ہوگئی۔ کیونکہ راوت راؤ کے مرنے کے بعد ہری چندر اپنی جان بچا کر بھاگ گیا تھا۔ اب اس نے وسنا دیو کو جو اس نواح کے بڑے راجاؤں میں سے تھا طرح طرح کی باتیں بنا کر اپنا ہموار بنایا۔ وسنا دیو نے نکند راج بھائی بلندراؤ اور دیگر راجاؤں کو بھی متفق کرلیا اور ان کو قلعہ جرجرہ کی تسخیر کے لئے روانہ کیا جو ملک نائب کے قبضہ میں تھا۔ اور خود وسنا دیو اور ہری چندر چند اور سرداروں کے ساتھ اس لشکر کے مقابلے کے لیے متوجہ ہوئے۔[1]

---

[1] تاریخ قطب شاہی ورق ۲۵۵ ب۔

جب ملک نائب محصور ہو کر مجبور ہو گیا تو میر زین العابدین سر لشکر اور امین الملک میر جملہ کو اس کی اطلاع ملی۔ انھوں نے فوراً چنگیز خاں کو ایک لشکر کے ساتھ اسکی مدد کے لئے روانہ کیا۔ یہ فوج عین اس وقت پہنچی جب کہ مخالفین قلعہ کی فصیل پر سیڑھیاں لگا کر چڑھ رہے تھے اور تھوڑی دیر میں قلعہ ان کے ہاتھ میں جانے والا تھا۔ چنگیز خاں نے پہنچتے ہی حملہ کر دیا اور مخالفین کو بھگا کر ملک نائب اور اس کے ساتھیوں کی جان بچائی۔

چنگیز خاں کو ملک نائب کی مدد کے لئے بھیج کر میر زین العابدین وسنادیو کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ تو پہلے ہی سے تیار تھا۔ پانچ ہزار سوار اور تیس ہزار پیادوں کی فوج کے ساتھ اس نے خود ہی بڑھ کر حملہ کیا۔ اور اگرچہ خوب مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور ویرہ کوتم کے مضبوط قلعہ کی طرف فرار ہو گیا۔ وسنادیو کی شکست کی خبر جب اس کے ساتھی بھائی بلند رکمند راج کو جو قلعہ قطب شاہ آباد کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کرنا چاہتا تھا پہنچی تو وہ محاصرہ چھوڑ کر قلعہ جلبور میں پناہ گزیں ہو گیا۔ یہ قلعہ بہت بلند اور مضبوط سمجھا جاتا تھا۔ جب میر زین العابدین سپہ سالار کو اس کے بھاگنے اطلاع ملی تو اس نے چنگیز خاں سر نوبت، عبدالکریم حوالدار، بھالے راؤ اور دھرما راؤ کی فوج کو اس طرف روانہ کیا۔ ان لوگوں نے

اس قلعہ کے پاس پہنچ کر اطراف و جوانب کے حصوں کو جلانا شروع کیا۔ اور دو[۲] مہینے تک قلعہ والوں سے لڑائی ہوتی رہی۔ آخر کار مکند راج نے مجبور ہو کر وسنا دیو سے مدد کی درخواست کی۔

وسنا دیو نے اس عرصے میں قرب و جوار کے راجاؤں اور باغیوں سے مدد حاصل کر کے ایک اچھا لشکر جمع کر لیا تھا۔ اس نے ہری چندر کو سر لشکر بنا کر اس کے بھتیجے بول بانز سوندی کے ساتھ دو ہزار سوار اور تیس ہزار پیادے، اور ایکسو ہاتھی روانہ کئے۔ جب قطب شاہی فوج کو اس کی خبر ملی تو پانچ ہزار سواروں اور دس ہزار پیادوں کے ساتھ وہ بھی ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھی۔ مخالفین نے ایک اچھی محفوظ جگہ میں پڑاؤ ڈالا جس کے تینوں طرف پہاڑ اور سامنے گھنا جنگل تھا۔ شاہی فوج نے جنگل کا محاصرہ کر لیا لیکن جب دیکھا کہ باغی باہر نہیں نکلتے ہیں اور محاصرہ کی طوالت کی وجہ سے سامان رسد کی فراہمی میں دقت ہو رہی ہے تو سپہ سالار نے تمام سرداروں کو جمع کر کے صورت حال سے متعلق مشورہ کیا۔ شاہ رضا ولد ملک نائب اس نواح میں چند سال حکومت کر چکا تھا اس نے عرض کیا کہ میں ایک خفیہ راستے سے شاہی فوج کو لیجا کر باغیوں تک پہنچا سکتا ہوں۔ چنانچہ اس کی رہبری میں قطب شاہی فوج باغیوں تک پہنچ گئی اور وہاں خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی

ہری چند راو اور دوسرے سردار فرار ہو گئے اور بہت سے باغی قید کر لئے گئے۔
وسناد دیو نے دہرم راؤ سے پناہ مانگی اور اس کے توسط سے پچاس ہزار ہون اور پچاس ہاتھی سپہ سالار کے یہاں روانہ کئے اور اتنا ہی خراج ہر سال ادا کرنے اور اطاعت گزار رہنے کا وعدہ کیا ساتھ ہی لول باتر کو جو کہ بانی فساد تھا قید کرا دیا اور اپنے اعزہ و اقارب کو آزاد کرا لیا۔

وسناد دیو کی اطاعت کیشی کے بعد قطب شاہی لشکر کو کچھ آرام لینے کا موقع دیا گیا۔ اور اس کے بعد میر زین العابدین سپہ سالار نے بھائی بلندر مکند راج کا مقابلہ ضروری سمجھا کیونکہ وہ عرصے سے برسرپیکار اور اب قلعہ جلمور[1] میں پناہ گزیں تھا اور اس کی مدد کے لئے وسناد دیو نے یہ ہنگامہ برپا کیا تھا۔ اس لشکر کی خبر سن کر بھائی بلندر نے قلعہ جلمور چھوڑ کر پہاڑ کے ایک مہیب درے میں پناہ لی۔ چنگیز خاں نے اس کا تعاقب کیا۔ بھائی بلندر محفوظ جگہ پر پہنچ کر صف آرا ہوا لیکن چنگیز خاں نے اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ دشمن کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ لڑتے لڑتے رات ہو گئی تو دونوں لشکروں نے اپنی اپنی فوجوں کو حراست میں لے کر آرام لیا۔ دوسرے روز خود سپہ سالار میر زین العابدین نے صبح ہوتے ہی مخالفین پر حملہ کیا اور بہت سے

---

[1] تاریخ قطب شاہی میں اس قلعہ کا نام جلمور لکھا ہے۔ ورق ۲۵۰ الف

سپاہیوں کو قتل کر دیا۔ بھائی بلندر اور اس کے سپاہی فرار ہو گئے۔ اب قطب شاہی بہادروں نے قلعہ جلور کا رخ کیا اور اس کے بلند برجوں پر چڑھ گئے۔ بہت جلد قلعہ فتح ہو گیا اور بھائی بلندر نے قلعہ سے مایوس ہو کر مال و متاع سے بھی ہاتھ دھو لیا اور خود بنگالہ کی طرف بھاگ گیا۔

کشٹم راج ولد راوت راؤ کی بغاوت ۱۰۰۹ھ تا ۱۰۱۰ھ

بھائی بلندر کے بنگالے کی طرف بھاگ جانے کے بعد قطب شاہی فوجوں کو کچھ عرصے کے لئے آرام ملا۔ کشٹم کوٹ کے علاقہ میں ان کا پورا تسلط ہو چکا تھا لیکن کشٹم راج ولد راوت راؤ نے اس اثناء میں قوت پیدا کر لی تھی اور اس نے بھائی بلندر کو بنگالہ سے واپس بلایا تاکہ دونوں مل کر کشٹم کوٹ کو واپس لیں۔ بھائی بلندر کے آتے ہی اور بہت سے باغی اور مخالفین ان سے مل گئے اور ان سبھوں نے مدواڑہ اور پوٹنور پر قبضہ کر کے اطراف و اکناف کے قصبوں اور دیہاتوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔

زین العابدین سپہ سالار تو ابھی میدان ہی میں تھا۔ وہ اور دیگر قطب شاہی امرا مثلاً چنگیز خاں، سید تاج، رضا خاں، مجاہد خاں، دہرم راؤ اور آسیراؤ وغیرہ ان باغیوں کے مقابلے کے لئے نکلے۔ اور ایک روز صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی

آخر کار چنگیز خاں کی بہادری کی وجہ سے مخالفین کو شکست ہوئی اور بھائی بلندر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مدواڑہ میں محصور ہو گیا۔ شاہی فوج نے اس پہاڑ پر چڑھ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ چونکہ اس قلعہ کے اطراف آٹھ کوس تک گھنے جنگل تھے اس لئے اس کے فتح کرنے میں تعویق ہونے لگی۔

اس وقت دہرماراؤ نے مشورہ دیا کہ کشتم کوٹ کے بعض علاقے بھائی بلندر کو واپس دے دیے جائیں اور قدیم عملدرآمد کے مطابق اس سے اطاعت و انقیاد کا وعدہ لے کر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ سپہ سالار زین العابدین اس بات کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ جب عرصے سے ہم اس مہم میں سرگرم ہیں تو پورے ملک کو فتنہ و فساد سے پاک کئے بغیر چھوڑنا نہ چاہیئے۔ دہرماراؤ جب سپہ سالار سے مایوس ہو گیا تو اس نے محمد قلی قطب شاہ کی بارگاہ میں عریضہ روانہ کیا کہ مدت سے شاہی لشکر باغیوں کا مقابلہ کر رہا ہے اور اب صورت حال اس امر کی متقاضی ہے کہ بھائی بلندر کو پہلے کی طرح باجگزار راجہ بنا کر کچھ علاقے اس کے سپرد کر دیے جائیں۔

محمد قلی قطب شاہ ہمیشہ جنگ کو صلح پر ترجیح دیتا تھا۔ اور اس نے یہ بھی دیکھا کہ میر زین العابدین عرصے سے میدان جنگ میں ہے اس لئے اس کو واپس بلا لیا

اور سید حسن ابن مصطفیٰ خاں کو سپہ سالار بنا کر روانہ کیا[1] سید حسن کے کشتم کوٹ پہنچتے ہی صورت حال سنبھلنے لگی۔ وہ اپنے باپ کی طرح بڑا مدبر ثابت ہوا۔ بھائی بلندر کا بھتیجا ہری چندر جو پہلے شاہی لشکر سے فرار ہو کر عرصہ سے مقابلہ کر رہا تھا اس علاقے کے بہت سے بہادروں کے ساتھ سید حسن اور دہر ماراؤ سے آملا۔ اور گزشتہ بغاوت کی تلافی کرنے کے لئے یہ رائے دی کہ بھائی بلندر کا استیصال اس طرح ہو سکتا ہے کہ سرحد پر اور بعض راستوں پر جہاں سے وہ بھاگ سکتا ہے یا رسد حاصل کرتا ہے قلعوں کو مستحکم کیا جائے اور ان میں اچھی فوجیں متعین کی جائیں یہ رائے پسند کی گئی اور تھوڑے ہی عرصے میں اچھے قلعے مکمل ہو گئے۔ اور ایک کا نام مصطفےٰ آباد دوسرے کا قطب شاہ آباد اور تیسرے کا محمد آباد رکھا گیا۔ ملک نائب کو ان قلعوں کی نگرانی دی گئی اور اس طرح باغیوں اور مخالفوں کی آمد و رفت اور رسد کی فراہمی مشکل ہو گئی۔

جب باغیوں نے یہ صورت حال دیکھی تو بھائی بلندر نے کشتم راج کو جو اس وقت بانی فساد تھا اور جس کی تحریک پر وہ بنگالے سے آیا تھا سپہ سالار بنا کر دو تین ہزار تفنگچیوں اور پیادوں کی فوج دیکر قلعہ محمد آباد کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ وہاں جو مقابلہ ہوا تو کشتم راج تیر کا نشانہ بن گیا جب بھائی بلندر کو یہ خبر پہنچی تو بہت رنجیدہ ہوا۔ اب اس نے

---

[1] تاریخ قطب شاہی ورق ۲۵۹ ا

ایک بہادر رسوا نیر کو اس کی جگہ سپہ سالار بنا کر روانہ کیا۔ لیکن وہ بھی میدان جنگ میں گولی سے مارا گیا۔

اب بھائی بلندر نے محمد آباد کو چھوڑ کر مصطفےٰ آباد کی طرف توجہ کی اور اگین راجہ کو دس ہزار پیادہ فوج کے ساتھ روانہ کیا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وہ بھی لڑائی میں مارا گیا۔ جب ان پے درپے کامیابیوں کی خبر سید حسن سپہ سالار کو ملی تو اس نے راست بھائی بلندر پر حملہ کرنا ضروری سمجھا۔ کمٹم کوٹ کے اطراف و اکناف کا تمام جنگل کاٹ دیا گیا اور شاہی فوج چلمور کے قریب پہنچ گئی۔ خوب مقابلہ رہا لیکن باغی شکست کھا کر یا تو مارے گئے یا بھاگ نکلے۔

جب قلعہ پر قبضہ ہوگیا تو سپہ سالار نے بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے سری راؤ کو اس راجدھانی کی حکومت کے لئے نامزد کیا اور بقیہ پورا علاقہ قطب شاہی سلطنت میں شامل ہوگیا۔ اور وہاں کے قصبے اور پرگنے شاہی امرا کی جاگیروں میں تقسیم کر دیے گئے۔ اس وقت مخالفین کی ہمتیں اتنی پست ہوگئیں اور ان کے اتنے سردار مارے گئے کہ انہوں نے بعد کو آٹھ دس سال تک محمد قلی قطب شاہ کی مخالفت کرنے کا خیال تک نہ کیا۔ اس طرح بادشاہ کو علم و فضل اور تہذیب و تمدن کی قدر دانی اور سرپرستی کا موقع مل گیا۔ دراصل یہی وہ زمانہ تھا جب کہ قطب شاہی سلطنت ہر حیثیت سے انتہائی عروج کو پہنچ گئی۔ اور محمد قلی کو صرف ایک عظیم الشان بادشاہ نہیں بلکہ مقتدر شہنشاہ

کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس کے دربار میں ان ماتحت اور باجگزار راجاؤں کے یہاں سے سال بسال پابندی کے ساتھ خراج آیا کرتا تھا جس میں نقد زروجواہر کے علاوہ ہاتھی اور گھوڑے بھی شامل رہتے تھے۔ اور خاص خاص تقریبوں میں یہ باجگزار راجہ اور امیر خود بھی اپنے اپنے لاؤ لشکر اور تحف و ہدایا کے ساتھ قطب شاہی دربار میں حاضر ہوکر بادشاہ کی بزم آرائیوں میں شریک ہوتے اور اس کی سرفرازیوں سے سرفراز ہوکر واپس جاتے تھے۔

چنانچہ بھائی بلندر کے متعلق ابھی تذکرہ گزرا کہ وہ تیس سال سے برابر خراج ادا کرتا تھا اور جب اس کے بعد اس کا بیٹا مکندراج راجہ ہوا تو اپنی مسند نشینی کی نذر دینے کے لئے خود ہی محمد قلی کی بارگاہ میں حاضر ہوا تھا۔ اسی طرح دوسرے تمام چھوٹے بڑے راجہ اور نائک واڑی محمد قلی کی بارگاہ میں اپنی اپنی فوجوں اور اپنے خاص رنگوں کے فوجی نشان لے کر قطب شاہی پایۂ تخت میں داخل ہوتے تھے۔ محمد قلی قطب شاہ نے خود بھی اپنے کلام میں ان رنگ برنگ کے نشانوں اور جگہ جگہ کی فوجوں اور راجاؤں کے اپنی تقریبوں میں شرکت کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اس کے شعر ہیں ؎

دھریں سب ذکی وقت میں شہ کو سہرہیں — ہرے لال بردان کے ہر اک ملوکاں

جب آئے شہ ملوکاں سو مجلس بھرادیں — کھڑے ہوئیں دوہست جوڑت ہندراجاں
اتھ

یعنی سبز و سرخ رنگ والے ملوک بادشاہ کے آگے اپنے سر زمین پر رکھتے ہیں اور جب بادشاہ ان ملوکوں کے ساتھ مجلس آرائی کرتے ہیں تو راستے میں دونوں طرف ہندو راجہ ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہتے ہیں۔

ایک شعر میں اس لئے اپنے شہنشاہ یعنی راجہ دھیراج ہونے کا بھی ذکر کیا ہے وہ کہتا ہے ؎

سدا بارہ اماماں میرے نگہدار آہیں ہوا ہوں انکی غلامی تھے قطب راج دھیراج

اسی طرح اور اشعار میں بھی اشارے کئے ہیں مثلاً ؎

نبی کے صدقے قطب جم کاج کرتا ہے کہ پنجتن کے سکل شاہاں کا سو سرتاج ہو مشہور دستا ہے

پیا ہوں میں حضرت کے ہت آب کوثر تو شاہاں اوپر مجھ کلس کر بنایا

جب تلنگانہ اور کرناٹک کے دور دراز مقامات کے راجہ اور نائک واڑی محمد قلی قطب شاہ کے پرشکوہ دربار اور شہر حیدرآباد جیسے بارونق اور ترقی یافتہ عروس البلاد سے اپنے اپنے علاقوں کو واپس ہوتے تھے تو وہ یہاں سے تہذیب و تمدن کے بہت سے سبق سیکھ کر جاتے اسطرح محمد قلی نے دکن کے اس کوہستان میں علم و فضل اور تہذیب و ثقافت کی جو شمع روشن کی تھی اس کی روشنی دور دور تک پھیلتی جا رہی تھی اور اسی قطب شاہی شمع سے روشن کیے ہوئے سیکڑوں چراغ تلنگانہ اور کرناٹک کے دور دراز قلعوں اور شہروں میں عرصے تک تہذیب

وشائستگی کی روشنی پھیلاتے رہے۔

خدابندہ کی بغاوت ۱۰۱۷ھ

سات آٹھ سال کے امن وامان کے بعد محمد قلی کی زندگی میں اس کے حقیقی بھائی خدابندہ کی بغاوت کی وجہ سے پھر ہیجان پیدا ہوا۔ اس واقعہ کا سرسری ذکر اس کتاب میں بعنوان "مذہبی میلان اور مخالفتیں" صفحہ ۹۱ پر گذر چکا ہے۔

خدابندہ محمد قلی سے تین سال چھوٹا تھا اور اس کی تخت نشینی کے بعد سے تقریباً پچیس[۲۵] سال تک بھائی کی سرپرستی میں نہایت امن واطمینان کی زندگی بسر کر رہا تھا اور غالباً اس کو توقع تھی کہ بھائی کے بعد وہ بادشاہ بنایا جائے گا۔ کیونکہ بادشاہِ وقت کا وہی ایک حقیقی بھائی تھا اور بادشاہ کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ لیکن جب ۱۰۱۶ھ میں محمد قلی نے اپنی اکلوتی لڑکی حیات بخشی بیگم کی شادی اپنے بھتیجے سلطان مرزا ابن شہزادہ محمد امین سے کر دی اور اس کے بعد سے داماد کی جانشینی کا مسئلہ سب کے پیش نظر ہو گیا تو شہزادہ خدابندہ کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ وہ غالباً سنی مشرب پر عمل پیرا تھا اور ایرانیوں اور غیر ملکیوں سے زیادہ دکنیوں کا طرفدار تھا اس لئے دکنی امرا مثلاً فتح الملک حسن علی اور امور خاں[۱] وغیرہ اس کے ساتھ ہو گئے اور یہ سب لوگ شاہ راجو کے مرید ومعتقد تھے اور بقول تاریخ قطب شاہی "از عظما و روسائے دولت بودند.......

[۱] تاریخ قطب شاہی میں ہر جگہ امور خاں لکھا ہے (ورق ۱۹۲) لیکن دربار آصف میں انور خاں درج ہے ص ۱۹۲

درخدمت خاقان زمان عزتے زیادہ ازحد یافتہ بودند" ورق ۱۷۱ ا

محمد قلی دوسرے بادشاہوں کے برخلاف اپنے بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرتا تھا اور خدابندہ کو تو وہ سب بھائیوں سے زیادہ چاہتا تھا کیونکہ وہ اس کا ایک ہی حقیقی بھائی تھا۔ اور خدابندہ محمد قلی کے ساتھ ایسی محبت و اطاعت سے پیش آتا تھا کہ اس سے کبھی بغاوت کی توقع نہ ہو سکتی تھی۔ قطب شاہی مورخ کے الفاظ ہیں :۔

"بنوعے رعایت آداب واطاعت می نمود کہ گمان آن بود کہ تا عہد لیل و نہار برقرار باشد قدم ازجادۂ اطاعت بیرون نہ نہد" (ورق ۱۷۱ ب)

ساتھ ہی محمد قلی کے اس لطف و کرم کی وجہ سے خدابندہ کو بھائی کے بعد تخت قطب شاہی کے خواب بھی نظر آنے لگے تھے لیکن جب شہزادہ سلطان مرزا بادشاہ کا داماد ہوا اور حضرت میر مومن نے اس کی ولیعہدی کی تکمیل کی طرف توجہ کی تو خدابندہ بھائی سے رنجیدہ اور ناراض رہنے لگا لیکن محمد قلی نے اپنے حسن سلوک میں کوئی فرق آنے نہ دیا تاریخوں میں لکھا ہے۔

"باوجود ایں حال خسرو زمان نظر بر فرط شفقت کہ نسبت بحال او داشت بدسلوکی او را ارکان ملم یکن انگاشتہ طریقۂ الطاف مسلوک می نمود"

لیکن ہر چیز کی انتہا ہوتی ہے جب خود محمد قلی کے خاص اور معتبر ملازمین و امرا اس کے بھائی کے ساتھ خفیہ سازش کرنے لگے اور محمد قلی کو ختم کرنے تاریخ کے الفاظ ہیں

ان کی خواہش تھی کہ "جماعت غریباں را از پائے درآوردہ خدابندہ را برسر سلطنت اجلاس فرمایند و مملکت را بقبضۂ تصرف خود درآورند" خود محمد قلی کی جان کے لالے پڑ گئے تو اس نے اس معاملے کی اہمیت کا احساس کیا۔

خدابندہ کے تمام طرفدار شاہ راجو کی بارگاہ میں حاضر ہو کر علم بغاوت بلند کرنے ہی والے تھے کہ محمد قلی کو خبر ہو گئی اور اس نے مخالفین کو پکڑ کر ہر ایک کے مناسب سزائیں دیں اور خدابندہ کو اس کے فرزندوں کے ساتھ گرفتار کر کے قلعہ گولکنڈہ میں قید کر دیا۔ یہ شہزادہ بھائی کی زندگی میں دو تین سال تک قید رہا اور ۱۰۲۰ھ (یعنی محمد قلی کی وفات کے سال) میں اس کا بھی انتقال ہو گیا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ عمر طبعی کو پہنچا یا رقیب سلطنت کی حیثیت سے سزا بھگتی۔

محمد قلی قطب شاہ کے لئے یہ بغاوت بالکل غیر متوقع تھی کیونکہ اس نے تیس ۳۰ سال تک کامیاب حکومت کر کے بہت سے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا اور تمام سلطنت میں عرصے سے امن و امان قائم تھا۔ عبد القادر عرف شاہ صاحب کی بغاوت کو فرو کر دینے کے بعد پھر کسی مدعیٔ سلطنت کو خروج کرنے کی ہمت بھی نہ ہو سکتی تھی لیکن خدابندہ کی بغاوت نے آخر عمر میں اس کو بڑا رنج پہنچایا اور کیا تعجب کہ اس سازش سے اس کی صحت کو بڑا دھکا لگا ہو کیونکہ وہ اس واقعہ کے

بعد بہت جلد یعنی چودہ پندرہ مہینوں ہی میں انتقال کر گیا۔ اگر اس وقت اس سے غفلت ہوجاتی اور طاقتور باغی اپنی خفیہ سازش میں کامیاب ہوسکتے تو محمد قلی کا بھی وہی حشر ہوتا جو اس کے دادا سلطان قلی کا ہوا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ سلطان قلی اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکا تھا اور محمد قلی صرف پینتالیس سال ہی کا تھا۔

غرض عین وقت پر باغیوں کا قلع قمع ہوجانا محمد قلی کے لئے غیر معمولی کامیابی تھی۔ اس نے اس موقع پر ایک بلند پایہ نظم لکھی جس میں اپنے اور خدابندہ کے ناموں کی رعایت سے فائدہ اٹھایا۔ یعنی اس کا نام محمد قلی یعنے محمد کا بندہ تھا اور اس کے بھائی کا نام خدابندہ جس کے مقابلے میں اس نے اپنے لئے "نبی بندہ" کا لفظ استعمال کیا ہے اور اسی خصوصیت پر اس نے اپنی نظم میں بڑا زور دیا ہے وہ شاعرانہ انداز میں اپنی کامیابی کو اسم محمد کی برکت ظاہر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے[1]:-

اسم محمد (یعنی محمد سے منسوب ہونے) کی وجہ سے دنیا میں میری بادشاہت ہے۔ چونکہ میں ہمیشہ بندۂ نبی ہوں (نہ کہ خدابندہ) اس لیے بادشاہت مجھے زیب دیتی ہے

دوسرے بادشاہ اپنی سیاست و تدبیر پر غرور کرتے ہیں۔ لیکن میری

---

[1] یہ نظم کلیات کے حصہ اول میں صفحات ۱۰ اور ۱۱ پر درج ہے۔

مستی اور گھمنڈ صرف تیرے نام کی وجہ سے ہے اور یہی مجھے مست و دیوانہ بنانے کیلئے کافی ہے۔
سب لوگ اپنی عقل و چالاکی میں مست ہیں لیکن میں اس بات کو نہیں بھول سکتا ازل ہی سے
میری قسمت میں یہ خوبی لکھدی گئی تھی اور میری کامیابی کا یہی پوشیدہ راز ہے۔

اسی نام (محمدؐ) کی بڑائی یعنی بزرگی و فضیلت، جھلک جھلک کر میری سربلندی کو آسمان
تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اس لیے سارے فرشتے آ آکر مجھے یوسف ثانی کے لقب سے مخاطب کرتے ہیں۔

مجھے فرعون جیسے مغروروں اور سرکشوں کا ڈر ہے اور نہ سامری جیسا فسوں (جادو) کرنیوالوں کا
کیونکہ خدا میری تیغ کو عصائے موسیٰ بنا کر اس سے تمام سازشیوں کو سزا دلواتا ہے۔

شیطانی مکر و فریب کی ہوائیں (باتیں) اگر میرے کان میں فوراً سنائی نہ دیں تو کوئی پروا
نہیں کیونکہ میرے امید کے گلدان کو تو رحمانی ہوائیں شگفتہ کرتی رہتی ہیں۔

اسی لئے بادشاہوں میں بہت مان پان کیساتھ میری بڑائی ہے اور علیؓ کی عنایت سے مجھے تشریف شاہانی حاصل ہوا ہے

اسی موضوع پر محمد قلی نے ایک اور نظم بھی لکھی تھی۔ اس کے چند اشعار کا خلاصہ یہ ہے۔

خدا نے اپنی مہربانی سے نبیؐ کے صدقے میں میرا رتبہ ارفع و اعلیٰ بنایا ہے۔ اور خود ہی بادشاہت کرنے
کے لئے تخت سلیمان عنایت کیا۔

میں یقین کیساتھ مانتا ہوں کہ خود خدا جس کو رافع (بلند رتبہ) بناتا ہے وہ ہرگز زیر نہیں ہو سکتا۔

جو شخص ایمان کی محبت اپنے دل میں بھر لیتا ہے تو حضرت مصطفیٰ خود اس کا ہاتھ پکڑ کر اسکو بلند رتبہ
بنا دیتے ہیں۔

جو شخص انکی محبت کیوجہ سے ان کا غلام (یعنی محمد قلی) کہلاتا ہے تو مصطفیٰ اسکے مددگار ہیں وہ ہمیشہ رافع رہیگا۔

بہت سے لوگ محمد کے ساتھ محبت (یعنی حب نبیؐ) کرنیکی وجہ سے ہنستے تھے لیکن بہت سے لوگوں کے دل انکی محبت کی دولت کیوجہ سے ارفع و اعلیٰ بن گئے۔

اے قطب شاہ جو کوئی حضرت مرتضیٰ کا محب ہے اس کو کچھ ڈر نہیں کیونکہ حضرت مرتضیٰ اس کو دین اور دنیا دونوں جگہوں میں ممتاز کرتے ہیں۔

وسنا دیو کی بغاوت ۱۰۱۸ھ

پہلے بیان گزر چکا ہے کہ جب کشتم کوٹ کا علاقہ کندراج فرزند بھائی بلند سے لے لیا گیا تو وسنا دیو قطب شاہی لشکر سے خوفزدہ ہو کر مطیع و منقاد ہو گیا تھا اور اگرچہ اس کیساتھ ہمیشہ پچاس ہزار پیادے اور ایک ہزار ہاتھیوں کی فوج رہتی تھی اور وہ چند مضبوط قلعوں پر بھی قابض تھا لیکن سید حسن سپہ سالار کشتم کوٹ کی فوجوں کی وجہ سے اس نے آٹھ سال تک بغاوت کا نام تک نہ لیا۔ یہانتک کہ ۱۰۱۸ھ میں شہنشاہ جہانگیر نے اپنے فرزند پرویز کو دکن کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی تمام مخالفوں اور شریر النفس لوگوں کے دلوں میں نبرد آزمائی کے ولولے پیدا ہو گئے۔ چنانچہ وسنا دیو نے بھی سید حسن کو غافل پا کر شاہی لشکر پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا اور لشکر کو گھیر لیا لیکن قطب شاہیوں نے بھی خوب مقابلہ کیا اور مخالفین نے بھاگ کر کشتم کوٹ کے علاقہ میں لوٹ مار مچانی شروع کی۔

سید حسن نے اس اچانک بغاوت کی خبر سلطان محمد قلی قطب شاہ کی بارگاہ میں روانہ کی۔

بادشاہ نے چنگیز خاں اور دھرماراؤ کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ ونادیو کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ جس کے ڈر سے ونادیو قلعہ میں محصور ہو گیا اور شاہی فوج اس کے علاقوں کو بھی پامال کرنے لگی۔ اس کو دیکھ کر ونادیو کا بھتیجا کشناراجہ ایک گروہ کے ساتھ شاہی لشکر سے آملا۔ اگرچہ اس کو اپنے چچا سے کسی امر میں اختلاف تھا لیکن دراصل دھرماراؤ کے نامہ و پیام نے اس کا دل موہ لیا تھا چنگیز خاں اور دھرماراؤ نے بڑے اعزاز و اکرام سے اس کا استقبال کیا۔ اسکی خبر سن کر اور بہت سے ہندو سپاہی اور بہادر کشناراج سے آملے۔ اس واقعہ سے ونادیو کو اتنا رنج پہنچا کہ وہ بیمار ہو گیا اور آخر کار وفات پائی۔

چنگیز خاں اور دھرماراؤ نے ونادیو کے اعیان دولت کو لکھ بھیجا کہ خسرو زماں نے ایک بڑا لشکر تمھارے ملک کی تسخیر کے لئے روانہ کیا ہے اگر تم سلامتی چاہتے ہو تو دوسرے راجاؤں کی طرح مطیع و منقاد ہو کر مالگزاری ادا کرنے کے کا وعدہ کرو۔ ونادیو کے اعیان معاملہ کی نزاکت کو سمجھ گئے اور انھوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ونادیو کی جانشینی کے لئے یہاں کوئی موزوں شخص نہیں ہے اسلئے اگر کشناراجہ کو جو اس منصب کا موروثی مستحق ہے روانہ کریں تو ہم سب اس کو راجہ بنا کر قطب شاہ کے مطیع و منقاد رہیں گے اور باج ادا کرتے رہیں گے۔

دھرماراؤ چونکہ ان کا ہم مذہب تھا اور اس نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ کشناراجہ کو ونادیو کا جانشین بنا دینا چاہئے اس لیے اس سے جاں سپاری اور محمد قلی کی اطاعت گزاری کے

وعدے لے کر ولیعہدی کی خوشخبری سنائی کشنا راجہ نے عہد کیا کہ :۔

"چوں مرا بر مسند حکومت موروثی متمکن گردانند بدستور بھائی بلند رسال بسال باج وخراج وفیلان کوہ پیکر بدرگاہ گیتی پناہ خواہم فرستاد۔ وبالفعل مبلغ سہ لاک ہون وسی وصد زنجیر فیل بادیگر تحف وہدایا وجواہر نفیسہ بطریق پیشکش حضور ارسال می گردانم۔ (تاریخ قطب شاہی)

ان وعدوں پر قایم رہنے کے لئے کشنا راجہ نے بہت سی قسمیں بھی کھائیں۔ اور دھرماراؤ کو اپنی باتوں سے اتنا خوش کیا کہ اس نے تشریفات شاہانہ اسپ بازین زر اور کلاہ وکمر سے سرفراز کرکے پوری شان وشوکت کے ساتھ وسناودیو کے پایۂ تخت کی طرف روانہ کیا دھرماراؤ بہت خوش تھا کہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے پا گیا۔ مزید لڑائی کی ضرورت بھی نہ رہی اور محمد قلی قطب شاہ کے باجگزار راجاؤں میں ایک احسانمند راجہ کا اور اضافہ ہوگیا لیکن اسکی یہ مسرت وکامرانی زیادہ عرصے تک باقی نہ رہ سکی کیونکہ کشنا راجہ مسند نشین ہونے کے بعد پہلے تو ایک سو پچاس ہزار ہون اور ایک سو پچاس ہاتھی قطب شاہی لشکر میں روانہ کئے لیکن بقیہ وعدوں کو پورا کرنے کے وقت وسناودیو کے قدیم اعیان کے بہکانے سے بغاوت پر آمادہ ہوگیا۔ یہ لوگ گرگ باراں دیدہ تھے اور قطب شاہی فوج کا عرصے سے مقابلہ کرتے کرتے ان کے دلوں میں مخالفت جاگزیں ہوگئی تھی اور جب انھوں نے دیکھا کہ نیا راجہ بڑے بڑے وعدے کر آیا ہے تو رفتہ رفتہ اس کو اپنا ہتھیال بنا کر قطب شاہی لشکر کے مقابلے کیلئے آمادہ کر لیا۔

سید حسن سپہ سالار نے اس خبر کو سن کر ان علاقوں پر پھر حملہ شروع کر دیا اور ساتھ ہی محمد قلی قطب شاہ کی خدمت میں ایک سو پچاس ہزار ہون اور ایک سو پچاس ہاتھی روانہ کر کے کشنا راج کی بد عہدی اور بغاوت کی اطلاع دی۔ بادشاہ نے چنگیز خاں اور دھرما راؤ کے نام فرمان روانہ کیا کہ ان مخالفوں کی پوری طرح سے تنبیہ کی جائے اور روشنا دیو کے قلعہ کے قریب ایک دوسرا مستحکم قلعہ تیار کر کے اس علاقے پر نظر رکھیں۔

اس حکم نے سید حسن کے منصوبے کو پختہ کر دیا اس نے پوری قوت سے مقابلہ شروع کر دیا پہلے پہلے تو میدان میں لڑائی ہوئی لیکن آخر کار باغیوں نے قلعوں میں پناہ لی۔ بہت سے علاقے قطب شاہیوں کے قبضہ میں آئے۔ ساتھ ہی حسب حکم محمد قلی قطب شاہ سید حسن نے تھوڑے ہی عرصے میں ایک مضبوط قلعہ بنا کر کشنا راجہ کی حکومت میں خلل ڈالنا شروع کیا۔ آخر کار اس نے اور اس کے مشیرانِ کار نے بغاوت کی جگہ اطاعت و انقیاد کو ترجیح دی۔ اس دفعہ قدیم اعیان نے بھی اطاعت کے وعدے کئے اور ہر سال خراج ادا کرنے کی ذمہ داری لی۔ اس اطاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشتم کوٹہ کے اطراف واکناف کے تمام راجہ اور سرکش لوگ بھی مطیع ہو گئے اور قطب شاہی سرحدوں پر امن و امان قائم ہو گیا۔

پرتاب شاہ راجہ دستر سے مقابلہ ۱۰۱۹ھ

محمد قلی قطب شاہ نے اب تک کئی علاقے فتح کر لیے تھے جن میں سے بعض ایسے حصے بھی تھے جہاں اس سے

قبل مسلمانوں کا گزر تک نہ ہوا تھا۔ تاریخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ ہند کی کتابوں میں تین ملکوں کا ذکر ہے جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور جن کی آب و ہوا کی تاثیر بھی قریب قریب ایک ہی ہے یعنی تلنگ، ونگ اور بنگ۔ تلنگ تو وہی تلنگانہ تھا جس پر قطب شاہی سلطنت کا نیر اقبال طلوع ہوا۔ بنگ بنگالہ ہے اور ونگ وہ علاقہ جس کو محمد قلی نے سالہاسال کی یورش و معرکہ آرائی کے بعد مستقل طور پر سلطنت قطب شاہی میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے شمال میں دستر کا علاقہ تھا جہاں کے راجہ پرتاب شاہ نے ۱۰۱۹ھ میں قطب شاہی حدود میں دست اندازی شروع کی تھی۔

محمد قلی کے عہد حکومت کا یہ آخری زمانہ تھا اور اس کی صحت بھی اب جواب دینے لگی تھی۔ خاص کر خدابندہ کی بغاوت کے بعد اس نے اکثر مہمات سلطنت کو اپنے میر جملہ مرزا محمد امین ہی پر چھوڑ دیا تھا چنانچہ اب جو عمال شاہی نے پرتاب شاہ کی دست اندازی کی اطلاع دی تو معلوم ہوتا ہے کہ محمد امین نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہ کی لیکن محمد قلی اس قسم کے واقعات کی اہمیت سے واقف تھا وہ جانتا تھا کہ دکن میں اگر وقت پر کام نہ کیا جائے تو کیسے کیسے اندیشے لاحق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ مرزا محمد امین دکن کے لئے نو وارد تھا اور وہ شاید اسی لیے اس واقعہ کو اہمیت نہ دے رہا تھا۔ اسی وجہ سے محمد قلی نے اس کو خاص طور پر توجہ دلائی تاریخ کے الفاظ ہیں۔

"خسرو زماں رکن سلطنت البہیہ اعتماد الدولۃ العلیہ میرزا محمد امین میر جملہ فرمود کہ رفع آں مفسد اہم مہمات است، و اہمال در تنبیہ آں مفسد موجب فسادات"[1]

---

[1] تاریخ قطب شاہی ورق ۲۷۸ اور حدیقۃ السلاطین صفحہ ۳۵۷۔

اس تاکید کی بنا پر مرزا محمد امین نے پہلے آسیراؤ نایک واڑی کو (جس کی فوجیں بہت کثیر تھیں) تشریفاتِ شاہی سے ممتاز کر کے چند معتبر حوالداروں مثلاً سید حیدر اور امجد الملک کے ساتھ دشمن کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ یہ لوگ دستر کے علاقے میں داخل ہو کر پرتاب شاہ سے مقابلہ کر کے اس کے کئی مقامات پر قابض ہو گئے لیکن دستر کا قلعہ نہایت مستحکم تھا اور وہاں تک پہنچنے کے لئے بڑے بڑے گھنے جنگل حائل تھے۔ اس حقیقت حال سے اسیراؤ نے محمد قلی کو مطلع کیا۔

اب محمد قلی نے خود میرزا امین میر جملہ کو ایک کثیر لشکر کے ساتھ دستر کی طرف روانہ کیا۔ جب میر جملہ سرحد پر پہنچا تو تھوڑے دن وہاں ٹھہر گیا تاکہ دوسرے سردار اس سے آملیں۔ چنانچہ تکن خاں، زبردست خاں، خیرات خاں اور اعتبار خاں کے آجانے کے بعد قطب شاہی فوجیں دستر کی طرف روانہ ہوئیں۔ پرتاب شاہ نے اتنی بڑی فوج کو اپنے علاقوں میں کوچ کرتا ہوا دیکھ کر اپنے اہل و عیال کو پہاڑوں میں چھپا دیا اور خود جنگل جنگل چھپتا پھرا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قطب شاہی فوجیں بلا مقابلے کے اپنی سرحد سے ایک مہینے کا راستہ طے کرتی ہوئی نلنگور اور مندیر کے قلعوں پر پہنچیں اور ان پر حملہ کر کے مسمار کر دیا۔ ان علاقوں میں اس سے قبل مسلمان فوجیں کبھی داخل نہ ہوئی تھیں۔

پرتاب شاہ نے جب دیکھا کہ دشمن اس کے ملک کے قلب میں گھس آیا ہے تو

اطراف واکناف کے رایوں اور راجاؤں سے مدد طلب کی۔ اور ہمت کرکے قلعہ دستر کو مستحکم کرکے اس میں محصور ہوگیا۔ قطب شاہیوں نے قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر کر حملہ شروع کردیا لیکن اتفاق سے بارش شروع ہوگئی اور ایسا پانی برسا کہ انکی توپیں اور بندوقیں سرد ہوگئیں۔ ساتھ ہی کیچڑ اور پانی کی وجہ سے راستے بھی بند ہوگئے اور سامان رسد اور غلہ کی فراہمی میں دشواری محسوس ہونے لگی۔ محمد امین نے دیکھا کہ بُرا وقت آگیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ شاہی فوجیں بھوکوں مرنے لگیں اس لئے دستر کا محاصرہ کسی اور وقت کے لیے ملتوی کرکے اپنی سرحد کی طرف واپس آیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے موسم کی خرابی اور سامان رسد کی قلت کے متعلق سلطان محمد قلی قطب شاہ کی خدمت میں عریضہ روانہ کیا۔ بادشاہ نے اب بھی ہمت نہ ہاری اس نے واپسی کا حکم دینے کی جگہ مالک پرت خاں کو پانچہزار تفنگچیوں اور بارگاروں کے ساتھ مرزا محمد امین کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ اور یہ آخری فوج تھی جو محمد قلی قطب شاہ کی زندگی میں گولکنڈہ سے روانہ ہوئی کیونکہ اس کے کچھ دن بعد ہی خود یہ مرد غازی دنیا سے کوچ کرگیا۔

چھٹا حصہ

محمد قلی قطب شاہ کی عظمت و توقیر کی تشکیل اور اقبال مندی کے استحکام میں اس کی معرکہ آرائیوں سے زیادہ اس کے قلب و دماغ کی اُن فطری صلاحیتوں کو بڑا دخل ہے جن کے کچھ آثار اس حصّہ کتاب میں پیشِ نظر ہیں۔

اس نے دکن کے سیاسی توازن کو برقرار رکھنے کے لئے ہر وہ کام کیا جو ایک اعلیٰ پایہ مدبر ہی کر سکتا تھا۔ اسی کی خاطر اس نے شاہِ بیجاپور سے رشتہ جوڑا اور پھر اس کو اس خوبی سے آخر تک نبھایا کہ تاریخ میں ایسی وفاداری کی نظیر کم ملتی ہے اور اسی کی خاطر اس نے احمد نگر کی مدد کی اور مغلوں کے مقابلہ کے لئے پے در پے فوجیں روانہ کیں۔

بیرونی سلطنتوں کے ساتھ سفیروں کے ذریعہ سے تعلقات مستحکم کرنے میں بھی محمد قلی نے اپنی بہترین سیاست دانی کا ثبوت دیا ہے۔

ہندو رعایا کی جیسی عالی شان سرپرستی اُس نے کی ہے اس کی نظیر صرف اکبر اعظم ہی کے عہد حکومت میں مل سکتی ہے۔

ایرانیوں اور اجنبیوں کی قدر افزائی کرنے میں بھی محمد قلی حق بجانب تھا لیکن اس کے دل کا ایک گوشہ سرزمین دکن اور اہلِ دکن کی محبت سے ہمیشہ معمور رہتا تھا۔ اس نے جن اجنبیوں کی سرپرستی کی ان کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ محمد قلی بہت بڑا مردم شناس تھا اور یہ وہ صفت ہے جس کی کمی نے بڑے بڑے انسانوں کو بھی ناشاد و نامراد رکھا ہے۔

تدبر و سیاست

محمد قلی قطب شاہ ایک اقبالمند بادشاہ تھا، لیکن اس کی اقبال مندی کی تعمیر میں اسکے قلب و دماغ کی صلاحیتوں کا بڑا حصہ ہے۔ اس کی سلامتی طبع، اس کی صلح جوئی، اس کی بہادری، بروقت کام کرنا، باوجود عیش و عشرت کی فراوانی کے جملہ حالاتِ ملک اور ہر سازش اور خفیہ کارروائی سے واقف ہو جانا، اس کی دریادلی اور رعایا پروری — وہ خصوصیتیں ہیں جو ایک ہی شخص میں کم جمع ہو سکتی ہیں۔

اس کی معرکہ آرائیوں کے حالات معلوم کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ایک اعلیٰ مدبر اور ریاست داں بھی تھا۔ لڑائیوں کے اسباب، ان کا آغاز، مقابلے کے لئے جلد از جلد تیاری، اور اثنائے جنگ میں بروقت فوجی کمکوں کا انتظام، سپہ سالاران اور سرداروں کا انتخاب نیز لڑائیوں کے اختتام کے طریقے اور مفتوحین کے ساتھ برتاؤ۔ یہ سب ایسے امور ہیں جن پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ محمد قلی نے کبھی افراط و تفریط سے کام نہیں لیا۔ نہ وہ کبھی مغلوب الغضب ہوا، نہ اُسے ملک گیری کی ہوس تھی، نہ اس نے لوٹ مار کی خاطر کہیں

چڑھائی کی یا مفتوحین کے قلعوں اور شہروں کو تباہ و برباد کر دینے کا حکم دیا۔ حالانکہ اس کا ایک میر جملہ ملک امین الملک بڑا سخت گیر اور خشمناک سپاہی تھا لیکن وہ خود ہمیشہ سلامت روی کو پسند کرتا تھا اور اکثر یہ تاکید کرتا تھا کہ دشمن یا باغیوں کو پہلے پوری طرح سے سمجھا منا کر لڑائی سے باز رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ مکندراج کے مقابلے میں فوجوں کو بھیجتے وقت اس نے اس کی بڑی سخت تاکید کی اور آخر میں اسی خیال سے کہ شاید اس کے سپہ سالار اسکی اس حکمت عملی کا خیال نہ رکھیں گے وہ خود لڑائی کے میدان میں نکلنا چاہتا ہے۔ اسیطرح اس کا ایک دوسرا میر جملہ مرزا محمد امین اپنے پیشرو ملک امین الملک کے مقابلے میں ایک بہت ہی عشرت پسند اور امن دوست امیر تھا لیکن محمد قلی کو لڑائی کے معاملات میں ایسی سستی اور غفلت بھی پسند نہ تھی چنانچہ جب فتنہ انگیزی کی اطلاع ملتی ہے تو میرزا محمد امین کو تاکید کرتا ہے کہ باغیوں کی طرف سب سے پہلے متوجہ ہونا چاہئیے کیونکہ یہ دوسری تمام مہمات سے اہم ترین مہم ہے۔

محمد قلی قطب شاہ کے تدبر اور اعلیٰ فہم و فراست کا اندازہ کرنے کے لئے حسب ذیل موضوعوں پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس زمانے کے حالات اور سیاست کے مطابق محمد قلی نے ان امور کو اس خوبی سے سرانجام کیا کہ شائد ہی اس کی جگہ کوئی دوسرا بادشاہ کر سکتا۔

۱۔ دکن کے سیاسی توازن کا خیال۔ ۲۔ بیرونی تعلقات۔ ۳۔ ہندو رعایا کی سرپرستی

۴۔ ایرانیوں اور اجنبیوں کی نگہداشت ۔

دراصل یہی وہ اہم کام ہیں جن کی طرف ہمیشہ خوش اسلوبی اور کمال ہنرمندی کے ساتھ متوجہ رہنے کی وجہ سے محمد قلی نے ایک کامیاب بادشاہت کی اور اپنی سلطنت کو ایک عرصے تک امن و امان اور ترقی کی شاہراہ پر چلاتا رہا۔

(۱)

دکن کے سیاسی توازن کا خیال

اس بارے میں محمد قلی نے اپنے پیشرو ابراہیم قلی کی حکمت عملی کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اس سلسلے میں بعض ایسے کام کیے کہ وہ بہت مستحکم ہو گئی۔ تالیکوٹ کی لڑائی کے بعد سے دکن کی مسلمان سلطنتیں ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو گئی تھیں۔ اور اس طرح فتح تالیکوٹ سے فائدہ اٹھانے کے مواقع ہاتھ سے نکلے جا رہے تھے۔ یہ طوائف الملوکی جاری ہی تھی کہ بیجاپور کے علی عادل شاہ اور گولکنڈہ کے ابراہیم قلی قطب شاہ کا انتقال ہو جاتا ہے اور حسن اتفاق سے ان دونوں کے جانشین یعنی ابراہیم عادل شاہ نورس اور محمد قلی قطب شاہ ملک گیری اور جنگجوئی سے زیادہ امن و امان اور صلح پسندی کی طرف مائل تھے۔ اور دونوں میں تدبر و فراست کی کمی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۰۰۰ھ کے بعد سے دکن کی تہذیب و شائستگی کے جو سرچشمے جاری ہوئے وہ عرصے تک قائم رہے۔

چاند بی بی ہمشیرہ محمد قلی کی شادی

پہلے پہل محمد قلی نے باپ کی حکمت عملی کے مطابق اور

اقتضائے وقت کے لحاظ سے نظام شاہیوں کی مدد کے لئے اپنی فوجیں روانہ کیں اور خود بھی میدان جنگ میں نکل آیا۔ لیکن جب عین میدان کارزار میں ابراہیم عادل شاہ کا مکتوب صلح وصول ہوا تو اس نے لڑائی سے ہاتھ دھو کر گولکنڈہ کا رخ کیا اور نظام شاہیوں کو بھی واپس چلے جانے کی ترغیب دی۔ اس طرح سے بیجاپور کے ساتھ گولکنڈہ کے تعلقات جو عرصے سے خراب تھے پھر اتنے خوشگوار ہو گئے کہ اس واقعہ کے تین چار سال بعد بیجاپور کی طرف سے ملک التجار خواجہ علی شیرازی گولکنڈہ آیا اور محمد قلی قطب شاہ کی بہن شہزادی چاند بی بی کو بیجاپور کے نوجوان حکمران ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عقد نکاح میں دینے کا پیام لے آیا۔ اس پیام مواصلت کی سب سے بڑی وجہ جیسا کہ تاریخوں میں لکھا ہے یہی تھی کہ بیجاپوری سلطنت قطب شاہیوں کی مخالفت سے محفوظ رہنا چاہتی تھی چنانچہ اس گفت و شنید کی خبر معلوم کر کے نظام شاہی وکیل السلطنت صلابت خاں بہت سیخ پا ہوا اور اس نے کوشش بھی کی کہ پیام و سلام کا یہ سلسلہ منقطع ہو جائے لیکن اس کو ناکامی ہوئی۔

غرض ۹۹۵ھ میں خواجہ علی ملک التجار بیجاپور کے چند اعیان سلطنت کے ساتھ متعدد تحائف و ہدایا لے کر محمد قلی کے دربار میں حاضر ہوا۔ محمد قلی نے دکن کے سیاسی توازن کیلئے اس نئے رشتے کو مناسب خیال کیا اور سفیر کے ذریعہ تصفیہ کرایا کہ خود ابراہیم عادل شاہ گولکنڈہ کی سرحد پر قلعہ نلدرگ تک آکر دلہن کا استقبال کرے اور وہاں عقد نکاح کے مراسم



سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی
(نورس)
۹۸۸ھ تا ۱۰۳۷ھ



سلطان محمد عادل شاہ
۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۷ھ

طے پائیں۔ چنانچہ اس تصفیہ کے مطابق جب ابراہیم عادل شاہ کے قلعہ نلدرگ کے پاس پہنچنے کی اطلاع ملی تو محمد قلی قطب شاہ نے میر امیر زینبیل مصطفیٰ خاں استرابادی ملک الملک امین اعتبار خاں یزدی ملک فخر الملک اور ابن خاں دبیر کو ۹۹۶ھ میں شہزادی کی پالکی کیساتھ نلدرگ کی طرف روانہ کیا۔ جب ابراہیم عادل شاہ کو شہزادی کی آمد آمد کی اطلاع ملی تو اس نے مقربان خاص کو استقبال کے لیے بھیجا اس کے بعد شریعت کے مطابق نکاح پڑھا گیا اور بادشاہ نے شاہ درگ پہنچ کر ایک ہفتے تک جشن شاہانہ منایا جس کے بعد قطب شاہی امرا کو تشریف فاخرہ کے ساتھ گولکنڈہ کو واپس کیا اور خاصکر مصطفیٰ خاں کو بارہ ہاتھی اور بارہ ہزار ہون اور دیگر تحف و ہدایا کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ گولکنڈہ کی طرف سے بھی عادل شاہی امرا کے لئے خلعتیں روانہ کی گئی تھیں۔

عادل شاہی شہزادہ اسمٰعیل کی بغاوت

قطب شاہی شہزادی کے بیجاپور جانے کے بعد عادل شاہیوں اور قطب شاہیوں کے تعلقات بہت مستحکم ہو گئے۔ حالانکہ اس قسم کی سیاسی شادیاں دکن میں بھی ناکام ثابت ہوئی ہیں اور جہیز یا کسی اور مسئلہ سے متعلق ایسے جھگڑے کھڑے ہو گئے ہیں کہ اتحاد و یکجہتی کی جگہ الٹی لڑائیاں لڑنی پڑی ہیں۔ لیکن محمد قلی نے اس رشتہ کو بڑی خوبی سے نباہا۔ چنانچہ اس شادی کے چند سال

ے مورخ فرشتہ لکھتا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ نلدرگ تک نہیں گیا بلکہ امرائے عادل شاہی گئے تھے۔

بعد ہی جب ابراہیم عادل شاہ کا چھوٹا بھائی اسمٰعیل تخت بیجاپور کا دعویدار ہوا اور بھائی کے خلاف ، رمضان ۱۰۲۰ھ میں علم بغاوت بلند کرکے بہت سے عادل شاہی امرا کو اپنے ساتھ ملالیا اور ساتھ ہی برہان نظام شاہ والی احمد نگر کو بھی مدد کے لیے طلب کیا تو یہ ابراہیم کے لیے بڑا نازک وقت تھا اس کے بڑے بڑے امراء و عمائدین مثلاً عین الملک، الیاس خاں، رومی خاں، دیونائک، اور پنڈت آپاجی وغیرہ کے علاوہ خاص خاص ملازمین بھی غداری پر تلے ہوئے تھے۔ اور شمال سے شاہ احمد نگر ایک جرار فوج کے ساتھ بیجاپور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ان پریشانیوں میں ابراہیم کو محمد قلی یاد آیا اور اس نے فوراً اپنے ایک امیر شاہ نواز خاں کو اس کی خدمت میں روانہ کرکے مدد طلب کی۔ محمد قلی امداد روانہ کر ہی رہا تھا کہ ۶ ربیع الثانی ۱۰۲۱ھ کو شاہزادہ اسمٰعیل کو شکست ہوئی اور وہ قتل کر دیا گیا اس واقعہ کی اطلاع سن کر برہان نظام شاہ احمد نگر کی طرف واپس ہو گیا اور محمد قلی کو فوجی امداد روانہ کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔

علی برید پر حملہ

اسی طرح محمد قلی نے ایک اور دفعہ ابراہیم عادل شاہ کی خاطر نظام شاہیوں کے خلاف اپنی فوجیں روانہ کیں۔ برہان نظام شاہ شہزادہ اسمٰعیل کی شکست سے مایوس ہو کر واپس ہوا تھا کہ علی برید والی بیدر نے اس کو اپنی تائید میں بیجاپور پر حملہ کرنے کے لئے مدعو کیا۔ علی برید نے ابراہیم کو اودسہ، قندھار اور کلیانی

دینے کا وعدہ کرکے بیدر پر دوبارہ قبضہ حاصل کیا تھا اور اب اس ڈر سے کہ کہیں ابراہیم ان قلعوں کو طلب نہ کرے برہان کی مدد چاہی۔ چنانچہ پہلی جمادی الاول ٣٠١٠ھ کو دس بارہ ہزار سواروں کی فوج روانہ کی۔ اب ابراہیم نے دکن کے سیاسی توازن کو برقرار رکھنے کے لئے محمد قلی سے مدد مانگی اور چونکہ وہ اسی حکمت عملی پر کاربند تھا اس لیے بیدر پر حملہ آور ہوا لیکن بعد کو جب علی برید کے ایما سے وینکٹادری نے قطب شاہی سلطنت پر حملہ کیا تو محمد قلی کی فوجیں بیدر کا رخ چھوڑ کر کرناٹک کی طرف روانہ ہوگئیں۔

مغلوں کے مقابلے میں احمد نگر کی امداد

ان واقعات سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ محمد قلی نظام شاہیوں کا دشمن ہی بن گیا تھا۔ اب تک اس نے ان کے خلاف جو کچھ بھی کیا وہ محض سیاسی توازن کے برقرار رکھنے کے لئے تھا لیکن جب اس کے بعد ہی احمد نگر پر مغلوں نے حملہ کیا تو وہ گزشتہ چند سال کے ناخوشگوار تعلقات کو بالکل بھول گیا اور اپنے ایک ترکمان بہادر مہدی قلی سلطان کے ساتھ چھ سات ہزار سوار اور ہزار ہا پیادے نظام شاہیوں کی مدد کے لیے روانہ کیے حالانکہ یہ قطب شاہی سلطنت کے لیے خطرناک تھا کیونکہ وینکٹ پتی رائے پینکنڈہ اس کی سرحد پر موقع کا منتظر بیٹھا تھا۔ چنانچہ اس وقت اس نے فوراً حملہ بھی کردیا تھا۔ محمد قلی قطب شاہ کی اس کمک کی وجہ سے مغلوں کے مقابلے کیلئے ساٹھ ستر ہزار کی ایک ایسی بڑی فوج جمع ہوگئی جو جنگ تالیکوٹ کے بعد سے سرزمین دکن میں

کبھی جمع نہ ہوئی تھی۔ لیکن اس عظیم الشان فوج کے احمد نگر پہنچنے سے قبل ہی مغلوں نے چاند بی بی سے صلح کر لی کیونکہ وہ اتنی بڑی لڑائی کے لیے تیار نہ تھے۔ اس طرح ۱۰۰۴ھ میں محمد قلی کا سپہ سالار مہدی قلی سلطان اپنی فوجوں کے ساتھ حیدرآباد واپس آگیا۔[1]

اس وقت اگر ملکہ چاند سلطانہ دکنی فوج کی آمد کا انتظار کرتی اور مغلوں سے صلح نہ کر لیتی تو شاید دکن کی تاریخ بدل جاتی۔ کیونکہ برار کا علاقہ مغلوں کو تفویض کر کے صلح کر لینے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ مغلوں کے قدم دکن میں جم گئے اور وہ دکن کی ان تین باقی ماندہ سلطنتوں (نظام شاہی، عادل شاہی، اور قطب شاہی) کی سرحد پر بیٹھے ہوئے تاک میں لگے رہے کہ جہاں موقع ملے ان تینوں میں سے کسی پر حملہ کر دیں۔

مغلوں سے لڑائی

چنانچہ اس صلح کے ایک سال کے اندر ہی مغلوں نے نقض عہد کیا اور اکبر اعظم کی فوجوں نے قصبہ پاتری پر قبضہ کر لیا جو علاقہ برار کے حدود میں نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چاند سلطانہ نے ابراہیم عادل شاہ اور محمد قلی قطب شاہ کو صورت حال سے مطلع کر کے مدد طلب کی۔ دونوں نے فوراً فوجیں روانہ کیں۔ ۱۷ جمادی الثانی ۱۰۰۵ھ کو علی الصباح نانڈیڑ کے قریب دریائے گوداوری کے کنارے مغلوں کے مقابلے میں صف آرا ہوئیں۔ عادل شاہی فوجیں وسط میں اور میمنہ پر نظام شاہی اور میسرہ پر قطب شاہی

---

[1] صاحب برہان مآثر نے اس قطب شاہی فوج کی تعداد بیس ہزار پیادہ اور دس ہزار سوار بتائی ہے صفحہ ۶۱۴
۶۲۵۔

فوجیں جم گئیں۔

عصر کے قریب لڑائی شروع ہوئی اور سہیل خاں سپہ سالار بیجاپور کی بہادری کی وجہ سے مغلوں کو شکست ہوئی۔ ان کے چار ہزار آدمی مارے گئے اور سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ان کی طرف کے دو بڑے سردار یعنی راجہ علی خاں والی برہان پور اور راجہ رام چندر بھی میدان جنگ میں کام آئے۔ لیکن دوسرے روز مغلوں نے پھر اپنی منتشر فوجوں کو جمع کر کے قبل از طلوع آفتاب دکنی فوج پر حملہ کر دیا۔ اس وقت طرفین نے دل توڑ کر ایک ایک انچ زمین کے لئے جان دی۔ اسی مقابلے میں خود سہیل خاں سپہ سالار افواج دکن زخمی ہو کر گھوڑے سے گرا اور اس کی فوجیں میدان سے پسپا ہو کر شاہ درگ چلی آئیں۔ اور قطب شاہی فوج حیدرآباد واپس ہو گئی۔

امیر برید والی بیدر کی پناہ گزینی

اگرچہ والی بیدر سے سلطان محمد قلی کے تعلقات کچھ اچھے نہ تھے لیکن اس خاندان کے آخری حکمران امیر برید ثانی کو جب ۱۰۱۹ھ میں اپنے ایک باغی مرزا علی کی سازش سے اپنا پایہ تخت چھوڑنا پڑا تو وہ محمد قلی کے رحم و کرم کو پیش نظر رکھ کر سیدھا حیدرآباد چلا آیا۔ یہاں محمد قلی نے اس کے ساتھ بڑی ہمدردی کی اور اس کو اپنے دربار میں شریک کر لیا۔ اس کی آمد کے سال ڈیڑھ سال بعد ہی محمد قلی قطب شاہ کا انتقال ہو گیا ورنہ کیا تعجب کہ وہ امیر برید ثانی کو دوبارہ بیدر کا تخت و تاج حاصل کرنے میں مدد بھی دیتا تاکہ دکن کا سیاسی توازن برابر باقی رہے۔

(۲)

بیرونی تعلقات

محمد قلی کا اعلیٰ تدبر و سیاست بیرونی ممالک سے اس کے خوشگوار تعلقات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مغل چونکہ دکن پر حملہ آور ہونے لگے تھے اور احمد نگر کی سلطنت ان کا نشانہ بن چکی تھی اس لئے محمد قلی قطب شاہ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس سلطنت کے ساتھ تعلقات پیدا کرنا دکنی سیاست کو کمزور کرنا ہے اس لئے ان کے برخلاف اس نے شاہ ایران اور دکن کے ہمسایہ سلاطین کے ساتھ رشتۂ مودت باندھنے کی کوشش کی یہ خیال پوری طرح صحیح نہیں ہے کہ وہ شاہ ایران کو اپنا ہم مذہب سمجھ کر اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اور مغلوں کا اس لئے مخالف تھا کہ وہ سنی تھے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مغلوں کے ہوس ملک گیری کی اس نے پیش قیاسی کر لی تھی اور سمجھتا تھا کہ اگر احمد نگر ختم ہو گیا تو دکن کی آزادی باقی نہ رہے گی۔ اس لئے وہ ہمیشہ احمد نگر کی مدد کے لئے فوجیں بھیجتا رہا۔ اور ایران سے اس لئے تعلقات بڑھانے کی کوشش کی کہ شائد کسی روز اس کو یا اس کے جانشینوں کو مغلوں کے مقابلے میں شاہ ایران کی مدد کی ضرورت پڑے۔

اغزلو سلطان سفیر ایران

اسی حکمت کے پیش نظر جب ۱۰۱۲ھ میں ابو المظفر شاہ عباس صفوی نے اغزلو سلطان کو اپنا سفیر بنا کر محمد قلی قطب شاہ کی بارگاہ میں روانہ کیا اور یہ ایرانی ایلچی بندر گوا تک پہنچ گیا تو محمد قلی قطب شاہ نے امیر ضیاء الدین محمد نیشاپوری

کو تشریف شاہانہ کے علاوہ سفیر ایران کو اپنے ساتھ لانے کے اخراجات دے کر روانہ کیا۔ امیر ضیاء الدین کی شائستگی اور فہم و فراست کا محمد قلی بہت قدر دان تھا۔ چنانچہ یہ امیر گوا پہنچ کر اغزلو سلطان سے بڑے تزک و احتشام سے ملا۔ اور مراسم تعظیم و لوازم تکریم بجا لاکر اپنے ساتھ گولکنڈہ لے آیا۔ راستے میں ہر منزل اور ہر مقام پر محمد قلی کے حسب ایما ضیافت کی گئی اور جب یہ سفیر قطب شاہی سرحد کے قریب پہنچا تو محمد قلی قطب شاہ نے اپنے خاص امراء و خوانین کو استقبال کے لیے روانہ کیا۔ غرض ایران کا یہ سفیر بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ جب دار السلطنت حیدرآباد کے قریب پہنچا تو محمد قلی قطب شاہ خود قلعہ محمد نگر تک آگے بڑھ کر کالا چبوترہ کے پاس اغزلو سلطان کو اپنے حضور میں باریاب کیا۔ اغزلو سلطان نے شاہ ایران کی طرف سے موافقت و مصادقت کا پیام پہنچانے کے بعد مکتوب شاہی اور بہت سے تحفے پیش کئے۔ ان تحفوں میں حسب ذیل زیادہ قابل ذکر تھے۔ اچھے چمکدار موتیوں کا ایک تاج، نفیس جواہر سے مرصع خنجر اور چالیس عربی گھوڑے جن کی لگام اور زین مرصع اور عبا زربفتی تھے۔

اغزلو سلطان کے ساتھ اس ایرانی سفارت میں اور سو اصحاب بھی شامل تھے۔ محمد قلی قطب شاہ نے ان سب کو خلعت ہائے فاخرہ سے سرفراز کیا اور ہر ایک کے شایان شان دلکشا مقامات سکونت کے لئے معین کیے۔ کالا ڈیرہ میں ایرانی تحف و تحائف اور مکتوب شاہی ملاحظہ کرنے کے بعد بادشاہ نے دربار برخواست کیا اور حیدرآباد کی طرف روانہ ہوا یہاں

شاہ عباس کا ایرانی سفیر پانچ سال کے طویل عرصے تک مقیم رہا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس زمانے میں مغلوں نے احمد نگر پر یورش کی تھی اور واپسی کا راستہ صاف نہ تھا۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ شاہ عباس نے اظہار مودت و یگانگت کے علاوہ محمد قلی قطب شاہؒ کی دختر حیات بخشی بیگم کی شادی اپنے لڑکے کے ساتھ کردینے کی بابت پیام بھی روانہ کیا تھا۔ اور شاید محمد قلی عرصے تک اسی پس وپیش میں رہا کہ کیا جواب دیا جائے۔ تاریخ فرشتہ اس کو ایک ہندوستانی بادشاہ کے لئے بہت بڑا اعزاز قرار دیتا ہے اور اس نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ محمد قلی نے اس پیام کو قبول کرلیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو اس نے زیادہ تر حضرت میر مومن کے مشورے سے یہ رائے بدلدی اور اپنی اکلوتی لڑکی کی شادی فوراً اپنے نوجوان بھتیجے شہزادہ سلطان مرزا ابن مرزا محمد امین سے بڑی شان وشوکت اور خاص اہتمام کے ساتھ کردی حضرت میر مومن اس جوان صالح کے بڑے مداح وقدردان تھے کچھ ان کی خاطر اور کچھ اس لیے کہ شہزادی حیات بخشی بیگم کی شادی کا سفیر ایران کی روانگی سے قبل ہوجانا ضروری تھا محمد قلی نے اس تقریب کو بہت عجلت کے ساتھ اور بڑے اہتمام سے انجام دیا چنانچہ اغزلو سلطان سفیر ایران نے بھی اس میں شرکت کی۔ اس طرح شاہ عباس صفوی کے پیام کا جواب دینے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ اور کوئی بدنمائی بھی پیدا نہ ہوسکی کیونکہ یہ بیان کیا گیا کہ یہ شہزادی بچپن ہی سے شہزادہ سلطان مرزا سے منسوب تھی اور اسی لیے

بادشاہ نے اس شہزادہ کی تربیت خاص اپنی نگرانی میں کی تھی اور ظل اللہ کا لقب عنایت کر کے اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ اس تدبیر سے اگرچہ شاہ ایران کے پیام کا خودبخود جواب مل گیا لیکن بادشاہ کے حقیقی بھائی خدابندہ کی دل شکنی ہوئی جو بعد میں بغاوت کی شکل میں رونما ہوئی۔

غرض سفیر ایران اس شادی کے بعد ہی ۱۰۰۲ھ میں حیدرآباد سے ایران کی طرف روانہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض اس مقصد کے لئے حیدرآباد میں اتنے عرصے تک ٹھہرایا گیا تھا۔ لیکن جتنے دن وہ حیدرآباد میں رہا اس کی آؤبھگت اور خاطرداری میں کسی طرح کی کمی نہ کی گئی۔ کیونکہ موقع بہ موقع انعامات کے علاوہ دو ہزار تومان سالانہ اس کو عطا کئے جاتے تھے۔ اس طرح جملہ دس ہزار تومان تو بطور منصب یا سالانہ تنخواہ کے عطا کئے گئے اور ہر دربار یا تقریب میں محمد قلی جیسے فیاض بادشاہ نے جس بیش بہا انعام و اکرام سے سرفراز کیا ہوگا اس کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔

ایلچی کے واپس ہونے سے قبل محمد قلی نے ایک اور تدبیر یہ کی کہ اپنے معتمد خاص حاجی قنبر علی کو شاہانہ تحف و ہدایا کے ساتھ شاہ ایران کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ اغزلو سلطان کی واپسی کی تعویق وغیرہ سے متعلق اگر شاہ عباس کے دل میں کوئی شبہات پیدا ہوئے ہوں تو ان کو رفع کرے۔ اس وقت جو تحفے روانہ کئے گئے ان میں جواہر آبدار اور ہندوستان کی نفیس ترین

اشیا شامل تھیں۔

جب اغزلو سلطان واپس ہونے لگا تو محمد قلی قطب شاہ نے اپنے دربار کے ایک بڑے امیر مہدی قلی سلطان کو اس کا رفیق سفر اور ایرانی دربار میں اپنا ایلچی بنا کر روانہ کیا۔ اس وقت شاہ عباس کے لئے کئی اعلیٰ اور نادر تحفے مثلاً گراں قیمت جواہر سے مرصع طرح طرح کے آلات اور پٹن کے بنائے ہوئے نفیس کپڑے (جو خاص شاہ ایران کے لیے پانچ سال سے بنائے جا رہے تھے) بھجوائے گئے۔ لیکن مہدی قلی سلطان کی ایران سے واپسی میں اتنی تعویق ہوئی کہ اس اثنا میں خود محمد قلی قطب شاہ کا انتقال ہو گیا۔ اور سلطان محمد قطب شاہ کی تخت نشینی کے بعد پھر شاہ ایران نے مرحوم بادشاہ کی تعزیت اور نئے بادشاہ کے جلوس کی مبارکباد دینے کے لئے اپنا سفیر روانہ کیا۔ اس طرح محمد قلی نے ایران کے ساتھ جو تعلقات مستحکم کئے تھے وہ باقی رہے اور اس کے جانشینوں نے اس کی حکمت عملی سے یک گونہ فائدہ اٹھایا۔

ایران کے اس ایلچی کے علاوہ محمد قلی قطب شاہ کی بارگاہ میں دکن کی ہمسایہ سلطنتوں کے سفیر بھی کئی دفعہ حاضر ہوئے تھے اور ان سب کے ساتھ بادشاہ نے بڑے حسن سلوک اور فیاضی کے ساتھ برتاؤ کیا۔

میرک معین سبزواری سفیر احمد نگر

محمد قلی کے تخت نشین ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد احمد نگر کی طرف سے میرک معین سبزواری جیسے مشہور و معروف شاعر کو سفیر بنا کر گولکنڈہ روانہ کیا گیا تھا۔ اس وقت احمد نگر اور گولکنڈہ کی سلطنتیں ایک دوسرے کی حلیف تھیں اور دونوں کی فوجیں بیجاپور کے مقابلے میں میدان کارزار میں مصروف پیکار۔ میرک معین کی آمد کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ دکن کا سیاسی توازن برقرار رکھنے کے لئے احمد نگر کی امداد اور رفاقت کی جس حکمت عملی پر محمد قلی کا باپ ابراہیم قلی کاربند تھا اسکو جاری رکھنے کی اس نوجوان حکمران سے استدعا کیجائے۔

محمد قلی میں شروع ہی سے تدبر و فراست کی کمی نہ تھی۔ چنانچہ وہ تخت نشینی کے ساتھ ہی اپنے باپ کے مجرب اصول پر کاربند ہو گیا تھا۔ اس لیے اس نے اس سفیر کی بڑی آؤ بھگت کی۔ میرک معین اپنے اس سفر میں اتنا کامیاب رہا کہ بعد کو کئی دفعہ گولکنڈہ آیا۔ اور مہینوں قیام پذیر رہ کر محمد قلی قطب شاہ کے بذل و نوال سے شاد کام ہوا۔ چنانچہ جب اغزلو سلطان حاجب ایران کی آمد کی خبر مشہور ہوئی تو میرک معین بھی گولکنڈہ آیا۔ اور ماہ ربیع الاول ۱۰۱۶ھ میں محمد قلی قطب شاہ کی اکلوتی لڑکی حیات بخشی بیگم کی شادی کی تقریب میں شرکت کی۔ اس موقع پر متعدد شعرائے مبارکباد کی نظمیں اور قصیدے سلطان محمد قلی کی بارگاہ میں پیش کئے تھے۔ اور میرک معین نے بھی ذیل کا قطعہ تاریخ لکھا تھا جو

تاریخوں میں محفوظ ہے ؎

دوش سر کردہ خیالم رہ بزمے چو بہشت * اہل آں بزم چو حوران ہمہ نورانی چہر
بزم عیشی کہ ملائک بہ تماشاہ شدہ چشم * سر بروں کردہ چو انجم ہمہ از جیب سپہر
گفتم ایں بزم کہ و عیش چہ، تاریخش چیست * کہ از افلاک بر ایام ہمی بارد مہر
عقل کو بود چو من مست مے حیرت گفت * عید مولودی و بزم شہ و عقد مہ و مہر
چار بیتی بکن ایں قطعہ معیّن می شاید * در چنیں نظم ترا بر گذرد قافیہ سحر

اس واقعہ کے دو تین سال بعد جب سنہ ۱۰۱۹ھ[1] میں خداداد محل کی تعمیر مکمل ہوئی اور بادشاہ نے اس میں جشن خسروانہ ترتیب دے کر ارکان مملکت، اعیانِ دربار، امراء مقربین اور علماء و شعرا کو طرح طرح کے انعام و اکرام سے سرفراز کیا تو اس مجلس عیش و طرب میں میر کت معین سبزواری بھی موجود تھا اس نے فی البدیہہ قطعۂ تاریخ لکھ کر پیش کیا اور بہت بڑا انعام حاصل کیا۔ قطعہ

ایں قصر کہ ہست رشک فرمائے بہشت * ایام بآب زندگانیش سرشت[2]
تاریخ مرتب شدنش کلک قضا * بر لوح بقا بنائے جاں بخش نوشت

---

[1] مولف تاریخ دکن حصہ دوم سلسلہ آصفیہ نے سنہ ۱۰۰۹ھ لکھا ہے جو غلط ہے۔ (صفحہ ۳۳۱)

[2] مولف تاریخ ظفرہ نے قافیہ سرشت لکھا ہے (صـ۱۷۱) لیکن تاریخ قطب شاہی اور حدیقۃ السلاطین میں نوشت لکھا ہے جو ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔

خواجہ علی شیرازی سفیر بیجاپور

۹۹۵ھ میں ملک التجار خواجہ علی شیرازی بیجاپور سے محمد قلی قطب شاہ کے دربار میں آیا تھا تاکہ اس کی ہمشیرہ چاند سلطانہ کو ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عقد نکاح میں لانے کے لیے درخواست کرے۔ یہ سفارت بھی کامیاب رہی۔ کیونکہ محمد قلی کے تدبر و سیاست کا اقتضا ہی یہ تھا کہ دکنی سلطنتیں آپس میں متحد و متفق رہیں۔ اس سفارت اور شہزادی چاند سلطانہ کی شادی کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے (صفحہ ۲۴۴)

شہنواز خاں سفیر بیجاپور

اس سفیر کی آمد کا ذکر بھی گذشتہ صفحات میں قلمبند کیا جا چکا ہے۔ دیکھو صفحات (۲۴۵-۲۴۶)

محمد قلی قطب شاہ کے سفیر

دوسری سلطنتوں کے سفیروں کی آمد کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ خود محمد قلی قطب شاہ نے اپنی طرف سے جو سفیر ان سلطنتوں کو روانہ کئے ان کا بھی کچھ ذکر کر دیا جائے۔ کیونکہ تالی ہمیشہ دو ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اور اعلیٰ تدبر کا اقتضا یہ تھا کہ دکنی سیاست کے توازن کو برقرار رکھنے کیلئے خود محمد قلی بھی موقعہ بموقعہ اپنے سفیر دوسری سلطنتوں کے یہاں روانہ کرتا۔

مولانا حاجی محمد اصفہانی

ایک متبحر عالم و فاضل تھا جس کو محمد قلی نے احمد نگر کے دربار میں روانہ کیا تھا۔ چنانچہ جس وقت مغلوں نے نظام شاہی حکومت پر حملے شروع کئے تو یہ وہاں موجود تھا۔ صاحب برہان مآثر جو احمد نگر میں اس سے مل چکا تھا۔ اس کا ذکر ان القاب کے ساتھ کرتا ہے :-

افادت و افاضت انتباہ حقائق و معارف آگاہ مقرب درگاہ ربانی حاجی محمد اصفہانی (صفحہ ۵۹۰)

دوسری جگہ بھی اسی تعظیم و تکریم سے نام لکھا ہے :-

زبدۂ اصحاب صدق وایقان مولانا محمد (صفحہ ۶۱۷)

سنہ ۱۰۰۴ھ میں جب احمد نگر میں تخت سلطنت کے لیے کئی دعویدار کھڑے کر دیے گئے تھے اور میاں منجھو اور چاند بی بی کے آپس میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا تو محمد قلی قطب شاہ کے اس حاجب نے چاند بی بی کا ساتھ دیا اور میاں منجھو کی مخالفت کی۔

اس طرح جب مغلوں نے سرنگ لگا کر قلعہ احمد نگر کی فصیل میں رخنہ ڈالدیا اور اس کے ذریعہ سے انکی فوجیں قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگیں تو چاند سلطانہ بہ نفس نفیس اس خطرناک مقام پر کھڑی ہو گئی اور مردانہ وار مقابلہ کرنے لگی۔ جب اس نازک حالت کی خبر احمد نگر میں مشہور ہوئی تو حاجی محمد اصفہانی بھی اپنے ملازمین کو لے کر چاند بی بی کی مدد کے لئے اس رخنہ پر پہنچ گیا اور اگرچہ وہ ایک عالم و فاضل بزرگ تھا لیکن وقت پر جنگجو بہادروں کی طرح سرفروشی کے لیے تیار ہو گیا اس واقعہ کی نسبت برہان مآثر میں لکھا ہے کہ:۔

"زبدۂ اصحاب صدق وایقان مولنا حاجی محمد حاجب عالی حضرت سلطنت نصفت پناہ گردوں بارگاہ محمد قلی قطب شاہ .... در منازل خویش ازیں واقعہ خبر یافتند بسرعت برق و باد خود بسوی آں رخنہ شتافتند۔ د بضرب پیکان خارا گزار راہ آمد و شد بر جنود اعداء مسدود ساختند" (صفحہ ۶۱۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ محمد قلی سفارت کی خدمت کے لئے نہایت وفادار اور قابل اصحاب کا انتخاب کرتا تھا جو ہر موقعہ پر وہی کام کرتے جو محمد قلی کے حسب منشا ہوتا تھا۔

مہدی قلی سلطان

یہ بہت بڑا سپہ سالار اور مدبر تھا چنانچہ مغلوں کے مقابلے میں جب محمد قلی نے اپنی

فوجیں روانہ کیں تو اسی کو سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ اس کی شجاعت و بہادری کی نسبت اس کے ایک معاصر علی بن عزیز اللہ طباطبا کی اتنی اچھی رائے تھی کہ وہ اس کو ان الفاظ سے یاد کرتا ہے:-

"امارت و ایالت پناہ شجاعت و جلالت دستگاہ مہدی قلی سلطان طالش کہ در رزم دلاوری و مردانگی ناسخ داستان دستان بود" (برہان ماثر صفحہ ۶۱۴)

احمد نگر کے مورخ کے یہ الفاظ حقیقت پر مبنی ہوں گے جب ہی تو محمد قلی نے ایک زبردست دشمن کے مقابلہ میں اس کو دو دفعہ روانہ کیا تھا لیکن مہدی قلی صرف ایک بہادر ہی نہیں بلکہ اعلیٰ مدبر بھی تھا کیونکہ اس کو ۱۰۱۸ھ میں ایران کا سفیر بنا کر روانہ کیا گیا اور یہ ظاہر ہے کہ اس خدمت کے لئے اس سے بہتر امیر محمد قلی کے یہاں کوئی نہ ہوگا۔ ورنہ وہ اس کو روانہ نہ کرتا جب کہ اس کو معلوم تھا کہ احمد نگر پر ابھی مغلوں کے حملے کا اندیشہ موجود ہے۔

مہدی قلی سلطان کے ساتھ سلطان محمد قلی نے شاہ ایران کو جو بیش بہا تحفے روانہ کئے تھے ان کا تذکرہ ابھی ابھی گذر چکا ہے۔

جنوب کی ریاستیں

محمد قلی قطب شاہ کے بیرونی تعلقات کے تذکرہ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ جہاں اس نے شمال کی طرف مغلوں کے تگ و تاز پر نظر رکھی اپنی سلطنت کے جنوب کی طرف بیجانگر اور کرناٹک کے ہندو حکمرانوں کو بھی ابھرنے نہ دیا۔ چنانچہ وجیانگر کے جانشین پینکنڈہ کی حکومت سے اس کے عہد میں جو طویل معرکے ہوتے رہے وہ اسی حکمتِ عملی کا نتیجہ تھے۔ اس نے ہمیشہ پینکنڈہ کے حکمران وینکٹ پتی کے ساتھ صلح و آشتی کو لڑائی پر ترجیح دی لیکن جب دیکھا کہ وہ اس کے باغیوں مثلاً

علی خاں لرستانی، علم خاں پٹھان، اور مکند راج والی کشتلکوٹ کو پناہ دیتا یا ان کی مدد کے لیے فوجیں بھیجتا ہے تو برابر اس سے مقابلہ کرتا اور اس کی سازشوں کو اپنے ملک سے باہر رکھنے کی کوشش کرتا ہے بعض وقت اس کو ایسے مواقع بھی دستیاب ہوئے کہ اس کی فوجیں دور تک پنکنڈہ اور وجیانگر کے علاقوں پر حملہ کرتی ہوئی گھس گئیں اور وہ چاہتا تو مزید حملوں کے ذریعہ سے اس سلطنت کو ختم کر سکتا لیکن اس نے وینکٹ پتی کی صلح کی درخواستوں کو قبول کر کے اپنی فوجوں کو واپس بلا لیا۔

اسی طرح بعض باجگزار راجاؤں کو بھی ان کی بغاوتوں اور نافرمانیوں کے باوجود اس نے برقرار رکھا ورنہ رامچندر والی بناپور اور بھائی بلندر والی کشتم کوٹ کو وہ پہلے ہی ختم کر کے ان کے علاقے اپنی سلطنت میں شامل کر لیتا اسی طرح ردیوار قوم کی استدعا پر اس نے اپنی فوجوں کو ان کے بالکلیہ تباہ و برباد کرنے سے منع کر دیا۔ یہ اس کے اعلیٰ تدبر کا نتیجہ تھا کہ اس نے ان ہندو ریاستوں کو قائم رکھا اور اس طرح اپنی ہندو رعایا کو اپنی سلطنت سے بدظن اور شکستہ خاطر نہ ہونے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آخر تک گولکنڈہ کی سلطنت کے استحکام و بقا کے لئے دکن کے ہندوؤں نے جان توڑ کوششیں کیں اور اس سلطنت کو اپنی سلطنت سمجھ کر مغلوں کے مقابلے میں اس کا ساتھ دیا۔

---

(۳)

ہندو رعایا کی سرپرستی

اگرچہ محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں اکثر ہندو راجاؤں سے معرکہ آرائیاں رہیں اور بعض ہندو امرا نے بغاوت بھی کی لیکن یہ اس کی اعلیٰ تدبیر کا نتیجہ تھا کہ اس کے عمائدین سلطنت اور مقربان و ملازمان خاص میں ہمیشہ بہت سے ہندو شامل رہے۔ اور ان میں سے بعض تو اپنی فہم و فراست اور بہادری کی وجہ سے ایسے بلند مرتبے پر پہنچ گئے تھے کہ بادشاہ کو ان پر بڑا اعتماد تھا اور ان کی رائے اور اشارے سے بڑے بڑے مسلمان امیر اور سپہ سالار بھی بدل دیے جاتے تھے۔

محمد قلی نے اپنی ہندو رعایا اور امیروں کے ساتھ ہر وقت فراخدلی اور لطف و کرم کا برتاؤ کیا۔ بعض موقعوں پر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں امتیاز ہی نہ کرتا تھا۔ اور ہمیشہ دونوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اکثر ہندو راجاؤں اور باغیوں کے مقابلے میں اس نے اپنے ہندو امیروں اور بہادروں ہی کو روانہ کیا جنھوں نے اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ بڑے سخت مقابلے کئے اور ان کی حکومتوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ ہر مذہب و ملت کی رعایا کے ساتھ یکساں شفقت سے پیش آنے اور ان پر اعتماد کرنے میں محمد قلی نے کس اعلیٰ تدبر سے کام لیا تھا۔ یہاں ہم نمونے کے طور پر اس کے دو مشہور و مقتدر ہندو امرا و عمائد کا تفصیلی اور بقیہ کا سرسری ذکر کرتے ہیں جس کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ محمد قلی کے حسن اخلاق اور مذہبی رواداری نے گولکنڈہ کے ہندوؤں میں بھی کیسے کیسے جاں نثار سورما اور اعلیٰ پایہ کے امیر پیدا کر دیے تھے۔

آسیراؤ

محمد قلی کے ان مقربین خاص میں تھا جنھوں نے آخر زمانے تک اس کے دست و بازو کا کام دیا اس پر بادشاہ کو اتنا اعتماد تھا کہ سنہ ۱۰۰۳ھ میں خود محمد قلی میدان جنگ میں نکلا تو یہ اس کے ساتھ تھا اور موسلمورگ نندیال، کلکوڑ کنندی کوٹ اور پنیکنڈہ کی لڑائیوں میں برابر داد مردانگی دیتا رہا۔ آخر کار جب پنیکنڈہ کا محاصرہ اٹھا کر محمد قلی دار السلطنت کی طرف واپس ہونے لگا اور واپسی سے قبل اپنے مفتوحہ علاقوں کا انتظام کرنا شروع کیا تو قلعہ موسلمورگ پر آسیراؤ کو حاکم بنا کر اطراف و اکناف کا علاقہ اس کے تفویض کر گیا۔

آسیراؤ نے اس علاقہ میں ڈیڑھ دو سال تک قیام کر کے وہاں قطب شاہی حکومت کو اتنا مستحکم کر دیا کہ پھر موسلمورگ میں کوئی اندیشہ باقی نہ رہا۔ اس اثنا میں سنہ ۱۰۰۵ھ میں جب مکندراج والی کنشٹم کوٹ نے بغاوت کی تو آسیراؤ کو بھی اپنی فوج کے ساتھ امین الملک میر جملہ کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ وہ اس کے ساتھ کنشٹم کوٹ، سیکاکول، مدواڑہ، اور پتاپور پر حملہ آور ہوا۔ اور جب پتاپور کا راجہ رامچندر مطیع و منقاد ہو گیا اور اس کے بعض علاقے قطب شاہی سرحد میں شامل ہو گئے تو ان علاقوں کے انتظام کے لئے آسیراؤ اور ملک نائب کو وہیں چھوڑ کر ملک امین الملک کنشٹم کوٹ کی طرف واپس ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے علاوہ وزیر اعظم کو بھی اس پر پورا بھروسہ تھا۔ سنہ ۱۰۰۹ھ میں جب کنشٹم راج ولد راوت راؤ کے اکسانے سے مکندراج بنگالے کی طرف سے واپس ہو کر کنشٹم کوٹ پر حملہ آور ہوا تو آسیراؤ کو زین العابدین سپہ سالار کی مدد کے لئے روانہ کیا گیا۔

اور اس کی فوجیں مکندراج کو شکست دینے میں قطب شاہی لشکر کے پہلو بہ پہلو رہیں۔ اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آسیراؤ شاہی دربار میں منسلک اور زیادہ تر حیدرآباد ہی میں قیام پذیر رہا کیونکہ اس کے بعد تاریخوں میں آسیراؤ کا نام پھر اس وقت آتا ہے جب کہ محمد قلی کا عہد حکومت ختم ہو رہا تھا۔ اس اثناء میں کئی میر جملہ اور سپہ سالار بدل چکے تھے۔ اور عرصے کے امن و امان کے بعد ۱۰۱۹ھ میں پرتاب شاہ والی دستر نے قطب شاہی حدود میں دست اندازی شروع کی تھی۔ اس وقت جب عمال شاہی نے پایۂ تخت کو اطلاع بھیجی تو مرزا محمد امین جملۃ الملک نے اس مہم کو سر کرنے کے لیے قدیم جانباز آسیراؤ ہی کا انتخاب کیا اور اس کو سپہ سالار بنا کر سید حیدر اور امجد الملک کو اس کے ماتحت روانہ کیا۔ اس وقت تک آسیراؤ بڑا مقتدر اور صاحب جاہ و جلال امیر بن گیا تھا۔ اور خود اس کی اپنی فوجیں نہایت کثیر التعداد تھیں۔ اس وقت اسکو تشریفات شاہانہ سے سرفراز کر کے روانہ کیا گیا تھا۔ یہ آخری خلعت تھی جو آسیراؤ کو محمد قلی قطب شاہ کے دربار سے عطا ہوئی تھی کیونکہ اس کے میدان جنگ سے واپس آنے سے قبل ہی یہ فرخندل بادشاہ انتقال کر گیا۔

غرض آسیراؤ ۱۰۰۳ھ سے ۱۰۲۰ھ تک مسلسل ۱۷ سال محمد قلی کی فوجوں کا سردار رہا اور آخر کار ۱۰۱۹ھ میں تو سپہ سالار بھی بنایا گیا۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا کہ مسلمان امرا و عمائد مثلاً امجد الملک و سید حیدر وغیرہ اس کے ماتحت میدان جنگ میں روانہ کئے گئے۔

دہرماراؤ | یہ ابتدا میں ایک معمولی شمار تھا چنانچہ ۱۰۰۸ھ میں جب ردیوار قوم نے قطب شاہی حکومت

کے خلاف بغاوت کی اور راجمندری کا علاقہ خالی پاکر املور، نزوول اور بھار جلی میں ہنگامہ آرا ہو گئے تو محمد قلی قطب شاہ نے مرتضیٰ نگر کے سپہ سالار عادل خاں اور سرنوبت چنگیز خاں کو حکم دیا کہ فوراً راجمندری اور کاموڑم کے علاقہ میں پہنچ کر مخالفین کو سزا دیں۔ اور بعد کو میر زین العابدین اور عبدالکریم حوالدار کو بھی انکی مدد کے لئے راجمندری سے روانہ کیا غالباً اسی فوج کے سرداروں میں دھرماراؤ بھی شامل تھا۔ اس وقت باغی دریا کے ایسے حصہ پر قابض تھے جہاں سے شاہی فوجوں کو عبور کرنا تھا لیکن مخالفوں کی شرارت کی وجہ سے اس جگہ عبور کرنا مشکل ہو گیا اور کئی روز اسی پریشانی میں گزر گئے تو سپہ سالار نے دھرماراؤ کو روانہ کیا تاکہ کوئی دوسرا عبور کرنے کے قابل مقام تلاش کر آئے۔ چنانچہ دھرماراؤ نے دس بارہ کوس تک ندی کے کنارے کنارے سفر کر کے ایک راستہ نکال ہی لیا جہاں سے چنگیز خاں اور دیگر سردار دریا کو عبور کر کے باغیوں کے سر پر جا پہنچے غرض ردیوار قوم کو مطیع کرنے میں دھرماراؤ کی بہادری اور فراست کا بھی کچھ حصہ ضرور تھا۔

اس کے بعد سے زین العابدین کی نظر خاص دھرماراؤ پر پڑنے لگی جس کو اس نے اپنے ساتھ ہی میدان جنگ میں رکھا۔ اس اثنا میں ۱۰۰۰ھ میں جب راوت رائے راؤ نے ملک امین الملک سے ناراض ہو کر حکومت کے خلاف بغاوت کی اور ہری چندر کو بھی اپنے ساتھ لیا گیا تو ہری چندر نے وسناد یو کو اپنی مدد پر بلایا۔ وسناد یو بڑا مدبر اور طاقتور دشمن تھا جس نے نہایت ہوشیاری اور فن حرب کی پوری مہارت کے ساتھ قطب شاہیوں کا مقابلہ کیا اور جگہ جگہ ان کو پریشان کیا۔ اس وقت زین العابدین نے دھرماراؤ سے کام لیا جس نے دوسرے سرداروں شلاً عبدالکریم، چنگیز خاں اور بھالے راؤ کے ساتھ قلعہ جلمور کا ایسا سخت محاصرہ کیا کہ وسناد یو کو قلعہ والوں کی مدد کیلئے

ایک زبردست فوج روانہ کرنی پڑی لیکن دہرباراؤ اور اس کے ساتھیوں نے ایسا مردانہ وار مقابلہ کیا کہ بہت سے دشمن یا تو قید ہو گئے یا فرار ہو گئے۔ ان مسلسل ناکامیوں کو دیکھ کر وسنادیو نے دہرباراؤ سے پناہ مانگی اور اس کے توسط سے پچاس ہزار ہون اور پچاس ہاتھی سپہ سالار کے یہاں روانہ کیے اور اتنا ہی خراج ہر سال ادا کرنے اور اطاعت گزار رہنے کا وعدہ کیا۔

اس صلح اور اطاعت گزاری میں معلوم ہوتا ہے کہ دہرباراؤ کا بڑا حصہ تھا۔ وہ بہادر ہونے کے علاوہ بڑا مدبر بھی تھا اور دشمن بھی اس کی رانبازی پر بھروسہ کرتے تھے۔ چنانچہ دہرباراؤ نے نہ صرف وسنادیو کو مطیع و منقاد بنا لیا بلکہ ہری چندر کے بھتیجے بول بانر کو جو بانی فساد تھا وسنادیو ہی کے ذریعے سے گرفتار کر لیا۔ اور اس کے بدلے میں وسنادیو کے اعزہ و اقربا کو آزاد کرا دیا۔ یہ ایک ایسی سیاسی چال تھی جس کی وجہ سے سلطنت میں بڑا امن و امان قائم ہو گیا۔

اس خدمت کی بنا پر محمد قلی نے دہرباراؤ کی جو قدر افزائی کی افسوس ہے کہ اس کا ذکر تاریخوں میں درج نہیں لیکن آثار سے ضرور پتہ چلتا ہے کہ روز بروز دہرباراؤ کی شخصیت اور اہمیت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا چنانچہ اس کے بعد ہی سنہ ۹۷۱ھ میں جب کشتم راج دلدراوت راؤ نے بغاوت کی تو اس وقت بھی دہرباراؤ میدان جنگ میں اس کے مقابلے کے لئے موجود تھا۔ اور اب کے اس کی شخصیت اور اثر خود میر زین العابدین سپہ سالار سے زیادہ اہم ہو گئی تھی۔ چونکہ کشتم کوٹ کے علاقہ پر قبضہ کر لینے کے بعد سے مسلسل لڑائیاں جاری تھیں اور سمت مرتضی نگر کی قطب شاہی فوج کا امن چین غائب ہو گیا تھا اس لئے اس موقعہ پر دہرباراؤ کی یہ رائے تھی کہ قلعہ مداوڑہ کے فتح کرنے کی زحمتیں اٹھانے کی جگہ بہتر یہ ہے کہ کشتم کوٹ کے بعض علاقے وہاں کے سابق والی بھائی بلندر

کو عطا کر دیئے جائیں اور اس سے مطیع و فرماں بردار رہنے اور سال بسال خراج روانہ کرنے کا وعدہ لیا جائے۔ میر زین العابدین ایک جنگجو سپہ سالار تھا۔ وہ اس قسم کی مصلحت اندیشیوں کا قائل نہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب عرصہ سے ہم اس مہم میں سرگرم ہیں تو پورے ملک کو فتنہ و فساد سے پاک کرنے کے بعد ہی دم لینا چاہئے معلوم ہوتا ہے کہ دھرماراؤ نے اس کو بہت کچھ سمجھایا لیکن جب وہ اپنے خیال پر اڑا رہا تو سلطان محمد قلی قطب شاہ کی بارگاہ میں عریضہ روانہ کیا کہ عرصے سے شاہی لشکر باغیوں کا مقابلہ کر رہا ہے اور اب صورتِ حال اس امر کی متقاضی ہے کہ بھائی بلندر کو پہلے کی طرح ایک باجگذار راجہ بنا کر کچھ علاقے اس کے سپرد کر دیے جائیں۔

دھرماراؤ بادشاہ کی طبیعت سے واقف تھا اور اسی لیے سپہ سالار سے مایوس ہو کر اس کے خلاف اس نے اپنی رائے راست بارگاہ عالی میں روانہ کی۔ محمد قلی نے اس خط سے اتنا اثر لیا کہ زین العابدین کو سپہ سالاری سے ہٹا کر واپس بلا لیا اور سید حسن ابن مصطفیٰ خاں کو روانہ کیا۔ یہ مقابلتًہ کم عمر تھا اور چونکہ اس کو شاہی خاندان سے قرابت تھی اس لیے دھرماراؤ نے اس حیثیت اور سپہ سالار کی تبدیلی سے فائدہ اٹھا کر بھائی بلندر کے بھتیجے ہری چندر کو معافی مانگ لینے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ ہری چندر اس علاقے کے بہت سے بہادروں کے ساتھ دھرماراؤ سے آملا۔ اور بھائی بلندر کے بالکلیہ استیصال میں اس کا مددگار ثابت ہوا۔ غرض دھرماراؤ کی ہوشیاری سے کشتم کوٹ کا علاقہ پھر باغیوں سے خالی ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد آٹھ نو سال تک قطب شاہی سلطنت میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی اور دھرماراؤ دربارِ شاہی میں باریاب رہا۔ آخر کار ۱۰۱۸ھ میں جب ونادیو نے کشتم کوٹ کے علاقے میں داخل ہو کر تاخت و تاراج کرنا

شروع کیا تو محمد قلی قطب شاہ نے دہرماراؤ اور چنگیز خاں کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ اس کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اس زبردست فوج کے ڈر سے وسنا دیو قلعوں میں محصور ہو گیا اور اس کے علاقوں کو شاہی فوجوں نے پامال کرنا شروع کیا۔ اس موقعہ پر بھی دہرماراؤ کی سیاسی جوڑ توڑ نے اپنا رنگ دکھایا۔ یعنی جس طرح پہلے بھائی بلندر کے بھتیجے ہری چندر کو اس نے مخالفین سے توڑ لیا اسی طرح وسنا دیو کا بھتیجا کشناراج بھی اس جنگ میں شاہی لشکر سے آملا۔ اس دفعہ بھی یقیناً دہرماراؤ کا ہاتھ ہوگا۔ وہ خفیہ مراسلت اور نامہ و پیام کے ذریعے سے لوگوں کا دل موہ لینے میں استاد تھا۔ غرض جب کرشناراج قطب شاہی لشکر کی طرف آیا تو دہرماراؤ اور سید حسن سپہ لار دونوں نے بڑے اعزاز و اکرام سے اس کا استقبال کیا۔ اس قدر افزائی کا حال سن کر اور بہت سے ہندو بہادر بھی کرشناراج اور دہرماراؤ سے آملے۔ اس واقعہ کا وسنا دیو پر اتنا اثر پڑا کہ وہ بیمار ہو گیا اور آخر کار وفات پائی۔

اب دہرماراؤ کے تدبر و سیاست کے لئے ایک نئی جولانگاہ نکل آئی۔ اس نے ایک طرف تو وسنا دیو کے اعیان سلطنت کو لکھ بھیجا کہ اب لڑنا بے سود ہے اس لیے اطاعت قبول کر لیں[۱]۔ اور دوسری طرف کشناراج کو وہاں کا راجہ بنانے کے امکانات پر غور کرنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود وسنا دیو کے امرا

---

[۱] دہرماراؤ کے خط کے الفاظ تاریخوں میں اس طرح مرقوم ہیں :۔

"خسرو زمان خان اعظم چنگیز خاں را با لشکر عظیم بعزم تسخیر آں بلاد روانہ فرمودہ است۔ باید کہ بدستور جمیع راجہائے ایں بلاد مطیع و منقاد گردیدہ مالگزار شوید۔ و الّا خان اعظم مملکت موروثی را از دست تصرف شما انتزاع خواہد کرد" تاریخ قطب شاہی ورق (۲۵۸) تاریخ حدیقۃ العالم صفحہ (۲۵۳)

نے کرشناراج کو جانشین بنانے کی استدعا کی۔ اور دھرماراؤ نے کرشناراج سے کہا کہ اگر تم کو وسنادیو کا جانشین بنائیں تو بادشاہ کی خدمت میں کیا نذر دو گے اور ہر سال کتنا باج روانہ کرو گے۔ کرشناراج کے لیے تو یہ ایک غیر متوقعہ خبر تھی اس نے جی کھول کر وعدے کر لئے اور ان کے ایفا کے لئے بڑی بڑی قسمیں کھائیں۔ غرض دھرماراؤ نے ہر طرح سے مطمئن ہو کر کرشناراج کو خود اپنے سامنے راجہ بنا کر وسنادیو کے پایہ تخت کی طرف روانہ کیا۔ "تاریخ کے حسب ذیل جملہ سے کہ :۔

"بتشریفات شاہانہ واسپ بازین زر و کلاہ و کمر از جامدار خانۂ بادشاہی ہمراہ خود داشتہ سرفرازش گردانیدہ با شوکت تمام بجانب متفرو وسنادیو روانہ کرد" [1]

پتہ چلتا ہے کہ دھرماراؤ پہلے سے یہ سوچ کر نکلا تھا کہ کرشناراج کو وسنادیو سے توڑ لونگا اور اس کو راجہ بنا کر روانہ کرونگا۔ ورنہ ان تمام لوازمات کے جامدار خانۂ شاہی سے لے کر نکلنے کا کیا موقع تھا۔ اور نہ کسی دوسری لڑائی کے وقت فوج کے ساتھ ایسے لوازم کے روانہ کرنے کا تاریخوں میں ذکر ملتا ہے۔

غرض دھرماراؤ اپنے منصوبے میں کامیاب رہا اور کرشناراج سے ایکسو پچاس ہزار ہون اور ایکسو پچاس ہاتھی وصول کر کے محمد قلی قطب شاہ کی بارگاہ میں روانہ کیے۔ اس کے بعد اگرچہ بقیہ نصف رقم اور ہاتھیوں کے دینے میں کرشناراج نے کچھ عرصے تک عذر کیا لیکن آخر کار وہ پوری طرح مطیع و منقاد ہو گیا۔ اور پھر کبھی بغاوت نہ کی۔ اس طرح دھرماراؤ کے تدبر نے محمد قلی قطب شاہ کے تحت ایک نئے

---

[1] تاریخ قطب شاہی ورق (۲۵۸)

باجگزار راجہ کا اضافہ کیا۔

دوسرے ہندو امیر آسیراؤ اور دہرماراؤ کے علاوہ محمد قلی قطب شاہ کے اور دس حسب ذیل ہندو امراو عمائد بھی قابل ذکر ہیں۔ ۱) جگپت راؤ ۲) سری راؤ ۳) ساباجی ۴) بھالے راؤ ۵) مکندراج ۶) تنکرراج ۷) ہری چندر ۸) رامچندر ۹) راوت راؤ ۱۰) کرشناراج

جگپت راؤ وہ قطب شاہی امیر ہے جس کو محمد قلی نے ۱۰۰۳ھ میں قلعۂ نندیال اور اس کے اطراف و اکناف کی حکومت سپرد کی۔ یہ قلعہ خود بادشاہ نے بڑے سخت مقابلے کے بعد فتح کیا تھا۔

سری راؤ ۱۰۰۹ھ میں قلعہ کشتم کوٹ اور اس کے اطراف کے علاقوں کا حاکم بنایا گیا تھا۔ یہ قلعہ سالہا سال کی لڑائیوں اور تباہیوں کے بعد فتح ہوا تھا اور جب اس کی فتح کی اطلاع حسین سپہ لار نے بادشاہ کے یہاں روانہ کی تو اس کی حکومت کے لئے اس نے فوراً اپنے اس امیر سری راؤ کو نامزد کیا۔

سا باجی قطب شاہی لشکر میں سر نوبت کے عہدہ پر فائز تھا اور جب محمد قلی ۱۰۰۳ھ میں موسلمورگ، نندیال، کنڈی کوٹ اور پینکنڈہ وغیرہ قلعوں پر معرکہ آرا ہوا تو یہ اس کے ساتھ تھا۔ اور جب بادشاہ پایۂ تخت واپس ہونے لگا تو اس کو دوسرے سرداروں کے ساتھ نئے مفتوحہ علاقے کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ اس کے بعد جب وینکٹ پتی نے قطب شاہی علاقے میں ریشہ دوانی شروع کی تو ساباجی کو بادشاہ نے حکم دیا کہ اعتبار خاں یزدی کے ساتھ بیجانگر کے علاقہ پر حملہ کرے چنانچہ ساباجی کی فوجوں نے بیجانگر میں گھس کر قصبوں اور دیہاتوں کو تباہ و برباد کیا۔ اس اثنا میں جب راجہ او د گیر مقابلے کے لئے نکلا تو ساباجی کو دوسرے سرداروں

کے ساتھ روانہ کیا گیا جنھوں نے ایسا دل توڑ کر مقابلہ کیا کہ دشمن کے تین چار ہزار سپاہی مارے گئے اس فتح کے بعد ساباجی قطب شاہی فوجوں کے ساتھ بیجانگر کی سرحد میں ایک مہینہ کا راستہ طے کر کے شہر کالیبر پر حملہ آور ہوا اور اس دولتمند شہر کو لوٹ لیا۔

ان کامیابیوں کے کچھ عرصہ بعد جب ۱۰۰۲ھ میں ساباجی کے بعض ساتھی مثلاً بھالے راؤ خانخاناں اور علم خاں نے امین الملک کی سختی سے تنگ آ کر قطب شاہی حکومت کے خلاف بغاوت کی تو غالباً یہ بھی ان میں شریک تھا۔ اور بعد کو معافی مانگ لی چنانچہ ۱۰۰۵ھ میں جب راجمندری میں ردیوار قوم کی بغاوت کے استیصال کے لئے مرتضیٰ نگر سے فوجیں روانہ کی گئیں تو ساباجی بھی ان کے ساتھ تھا اور اس نے سپہ سالار میر زین العابدین کی خواہش پر دہر راؤ کے ساتھ دریائے کرشنا کو عبور کرنے کا ایک نیا راستہ ڈھونڈ نکالا اور قطب شاہی فوج کو تباہی سے بچا لیا۔

بھالے راؤ ساباجی کا دوست اور رفیق کار تھا اور اپنی جاگیر واقع مرتضیٰ نگر سے بادشاہ کے حکم پر پینکنڈہ پر حملہ کرنے کے لئے اعتبار خاں کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ اور جب یہ مہم فتح ہو گئی تو مرتضیٰ نگر ہی کے علاقے میں مقیم تھا کہ علم خاں وغیرہ کے ساتھ بغاوت میں شریک ہو کر بیجانگر کی طرف بھاگ گیا بعد کو شاید معذرت خواہ ہو کر پھر محمد قلی کی ملازمت اختیار کر لی تھی کیونکہ ۱۰۰۲ھ میں جب راونت راؤ اور دوسرے منصبداروں نے بغاوت کی تو بھالے راؤ کو دہر راؤ عبدالکریم اور چنگیز خاں کے ساتھ قلعہ جلو کے محاصرہ کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ جہاں اس نے دو مہینوں تک اہل قلعہ کا مقابلہ کیا۔

ساباجی اور بھالے راؤ کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی کے لطف و کرم کے بھروسے پر

ہندو امرا باغی ہو جانے پر بھی معافی مانگ لیتے اور دوبارہ شاہی نوازشات سے بہرہ ور ہوتے تھے۔

مکند راج

بھائی بلندر والی کشتم کوٹ کا بیٹا تھا اور اپنے باپ کے انتقال کے بعد جب بارہ سال کی عمر میں کشتم کوٹ کا راجہ ہوا تو نذر پیش کرنے کے لیے محمد قلی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ بھائی بلندر تیس سال سے شاہی خراج پابندی سے ادا کرتا رہا تھا اس لیے جب اس کا لڑکا مکند راج محمد قلی قطب شاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو بادشاہ اس کے ساتھ بہت لطف و کرم سے پیش آیا اور اس کی جو قدر افزائی کی اس کا حال خود تاریخ کے الفاظ میں یہ ہے :۔

"فرمان ہمایوں بنام امرا، و راجہائے کشتم کوٹ شرف نفاذ یافت کہ حکومت آں بلاد بہ مکند راج مرحمت فرمودیم باید کہ از اطاعت او تخلف نورزید .... با تحف و ہدایای لائق و بدرگاہ والا آوردہ بشرف آستاں بوسی مشرف گشت ۔ و تشریفات شاہانہ و اسپاں بازین زر و کلاہ و کمر و آفتاب گیر سرفراز گردید ۔ بشوکت تمام مراجعت نمود"

لیکن یہ صرف بارہ سال کا تھا اس لیے جب اپنی راجدھانی کو واپس ہوا تو بعض مفسدوں کے بہکانے سے اپنے ایک عزیز دیو راج کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے محمد قلی بہت ناراض ہوا اسکے بعد مکند راج وید یادر کے بہکانے سے خراج ادا کرنے میں بھی عذر کرنے لگا اور برلاس خاں کو جو کشتم کوٹ میں قطب شاہی رزیڈنٹ تھا قید کر لیا۔ محمد قلی نے اس کی کم عمری کا لحاظ کر کے اس کو سمجھانے کے لیے کئی آدمی روانہ کئے اور بعد کو خود بھی جانا چاہتا تھا لیکن امین الملک نے منع کیا اور خود فوج لے کر چڑھ آیا۔

مکندراج نے امین الملک کی پند و نصیحت کی بھی کوئی پروانہ کی اور آخر کار تمام عمر پریشان رہا۔
بادشاہ نے کشتم کوٹ کے علاقہ کو پوری طرح سے فتح کرکے اپنے ایک امیر سری راؤ کے سپرد کردیا۔

شنکر راج بھائی بلندر کا بھتیجا اور مکندراج کا عم زاد بھائی تھا۔ یہ اپنے چچا کے زمانے ہی سے محمد قلی قطب شاہ کے دربار کے عمائدین میں شامل تھا جب کہ عم مکندراج بغاوت پر تُل گیا تو بادشاہ نے اسکے اس چچیرے بھائی کو علی خاں اور مجاہد خاں کے ساتھ ملک امین الملک کے ماتحت روانہ کیا۔ شنکر راج کو محض اس لئے روانہ کیا گیا تھا کہ مکندراج کم از کم اس کے اثر سے بغاوت سے باز آئے۔ لیکن جب شنکر راج نے دیکھا کہ وہ کسی طرح باز نہیں آتا تو اس کے خلاف صف آرا ہوا اور میدان کارزار میں اس جانبازی کے ساتھ مکندراج کی فوجوں میں گھس پڑا کہ آخر کار وہ شکست کھا کر بھاگ نکلیں لیکن افسوس ہے کہ خود شنکر راج اس لڑائی میں ۱۰۰۸ھ میں کام آیا۔

ہری چندر یہ بھی بھائی بلندر کا بھتیجا اور غالباً شنکر راج کا حقیقی بھائی تھا۔ اور اسی کے ساتھ محمد قلی قطب شاہ کے دربار میں منسلک تھا۔ اس نے بھی شنکر راج کے ساتھ مکندراج کے مقابلے میں کارنمایاں انجام دیئے تھے۔ اور اپنے بھائی کے مرنے کے بعد محمد قلی ہی کے دربار میں معزز و مفتخر تھا۔ لیکن ۱۰۰۸ھ میں جب راوت راو ملک امین الملک کے برتاؤ سے ناراض ہو کر قطب شاہی فوج سے نکل گیا اور حکومت کے خلاف بغاوت کی تو اس نے ہری چندر کو بھی بغاوت پر آمادہ کیا۔ اور خفیہ طور پر لکھ بھیجا کہ اگر اس وقت تم میرا ساتھ دو تو میں تمھیں کشتم کوٹ کا راجہ بننے میں مدد دوں گا۔

حکومت کا لالچ بڑا برا ہوتا ہے۔ ہری چند محمد قلی جیسے مہربان بادشاہ کے خلاف راؤت راؤ کے ساتھ شریک ہو گیا۔ اور عرصہ تک شاہی فوج کا مقابلہ کرتا رہا۔ آخر کار ۱۰۰۹ء میں جب دھرما راؤ کی شکایت پر سید حسن سپہ سالار مقرر ہو کر آیا اور زین العابدین واپس بلا لیا گیا تو اس تبدیلی سے فائدہ اٹھا کر غالباً دھرما راؤ کے اشارے سے ہری چند بہت سے بہادروں کے ساتھ قطب شاہی لشکر میں آملا۔ اور گزشتہ بغاوت کی تلافی کرنے کے لئے یہ رائے دی کہ بھائی بلندر کا استیصال اس طرح ہو سکتا ہے کہ سرحد پر اور بعض راستوں پر جہاں سے وہ بھاگ سکتا ہے یا جہاں سے اس کو رسد مل سکتی ہے چند قلعوں کو مستحکم کیا جائے اور بڑی بڑی فوجیں متعین کی جائیں۔ ہری چندر کی یہ رائے بڑی معقول تھی اور اس پر عمل کر کے سید حسن نے تین قلعے مصطفیٰ آباد، شاہ آباد اور محمد آباد بنائے اور ان میں زبردست فوجیں ملک نائب کی نگرانی میں متعین کیں۔ اس طرح سے باغیوں کی آمد و رفت اور رسد کی فراہمی مشکل ہو گئی۔ آخر کار قلعہ کنشٹم کوٹ پر قطب شاہی فوج کا قبضہ ہو گیا اور ہری راؤ کو وہاں کی حکومت سپرد کر دی گئی۔ اس طرح کنشٹم کوٹ کی بغاوت کے استیصال اور تین مشہور قطب شاہی قلعوں کی تعمیر میں ہری چندر نے بہت بڑا حصہ لیا۔

رام چندر پیناپور کا راجہ تھا جو کنشٹم کوٹ کی سرحد پر ایک چھوٹی سی ریاست تھی اس لئے مکند راج کی مدد کے لئے ۱۰۰۵ء میں قطب شاہی سلطنت سے لڑائی مول لی۔ جس کی وجہ سے امین الملک اس کے ملک پر حملہ آور ہوا اور راستے کے پورے جنگل کو آگ لگا دی۔ امین الملک کی فوج کا

اتنا رعب پڑا کہ آخر کار رام چندر نے اطاعت قبول کر لی اور سال بسال خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا اس طرح سے اس کا ملک تباہی سے بچ گیا اور وہ قطب شاہی باجگزار راجاؤں میں شامل ہو کر امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگا۔

راوت راؤ بڑا زبردست ہندو سردار تھا جو اپنی کثیر التعداد پیادہ فوج اور بہادری و جاہ و جلال کی وجہ سے ممتاز تھا۔ اور ۱۰۰۹ھ تک محمد قلی قطب شاہ کی فوج کے ساتھ اخلاص اور دولت خواہی کی خدمات انجام دیتا رہا۔ آخر کار ۱۰۰۹ھ میں میر جملہ امین الملک کے بعض احکام سے ناراض ہو کر رات کے وقت فوج شاہی سے علیحدہ ہو گیا اور ہری چندر کو بھی بغاوت پر آمادہ کر لیا لیکن بہت جلد قطب شاہی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔

کرشنا راج وسنا دیو کا بھتیجا تھا اور ۱۰۱۸ھ میں اپنے چچا سے کسی بات پر ناراض ہو کر دہرما راؤ کے اشارے سے میں میدان جنگ میں قطب شاہی فوج سے آملا اور اس کے بعد جب وسنا دیو کا انتقال ہو گیا تو دہرما راؤ نے اس کو راجہ بنا کر روانہ کیا۔ اس کا حال دہرما راؤ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔ یہ محمد قلی قطب شاہ کا ایک باجگزار راجہ تھا۔

مذکورہ بالا خاص شخصیتوں کے علاوہ محمد قلی قطب شاہ کے دربار میں اور متعدد برہمن، نائک، واڑی، متدھم اور ریواڑ قوم کے ہندو سردار بھی موجود تھے جن پر اس کو کامل اعتماد تھا اور جو مسلمانوں کے دوش بدوش قطب شاہی سلطنت کے استحکام اور ترقی میں کوشاں رہتے تھے۔

(۴)

ایرانیوں اور اجنبیوں کی نگہداشت اور قدر افزائی

بعض مورخوں نے سلطان محمد قلی پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ مذہبی تعصب کی وجہ سے ملک کے سنی باشندوں کے مقابلے میں بہ لحاظ شیعہ ایرانیوں اور غیر ملکیوں کی سرپرستی کیا کرتا تھا۔[1] لیکن یہ بات بالکلیہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو اس کے امراء و عمائدین میں امین الملک، فتح الملک، خدابندہ خاں، خیرات خاں، عبدالکریم، حسن علی، اور انور خاں وغیرہ جیسے بڑے بڑے دکنی اور سنی شامل تھے۔ اور دوسری بات یہ کہ ایرانی نوواردوں کی سرپرستی اور قدر افزائی مذہبی سے زیادہ سیاسی اسباب کا نتیجہ تھی۔ سب سے پہلا اور سب سے اہم سبب تو یہ تھا کہ ہر شخصی حکومت میں بادشاہ اپنی حفاظت اور استحکام کے لئے بالعموم نئے نئے ملازموں کو مامور کرتا ہے اور بعض وقت قدیم ملازموں کو ہٹانا بھی ضروری سمجھتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ ع

---

[1] مثلاً تاریخ دکن، سلسلۂ آصفیہ، حصہ دوم صفحہ ۲۹۴ پر لکھا ہے :-

"محمد قلی بھی پکا شیعہ تھا اس لئے اس سلطنت میں تمام سرکار دربار میں شیعہ ہی شیعہ امرا تھے۔ اور اس لیے وہ کسی سنی کو ہرگز امورات سلطنت میں دخیل نہیں ہونے دیتے تھے۔ مگر چونکہ شیعہ آدمی اس کثرت سے نہیں مل سکتے تھے کہ جو تمام امورات سلطنت کا بندوبست کر سکیں اس لیے تمام مالگزاری کے اور نیز متفرق کام ہندوؤں کے ہاتھ میں رہتے تھے۔"

اسی قسم کا خیال تقریباً انہی الفاظ میں تاریخ دربار آصفی گلزار دوم صفحہ ۹۱ پر بھی درج ہے۔

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت

نئے ملازموں اور مددگاروں میں بھی باہر سے آئے ہوئے یا غیر ملکی اشخاص کا تقرر اور بھی زیادہ قرین مصلحت سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ملک اور اہل ملک کی دیرینہ خوبیوں یا خرابیوں سے ناواقف ہوتے ہیں اور جو کوئی ان کی سرپرستی کرتا ہے وہ اس کے دست گرفتہ ہونے کی وجہ سے اسی کی خدمت گزاری کو اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ اور اپنے آقا کے کام میں خواہ وہ حق پر ہو یا ناحق اپنی جان تک دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

ملک کے موروثی امرا اور قدیم معاشدار اور جاگیردار لوگ جہاں اکثر سلطنت کی قوت ثابت ہوتے ہیں بعض وقت کسی ملک یا بادشاہ کے لئے خطرناک بھی بن جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی جڑیں ملک میں دور دور تک گڑی ہوتی ہیں اور ان کا اثر و اقتدار جس وقت چاہے بادشاہ کی ذات کے خلاف کام کرسکتا ہے۔ چنانچہ اکثر بادشاہوں کی جانشینی کے مسائل ایسے ہی امرا کی مصلحتوں اور دیگر اغراض کی وجہ سے الجھنوں میں پڑ جاتے ہیں۔ اور یہ لوگ جب کبھی اپنے بادشاہ سے کسی وجہ سے ناراض ہو جاتے ہیں تو اس کے بھائی یا قرابتدار کو تخت کا دعویدار بنا کر بادشاہ کے خلاف سازش کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ خود محمد قلی کی زندگی میں ایسا واقعہ دو دفعہ پیش آچکا ہے کہ ملک کے قدیم امرا شاہ عبدالقادر اور شہزادہ خدابندہ کو اس کے مقابلہ میں کھڑا کرکے اس کی زندگی کے لئے خطرہ کا باعث بن گئے تھے۔

اسی وجہ سے ہر ملک کے خود مختار بادشاہ ہمیشہ اجنبیوں کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کر کے انہی سے اپنی حفاظت کا کام لیتے رہے ہیں۔ اور محمد قلی قطب شاہ بھی اسی حکمت عملی پر کاربند تھا۔ بادشاہوں اور وزیروں کی یہی سیاسی چال تھی جس کی بناء پر دکن میں ہمیشہ ملکی اور غیر ملکی جھگڑا پیدا ہوتا رہا۔ ہر بادشاہ یا مقتدر امیر نے نئے اور زیادہ تر غیر ملکی لوگوں کو اپنا مشیر و مددگار بنانے کی کوشش کی اور اس طرح جو لوگ پہلے سے ملک میں موجود تھے وہ ہمیشہ ان نوواردوں سے رشک و حسد اور ان کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ اور اگرچہ بعض وقت وہ اپنی کوششوں میں کامیاب بھی رہے لیکن اکثر ناکام ہونا پڑا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اور اُن کی اولاد ناقدری اور ذلت کی زندگی گذارتے گذارتے اپنی اکثر اعلیٰ صلاحیتوں کو بھی کھو بیٹھی۔

غرض محمد قلی قطب شاہ بھی ایک مطلق العنان بادشاہ تھا اور اگر اس نے اپنے پیشروؤں کی دیرینہ سنت پر شدت سے عمل کیا تو کوئی تعجب کا مقام نہ تھا۔ رہا شیعوں کی سرپرستی کرنا تو اس پر بھی وہ مجبور تھا کیونکہ اس زمانے میں جتنے لوگ دہلی، آگرہ، بیجاپور کا رخ نہ کر کے گولکنڈہ آتے تھے وہ زیادہ تر شیعہ ہی ہوتے تھے۔ اس لیے کہ محمد قلی کے مذہبی عقائد اور خاص کر حُب اہل بیتِ نبیؐ کا دور دور تک چرچا تھا۔ چنانچہ اس کی زندگی ہی میں، جب کہ وہ حیدرآباد کا شہر بنا اور بسا رہا تھا، احمد نگر میں ایک تاریخ برہان مآثر لکھی جا رہی تھی۔ اس کا مصنف جب محمد قلی کا نام لیتا ہے تو اس کی اسی خصوصیت پر زور دیتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

"عالی حضرت اعظم ہمایون سلیمان ظل سبحانی المؤید بتائید اللہ خادم اہل بیت رسول اللہ

محمد قلی قطب شاہ" صفحہ ۹۸

"عالی حضرت سلطنت و حشمت پناہ نصفت و معدلت دستگاہ خادم اہل بیت رسول اللہ

محمد قلی قطب شاہ" صفحہ ۱۲۵

حالانکہ اس کتاب میں دوسرے ہمعصر بادشاہوں خاص کر ابراہیم عادل شاہ ثانی کا نام بھی کئی جگہ بڑے ادب و احترام سے لکھا گیا ہے لیکن ابراہیم کو یا کسی اور بادشاہ کو کسی جگہ خادم اہلبیت رسول اللہ نہیں لکھا گیا۔

اس کے علاوہ محمد قلی کے سنی امراء و عمائدین نے چونکہ دو تین وقت اس کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا تھا اس لیے وہ حق بجانب تھا اگر اس کو سنیوں پر کوئی اعتماد باقی نہ رہا اور اس نے عمداً شیعوں اور ایرانیوں کی سرپرستی شروع کر دی تھی۔

ان حالات کے تحت حیدرآباد میں کثرت سے اہل ایران جمع ہو گئے۔ جو لوگ محمد قلی کے عہد سے پہلے ہی یہاں موجود تھے ان میں میر شاہ میر اصفہانی، امیر زنبیل استرابادی، ہادی قلی سلطان، اور اعتبار خاں یزدی بہت بڑے امیر اور عمائدین سلطنت میں شمار کیے جاتے تھے۔ اس کے عہد میں جو ایرانی حیدرآباد آئے ان میں میر مومن استرابادی، میر ضیاء الدین محمد نیشاپوری علی بن عزیز اللہ طبا طبا، اور مرزا محمد امین بہت مشہور ہوئے۔ خاص کر میر مومن اور مرزا محمد امین

نے تو وہ رتبہ حاصل کیا کہ شائد ہی کسی بادشاہ کے زمانے میں کسی نو وارد کو حاصل ہوا ہو۔ چونکہ ان دونوں کو محمد قلی سے خاص تعلق رہا ہے اس لئے ان سے متعلق چند امور کا یہاں درج کرنا ضروری ہے

میر مومن

استر آباد کے مشاہیر سادات میں سید شرف الدین سماکی کے فرزند اور سید فخر الدین سماکی کے خواہر زادے اور شاگرد تھے۔ موخر الذکر میر غیاث الدین منصور کے کے اعظم تلامذہ میں شمار کیا جاتا تھا اور اسی کے ساتھ میر مومن شاہ طہماسپ کے دربار میں آئے اور شاہزادہ سلطان حیدر مرزا کی تعلیم اور آتالیقی کی خدمت پر مامور ہوئے تھے[1]۔ کچھ عرصہ بعد جب شاہزادہ کا انتقال ہو گیا اور میر صاحب کے مخالفین اور حاسدین نے ان کے خلاف دہریت اور الحاد کا الزام لگا کر ان کو خارج البلد کرنے کی کوشش کی تو وہ خود قزوین سے ۹۸۶ھ میں عراق و عرب کے سفر پر نکل کھڑے ہوئے اور حج و زیارت سے فارغ ہونے کے بعد محرم ۹۸۹ھ میں گولکنڈہ پہنچے۔

چونکہ بڑے عالم و فاضل اور مدبر و دانشمند اور خلیق و منکسر مزاج تھے اس لئے یہاں رفتہ رفتہ ان کی شہرت پھیلنے لگی۔ ان کو درس و تدریس کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ اکثر طلبہ اور علماء ان سے استفادہ کرتے تھے۔ آخر کار پانچ چھ سال کے عرصے میں اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ

---

[1] حضرت میر مومن کے تفصیلی حالات زندگی پر راقم نے ایک علٰحدہ مبسوط کتاب لکھ کر شائع کی ہے اس لیے یہاں صرف مختصر اور ضروری باتیں درج ہیں۔

کی وجہ سے محمد قلی قطب شاہ کو اپنا اتنا زیادہ معتقد بنا لیا کہ وہ ان کو اپنی سرکار و دربار میں دخیل کئے بغیر نہ رہا چنانچہ پیشوائے سلطنت جیسی اہم خدمت ان کے سپرد کی یہ عہدہ نائب بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے اور سلطنت میں سب سے بڑا عہدہ سمجھا جاتا تھا۔

میر مومن کے پیشوائے سلطنت بننے کے بعد ہی تاریخ دکن میں دو[2] اہم واقعات ظہور پذیر ہوئے یعنی شہر حیدرآباد کی بنا اور شہدائے کربلا کے نام کے علم مبارک کی استادگی۔ اور ان دونوں امور میں میر صاحب کی دلچسپی کو بھی دخل تھا۔ اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کیا جا سکتا کہ محمد قلی نے اپنے عقائد میں جو پختگی پیدا کی اور خادم اہل بیت رسول اللہ کا لقب حاصل کیا اس کا سہرا میر مومن ہی کے سر ہے۔ حیدرآباد میں شیعہ عقائد کی عام طور پر ترویج اور عاشور خانوں اور علموں کا قیام اور دیگر مذہبی مراسم کا آغاز محمد قلی نے ۱۰۰۰ھ کے لگ بھگ کیا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ امور میر صاحب کے عہدۂ پیشوائی کے اولین ثمرات ہیں۔

اس پیشوائی کے قیام کے بعد دوسرا اہم واقعہ جو پہلے کے ساتھ ساتھ یعنی تقریباً ایک ہی زمانے میں وقوع پذیر ہوا شہر حیدرآباد کی بنا تھا۔ اس وقت محمد قلی نے ایک متمدن اور ترقی یافتہ شہر کا جو نقشہ ڈالا اس کے بنانے میں میر مومن پیشوائے سلطنت کی رائے بھی ضرور شامل ہوگی۔

چارمینار کی وجہ تعمیر میں تعزیہ کو دخل ہو یا نہ ہو اس کا روضۂ حضرت امام رضا کی طرح شہر کے درمیان میں بنایا جانا اور اس کے چاروں طرف بڑی بڑی سڑکوں کی تعمیر حضرت میر مومن ہی کا

مشورہ ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ اہم واقعہ جس میں میر صاحب نے ذاتی دلچسپی لی یہ تھا کہ شہر کے بازاروں، محلوں، مسجدوں، عاشور خانوں اور حماموں کے ساتھ ساتھ اہل شہر کے لئے ایک پاک صاف قبرستان کی جگہ کا تعین بھی پہلے ہی سے کر لیا گیا۔

اس کام کے لئے میر صاحب نے جس مقام کا انتخاب کیا اس میں کونسی خوبیاں پیش نظر تھیں اس کا تفصیلی بیان ہم نے "سوانح میر مومن" میں درج کر دیا ہے اس لئے یہاں اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ انھوں نے اپنے صرفے سے اس قبرستان کو چمنستان کی طرح آراستہ کیا اور اس میں کربلائے معلی سے خاک پاک منگوا کر بچھوائی۔

میر مومن صاحب اگرچہ بظاہر مولوی اور دیندار آدمی تھے لیکن محمد قلی قطب شاہ اور اس کے جانشین سلطان محمد کے عہد میں جملہ امور سلطنت انہی کی رائے اور مشورے سے انجام پاتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۰۱۶ھ میں شہزادی حیات بخشی بیگم کی شادی اور سنہ ۱۰۲۲ھ میں مرزا محمد امین میر جملہ کا تقرر انہی کی رائے سے انجام پایا۔ اس زمانے میں بیرون ہند سے جتنے عالم اور قابل لوگ آتے وہ میر صاحب ہی کی سعی و سفارش سے دربار قطب شاہیہ میں باریابی پاتے تھے۔ چنانچہ علامہ محمد ابن خاتون انہی کا شاگرد اور فیضیافتہ تھا جو بعد کو سلطان محمد کے عہد میں ایران کی سفارت پر بھیجا گیا اور سلطان عبداللہ کے عہد میں پیشوائے سلطنت بنایا گیا۔

وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ چنانچہ جب سنہ ۱۰۲۳ھ میں سلطان محمد قطب شاہ کے بیٹا پیدا ہوا تو

انھوں نے حسب ذیل قطعہ تاریخ لکھ کر محمد قلی کے حضور میں پیش کیا تھا۔

باز عالم ابتدائے کامرانی کردہ است — صد بشیر کامرانی می برد ہر سو خبر
دودمان ترکماں را خوش چراغی برفروخت — پرتو شہزادۂ بر چرخ می تابد دگر
رونق عز و شرف سلطان محمد زاں کہ ہست — ہر دو عالم یک صدف از بہر آں عالی گہر
خواستم تاریخ آں فرخندہ گوہر عقل گفت — اول کام است فیروزی و اقبال و ظفر
چوں دعا بہ زیں نمی دانم ازاں می گویمش — سرور عالم شوی در ظل اقبال پدر

معلوم ہوتا ہے کہ اس شہزادہ کی تعلیم و تربیت میں میر مومن نے خاص حصہ لیا تھا جب ہی تو وہ ایسا زاہد مرتاض اور پاک باز بادشاہ ثابت ہوا۔ میر مومن اس کو بہت چاہتے تھے۔ چنانچہ شہزادے کے ساتھ اس کی شادی انھی کی ایما سے کی گئی اور محمد قلی قطب شاہ کی وفات کے بعد سلطان محمد کی تخت نشینی کے وقت بھی میر مومن نے ذاتی دلچسپی اور مستعدی سے کام لیا تھا۔ میر صاحب کی بقیہ زندگی سے متعلق تفصیلی معلومات ان کے سوانح حیات میں درج ہیں یہاں تاریخ فرشتہ کا یہ خیال ظاہر کردینا ضروری ہے کہ وہ محمد قلی قطب شاہ کے تذکرے کے آخر میں اس کی تین خوش قسمتیوں کا ذکر کرتا ہے جن میں سب سے پہلی اور سب سے اہم خوش قسمتی فرشتہ کی نظر میں یہی تھی کہ میر مومن جیسا معتمد علیہ اور مختار کل محمد قلی کو ملا تھا جس نے اپنی دانشمندی اور اعلیٰ کردار کی وجہ سے محمد قلی کے دور کو عظیم الشان بنادیا۔

مرزا محمد امین اصفہانی شہرستانی الاصل تھا۔ اور بقول علی بن طیفور "در فن استیفاد لیاقت بمرتبہ مہارت داشت کہ ہیچ کس از ابنائے روزگار باوے خیال مساوات برلوح ضمیر نمی توانست نگاشت۔[1]" غرض وہ بڑا عالم و فاضل اور صاحب فہم و فراست تھا۔

جس وقت مرزا محمد امین حیدر آباد آیا ہے تو محمد قلی قطب شاہ کا عہد حکومت ہمہ جہتی ترقیوں کے لحاظ سے معراج کمال پر پہنچ چکا تھا۔ اور اس کے میر جملہ ملک امین الملک الف خاں کو بھی انتقال کیے ہوئے دو تین سال گزر چکے تھے۔ یہ عہدہ خالی تھا اور سور یراؤ شائد منصرمانہ طور پر یہ خدمت انجام دے رہا تھا لیکن بقول تاریخ قطب شاہی جیسا کہ چاہئے مملکت کا انتظام نہیں ہو رہا تھا اور محمد قلی کسی قابل آدمی کی تلاش میں تھا۔

اس موقعہ پر جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے جملہ اعیان دربار اپنے اپنے دوستوں اور محسنوں کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ لیکن میر مومن پیشوائے سلطنت نے مرزا محمد امین کو اس خدمت کے لئے منتخب کیا اور محمد قلی نے یہ سفارش قبول کرکے سنہ ۱۰۱۱ھ میں مرزا کو اپنا جملۃ الملک اور وزیر مختار بنا لیا۔ اور اس کے لئے ایک ایسا بیش بہا قلمدان وزارت روانہ کیا جو اعلیٰ درجے کے جواہر سے مرصع تھا۔ ایسا قلمدان اس وقت تک کسی بادشاہ نے اپنے وزیر کو عطا نہیں کیا تھا چنانچہ مرزا محمد امین کے بعد بھی یہ قلمدان عرصے تک کسی کو نہ ملا اور آخر کار جب سنہ ۱۰۳۵ھ میں سلطان عبداللہ قطب شاہ نے محمد قلی کو شریف الملک کا خطاب دیکر

---

[1] حدائق السلاطین ورق ۱۰۳ا۔

سرخیل بنایا تو کمال مہربانی سے یہی قلمدان اس کو عطا کیا تھا۔

مرزا محمد امین کی سالانہ تنخواہ دو لاکھ ہون یعنی زمانۂ حال کے نو لاکھ روپے مقرر کی گئی تھی اور اس مقررہ رقم کے علاوہ موقع بموقع بقول تاریخ قطب شاہی :۔

"بانواع تشریفات شاہانہ و اسپان بازین زر و فیلان کوہ پیکر معزز و ممتاز گردید"

جن عنایتوں سے مرزا محمد امین کو سرفراز کیا جاتا تھا۔ یہ اتنی بڑی رقمیں اور اعزاز تھا کہ آج ہندوستان کے ویسرائے کو بھی شاید نصیب ہو۔ اس سے محمد قلی کے جاہ و جلال اور شاہانہ فیاضی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

محمد امین نے خدمت پر فائز ہوتے ہی زور و شور کے ساتھ مہمات مملکت کو سرانجام کرنا شروع کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے سوری راؤ برہمن جو عرصہ سے بادشاہ کا منہ چڑھا تھا اس کی تحقیقات کی زد میں آیا اور کثیر رقم اس کے ذمے بقایا نکلی۔ اس طرح کئی ہندو عہدہ داروں کا زور کم ہو گیا اور بڑی بڑی رقمیں وصول ہوئیں۔ وہ بادشاہ کے مزاج میں بڑا دخیل ہو گیا تھا اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ ۱۰۱۱ھ میں جب ایک رات چند غیر ملکی اوباشوں نے محل بنات گھاٹ میں جبراً داخل ہو کر جلسہ منایا اور دوسرے روز صبح بادشاہ کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے غصہ میں آ کر ان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس حکم کی خبر جب اہل حیدرآباد کو ہوئی تو ان کی سالہا سال کی امید بر آئی۔ کیونکہ وہ غیر ملکیوں کے اقتدار اور غرور سے تنگ آ چکے تھے۔ اب انھوں نے کوتوالی کے ملازموں کے ساتھ مل کر خود بھی غیر ملکیوں کو لوٹنا اور تباہ کرنا شروع کیا یہاں تک کہ سو آدمی قتل کر دیے گئے



غواصی ملک الشعرائے گولکنڈہ



مرزا محمد امین میر جملہ

اور تمام شہر میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اس وقت مرزا محمد امین جامدار خانۂ عامرہ میں مصروف کار تھا۔ جب اس کو اس بدامنی کی اطلاع ملی تو فوراً محمد قلی کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ بادشاہ آرام کر رہا تھا اور ملازمین درگاہ نے اس کو بیدار کرنے سے انکار کر دیا۔ مرزا محمد امین نے دیکھا کہ جتنی دیر ہوتی جائے گی اتنا ہی زیادہ کشت و خون ہوگا اس لئے آداب شاہی کے خلاف دروازہ کو زور سے کھٹکھٹایا جس کی آواز سے محمد قلی قطب شاہ بیدار ہوگیا اور وجہ دریافت کی۔ مرزا محمد امین نے بڑی عاجزی کے ساتھ حقیقت حال سے آگاہ کیا اور درخواست کی کہ بادشاہ خود اپنی خوابگاہ کی کھڑکیوں سے بازار کی طرف نظر ڈالے۔ جب محمد قلی نے اس فتنہ و فساد کو دیکھا تو آگ بگولہ ہوگیا۔ چنانچہ علی آقا کوتوال پر عتاب نازل ہوا اور مرزا محمد امین نے اہل شہر کو سخت سزا دلوائی جن جن لوگوں نے غیر ملکیوں کو لوٹنے اور قتل کرنے میں حصہ لیا تھا ان کو ہاتھیوں کے پاؤں سے بندھوا دیا گیا اور بہت سے اہل شہر قتل بھی کرا دیے گئے۔

اس واقعہ کے چند ماہ بعد ۱۰۰۳ھ میں مرزا محمد امین نے محمد قلی قطب شاہ کو اپنے محل میں مدعو کیا۔ اور اس دھوم دھام کے ساتھ دعوت کی کہ تاریخیں اس کے بیان میں خاص طور پر رطب اللسان ہیں اس دعوت کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مرزا محمد امین وہ تمام تزک و احتشام اور مال و دولت اپنے بادشاہ کو دکھانا چاہتا تھا جو شاہانہ عنایتوں کی وجہ سے اس کو سات سال کے عرصہ میں حاصل ہوئی تھی اس موقعہ پر اس نے اپنے تمام محل کو سات رنگ کے دیبا سے سجایا تھا۔ اور جملہ راستے

عنبر و گلاب و مشک سے خوشبودار بنائے گئے تھے۔

بادشاہ صبح کے وقت جب اس کے محل میں داخل ہوا تو مرزا محمد امین نے زربفت، اطلس مخمل اور مشجر کو پا انداز کر کے اپنی ڈیوڑھی کو رشکِ گلستانِ ارم بنا دیا۔ بادشاہ کی آمد سے قبل ہی حیدرآباد کے تمام امراء اعیان دولت سلاحدار اور قدیم الخدمت ملازمین وزیراعظم کے محل میں جمع ہو کر اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے انشا پرداز اور شاعروں نے اس مجلس میں بادشاہ کی مدح میں قصیدے اور مضامین نثر پڑھ کر سنائے جن میں وزیر کو اس اعزاز و افتخار پر مبارکباد دی گئی تھی۔ اس کے بعد ماہرین رقص و سرود نے اپنے اپنے کمال فن کے اظہار سے مجلس کو مسرور کیا پھر مرزا محمد امین نے اس سرفرازی کی نذر کے طور پر قسم قسم کی نادر و بیش بہا اشیا بادشاہ کی خدمت میں پیش کیں مثلاً

(۱) تیس ۳۰ عربی نسل کے گھوڑے جن میں سے ہر ایک کی زین اور لگام مرصع تھی۔ (۲) بیس ۲۰ ہاتھی۔ (۳) ایک سونے کا کمر بند جس میں ۴ جواہر جڑے ہوئے تھے۔ (۴) صاف بلور کا ایک گول آئینہ جس کے اطراف جواہر اور آبدار موتی جڑے ہوئے تھے اور جس کا چوکھٹا سونے کا تھا اور اس میں بھی جواہر لگے ہوئے تھے۔ (۵) قرآن شریف اور دوسری کتابوں کی چودہ خوشخط و مطلا و مذہب جلدیں (۶) دو سو عجیب و غریب سنکری غوری (۷) دو سو ۲۰۰ باریک اور نفیس کشمیری شال (۸) زربفت، مخمل، کمخاب، مشجر اور اطلس کے چودہ چودہ تھان

(۹) خوشنما قالینوں کی تیس۳۰ جوڑیاں (۱۰) تیس۳۰ عدد نمد کرمانی خوش رنگ و خوش قماش کافی طویل و عریض (۱۱) چند سونے کی کشتیاں جن میں قسم قسم کے جواہر اور بیش بہا اشیاء غیرہ تھے۔

(۱۲) ان کے علاوہ اور بہت سے بری اور بحری تحفے۔

اس عالیشان نذر کے بعد دستر خوان چنا گیا جس پر اتنی قسم کے کھانوں، شربتوں، اور میووں کے خوان جمائے گئے کہ مورخوں نے لکھا ہے کہ "بتخیلہ نہ گنجد و بشمار نیاید" یعنی کسی کے قیاس میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد محمد امین نے جملہ ندیموں، قصہ خوانوں، شاعروں، اور اہل نغمہ کو جو اس مجلس میں موجود تھے تشریفات فاخرہ سے سرفراز کرکے پچاس ہزار ہون انعام عطا کیا۔

اس دعوت کی تفصیل معلوم کرنے کے بعد عہد محمد قلی قطب شاہ کی فراغ بالی اور عیش و کامرانی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ بادشاہ نے اپنے میر جملہ کی پیش کی ہوئی نذر کو پسند کرکے قبول کیا۔ ان اشیا کی قیمت کا اندازہ ایک سو پچاس ہزار ہون بتایا جاتا ہے۔ نذر قبول کرکے جب بادشاہ واپس ہونے لگا تو ازراہ مرحمت اپنے کندھوں سے زرین چادر نکال کر مرزا محمد امین کو عنایت کی یہ انتہا درجے کی سرفرازی سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ زرنگار خلعت ہائے فاخرہ، پانچ ہاتھی اور پانچ عربی گھوڑے بھی جن کی زین اور لگام مرصع تھی، مرحمت کیے گئے اور آخر کار اظہار پسندیدگی کے طور پر مرزا محمد امین کے پیش کیے ہوئے گھوڑوں میں سے ایک پر سوار ہو کر

محمد قلی قطب شاہ دولت خانۂ عالی کو واپس ہوا۔

مرزا محمد امین نے مہمات سلطنت میں کیا حصہ لیا اور کون کون سے کام انجام دیئے ان کے ذکر سے تاریخوں کے اوراق خالی ہیں۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جب ۱۰۱۹ھ میں پرتاب شاہ نے بغاوت کی اور بادشاہ نے اس کے فرو کرنے کے لئے مرزا کو متوجہ کیا تو اس نے آسیراؤ کو سپہ سالار بنا کر حیدرآباد سے ایک فوج روانہ کی۔ اور اس کے بعد جب معلوم ہوا کہ یہ بغاوت فرو نہیں ہو رہی ہے تو محمد قلی قطب شاہ کے حکم سے خود مرزا محمد امین حیدرآباد سے باہر نکلا لیکن وہ بزم آرائی کا جتنا دلدادہ تھا میدان جنگ سے اتنا ہی گریزاں رہتا تھا۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ وہ لڑائی کے لئے نکلا تھا۔ لیکن اس وقت بھی اس نے جس حزم و احتیاط سے کام لیا اس سے ثابت ہو گیا کہ وہ اس میدان کا مرد ہی نہ تھا۔ چنانچہ جب وہ حیدرآباد سے نکلا تو پرتاب شاہ پر حملہ کرنے کی جگہ قطب شاہی حدود پر جا کر ٹھہر گیا۔ آخر کار جب مکت خاں، زبردست خاں، خیرات خاں، اعتبار خاں اور امجد الملک وغیرہ جیسے سپہ سالار اپنی فوجوں کے ساتھ اس کی مدد کے لئے پہنچ گئے اس وقت ونتر کے علاقے میں داخل ہو کر چند مقامات پر قبضہ کر لیا لیکن پرتاب شاہ والئ ونتر نے اتنا ستایا کہ مرزا محمد امین اپنی سرحد میں واپس چلا آیا اور بادشاہ کو اطلاع دی۔ محمد قلی ناامید ہونے والا شخص نہ تھا اس نے مالک پرت خاں کو ایک فوج کے ساتھ مرزا کی مدد کے لئے روانہ کیا لیکن اس اثنا میں جب خود محمد قلی کی طبیعت بے حد ناساز ہو گئی تو مرزا محمد امین

لڑائی کا خیال ترک کر کے حیدرآباد چلا آیا۔ اس کے بعد تو محمد قلی کا انتقال ہی ہو گیا۔ اور سلطان محمد تخت نشین ہوا۔ میر جملہ کی ناکام واپسی اس نوجوان بادشاہ کی ناخوشی کا باعث ہوئی۔ اور اس کے علاوہ نہ معلوم اور کیا اسباب ہوئے[۱] کہ مرزا محمد امین نے خود کو محفوظ نہ پا کر سلطان محمد قطب شاہ کی خدمت میں رخصت کی درخواست پیش کی۔ وہ تو پہلے ہی سے ناراض تھا فوراً درخواست قبول کر لی لیکن اپنی نیک نفسی کی وجہ سے مرزا محمد امین کو اپنے پورے مال و متاع کے ساتھ حیدرآباد سے چلے جانے کی اجازت دے دی بلکہ دس ہزار ہون اور بھی اپنی طرف سے خرچ راہ کے لئے عطا کئے۔[۲] برہان مآثر میں لکھا ہے کہ :۔

"فتورے در مرتبۂ استقلال خود مشاہدہ نمود و از روئے حزم و عاقبت اندیشی استعفائے خدمت کردہ استدعائے رخصت مراجعت بوطن مالوف نمود۔ اما از فرط ہمت بلند نظر بمال و منال او نگرد ندہ"[۳]

۱ے اس کا امکان ہے کہ مرزا محمد امین محمد قلی قطب شاہ کی جانشینی کے مسئلے میں میر مومن کا ہم خیال نہ ہو۔ کیونکہ بادشاہ کی نازک حالت کی خبر سنتے ہی اس کا میدان جنگ چھوڑ کر حیدرآباد چلا آنا اور پھر سلطان محمد کی تخت نشینی میں میر مومن صاحب کا غیر معمولی دلچسپی اور مستعدی سے کام لینا ظاہر کرتا ہے کہ ان کو ضرور کوئی اندیشہ تھا۔ ورنہ ہر تاریخ میں اس واقعہ پر زور نہ دیا جاتا۔ اور ایک بات قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ اس تخت نشینی کے واقعات میں کہیں مرزا محمد امین کا نام نہیں آتا۔

۲ے گلزار آصفی صفحہ ۳۰ ۔ ۳ے حدیقۃ السلاطین ورق ۱۰۴ ر

یہ عجیب بات ہے کہ بالکل اس طرح کا واقعہ سلطان محمد کے پیشرو محمد قلی قطب شاہ کی تخت نشینی کے وقت بھی پیش آیا تھا جب کہ ابراہیم قطب شاہ کا وزیر مختار میر شاہ میر اپنے وطن کو بھجوا دیا گیا تھا۔

محمد امین ربیع الاول ۱۰۲۱ھ میں[1] بہت بڑا خزانہ لے کر نکلا اور سیدھا بیجاپور کا رخ کیا لیکن یہاں ابراہیم عادل شاہ حکمران تھا جس نے اپنی ایک حلیف سلطنت کے معزول میر جملہ کو اپنے یہاں معزز و ممتاز کرنا سیاسی مصلحت کے خلاف سمجھا۔ جس کی وجہ سے مرزا محمد امین کو مجبوراً ایران کا سفر کرنا پڑا۔ وہاں شاہ عباس کی خدمت میں اس نے اپنے حیدرآبادی خزانے میں سے ایک لاکھ روپے کے جواہرات بطور نذر پیش کئے لیکن وہاں بھی اس کی وہ قدر و منزلت نہ ہو سکی جو محمد قلی جیسا لکھ لٹ بادشاہ ہی کر سکتا تھا۔ آخر کار دوبارہ ہندوستان آیا اور ۱۰۲۷ھ میں جہانگیر بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہو کر حیدرآباد سے کمائی ہوئی دولت میں سے پچاس ہزار روپے نذر دیے۔ جہانگیر اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا۔ اور شاہجہاں کے عہد میں وہ پنجہزاری امیر اور میر بخشی بنا دیا گیا۔ آخر کار ۱۰۴۶ھ میں فالج و لقوہ سے انتقال کیا۔

مرزا محمد امین کو شعر و سخن کا بھی بڑا اچھا ذوق تھا۔ اس کے متعدد شعر حدائق السلاطین میں بطور نمونہ نقل کیے گئے ہیں۔[2] اس کی طبیعت میں شان و شوکت اور تزک و احتشام کی بڑی

---

[1] گلزار آصفی صفحہ ۳۰

[2] دیکھو ورق ۱۸۴ ب تا ۱۸۷ ا

صلاحیت تھی۔ حیدرآباد کے قیام کے زمانے میں اس نے ندی کے کنارے ایک عالی شان باغ بنایا تھا جو عرصے تک باقی رہا اور اس کے چلے جانے کے بعد شاہی تفریح گاہ اور سلطنت کے بہترین مہمان خانے کے طور پر کام آتا تھا۔ یہ باغ اب تک حیدرآباد میں موجود ہے اور اس میں اب زنانہ ہسپتال یا زچہ خانہ بنا دیا گیا ہے۔ کتاب مآثر دکن میں اس کو سہواً الک الملک ابن الف خان کا بنایا ہوا قرار دیا گیا ہے[1] تاریخ حدیقۃ السلاطین میں اس باغ کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے:

"باغ میرزا محمد امین میر جملۂ ماضی کہ قطعۂ ایست از بہشت بریں"[2]

ایک اور جگہ نظام الدین احمد اس باغ کو شہر حیدرآباد کے بہترین مقامات میں سے قرار دیتا ہے وہ کہتا ہے:

"باغ مرزا محمد امین میر جملۂ ماضی را کہ بہترین مقامات و منازل دار السلطنت است...."[3]

یہ باغ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد تک ایسا آراستہ و پیراستہ تھا کہ اس سے بہتر تفریح کا مقام شہر میں کوئی نہ تھا۔ چنانچہ جب شاہ جہاں نے ۱۰۳۶ھ میں شیخ محی الدین پیرزادہ اجین کو ایلچی بنا کر حیدرآباد روانہ کیا تو عبداللہ نے اس کو اسی باغ میں فروکش ہونے کا حکم دیا۔ اور اسی طرح اسکے ایک عرصہ بعد جب ۱۰۴۴ھ میں شاہ ایران کا سفیر امام قلی بیگ

---

[1] دیکھو صفحہ ۱۷

[2] دیکھو صفحہ ۶۲

[3] دیکھو صفحہ ۱۳۳

شاملو حیدرآباد آیا تو پھر عبداللہ قطب شاہ نے اسی باغ کو اپنے اس مہمان کی قیام گاہ بنانے کا حکم دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ باغ اور اس کی عمارتیں ایسی اعلیٰ پایہ کی تھیں کہ جب کبھی کسی بڑی سلطنت کا ایلچی آتا تو اس کو وہیں ٹھہرایا جاتا۔ غرض محمد قلی قطب شاہ نے اپنے اس ایرانی وزیر اعظم کو جس کثیر مال و دولت سے سرفراز کیا تھا وہ بالکلیہ بیکار نہیں گیا۔ کیونکہ اس دولت میں سے کچھ نہ کچھ رقم تو اس میر جملہ نے حیدرآباد ہی میں امین باغ کی تزئین و آرائش میں صرف کی۔ اور اس طرح محمد قلی کے جانشین مدت دراز تک اس باغ سے مستفید ہوتے رہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس باغ کی بہار اب تک باقی ہے جب کہ خود محمد قلی قطب شاہ کی نسل بھی دنیا سے نیست و نابود ہو چکی۔

بعض غیر ملکیوں پر عتاب ایرانیوں اور غیر ملکیوں کی سرپرستی کی ایسی اعلیٰ مثالیں دیکھ کر یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ محمد قلی قطب شاہ ان کے ساتھ اندھا دھند رعایت کیا کرتا تھا۔ اس نے جہاں ملکیوں اور سنیوں کے ساتھ ان کی بے وفائیوں کی وجہ سے خراب برتاؤ کیا، ایرانیوں اور غیر ملکیوں کو بھی اپنی سیاست کے تحت برابر سزا دی۔ وہ صحیح معنوں میں ایک اعلیٰ درجہ کا مدبر اور سیاست داں تھا اور جس کسی نے اس کی ذات کے خلاف سازش یا اس کی حکمت عملی اور اس کے قانون کی خلاف ورزی کی وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ سنیوں کی ناقدری یا سنی امراء و عمائد کو اس کے بھائیوں کے ساتھ مل کر بغاوت کرنے کی پاداش میں جو سزائیں دی گئیں ان کا

تذکرہ تو گزر چکا ہے۔ اس لئے یہاں صرف ایسے چند واقعات کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے جن سے معلوم ہوگا کہ اس نے ایرانیوں اور غیر ملکیوں کے ساتھ ہر وقت مروت اور رعایت کا برتاؤ نہیں کیا۔

اس قسم کے ایک واقعہ کا ذکر ابھی مرزا محمد امین کے بیان میں گزر چکا ہے یعنی جب چند غیر ملکی لوگ اس کے محل نبات گھاٹ میں اجازت کے بغیر داخل ہو کر بے ادبی کے مرتکب ہوئے تو اس نے ان کو سزا دینے کے احکام جاری کئے جن کی بنا پر تقریباً سو ایرانی اور غیر ملکی مار ڈالے گئے اور بہت سے لوگوں کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔

دوسرا واقعہ رستم خاں کو بے عزتی کے ساتھ قطب شاہی لشکر سے نکلوا دینے سے متعلق ہے۔ یہ شخص نیا نیا حیدرآباد آیا تھا اور ۱۰۰۱ھ میں جب وینکٹ پتی کے مقابلے کے لئے فوج روانہ کی جا رہی تھی تو اس نے محمد قلی قطب شاہ کے دربار میں ایسی باتیں بنائیں کہ بادشاہ نے اس کو سپہ سالار بنا دیا لیکن جب لڑائی کے میدان میں وہ مخالفین سے ڈر کر بھاگ نکلا تو محمد قلی نے اس کے چہرے کو رنگ کر اور زنانہ لباس پہنا کر قطب شاہی سرحد سے باہر نکلوا دیا۔

علی بن عزیز اللہ طباطبا بھی ایک اور مشہور ادیب اور مورخ تھا اور نلدرگ کے محاصرے کے وقت ۹۸۸ھ میں ایران سے آکر محمد قلی قطب شاہ کا ملازم ہوا تھا۔ لیکن بعد کو

نہ معلوم کیا واقعہ پیش آیا کہ محمد قلی کی سرپرستی سے محروم ہو گیا اور نظام شاہیوں کی ملازمت اختیار کر لی۔

اس قسم کا سب سے اہم واقعہ امیر شاہ میر کی برطرفی سے متعلق ہے۔ یہ امیر سلطان محمد قطب شاہ کا وزیر مختار اور نہایت وفادار دوست تھا۔ اور محمد قلی قطب شاہ بھی اس کی بہت تعظیم کرتا تھا۔ چنانچہ اس کی تخت نشینی کے بعد جب امیر ملا رگ سے آیا ہے تو بادشاہ اس کے استقبال کے لیے نکلا اور احترام کے خیال سے گھوڑے پر سے اتر گیا۔ بعد کو اس کی لڑکی سے بڑی دھوم دھام سے شادی بھی کی۔ لیکن آخر میں امیر شاہ میر مورد عتاب ہوا اور اس کو سلطنت سے باہر بھجوا دیا گیا۔ اس کے اسباب وغیرہ آئندہ محمد قلی قطب شاہ کی شادی کے بیان میں درج ہیں۔ یہ شادی بھی محمد قلی کے اعلیٰ تدبر کا پہلا کارنامہ ہے کیونکہ امیر شاہ میر کی لڑکی اصل میں محمد قلی کے بڑے بھائی حسین قلی سے منسوب تھی اور جب بخت واتفاق سے حسین قلی کی جگہ محمد قلی تخت نشین ہو گیا تو اس نے امیر شاہ میر کو اپنا طرفدار بنا لینے کے لیے خود ہی اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔

دکن کی محبت

ایرانیوں اور غیر ملکیوں کے تعلقات کے تذکرے میں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ سیاسی حالات اور مجبوریوں کو چھوڑ کر باقی تمام معاملات میں محمد قلی قطب شاہ ایک ٹھیٹ دکنی حکمران تھا۔ وہ اور اس کا باپ ابراہیم دونوں دکن میں

پیدا ہوئے تھے اور محمد قلی نے تو پوری طرح دکنی لباس اور وضع قطع اختیار کر لی تھی۔ اگر اس کے والد، چچا اور دادا کی تصویروں سے اس کی تصویر کا مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کا حلیہ اور لباس اس کے پیشروؤں سے کتنا مختلف تھا۔ وہ پہلا قطب شاہی حکمران تھا جس نے ڈاڑھی منڈوائی تھی۔ وہ اہل دکن کی طرح کاندھے پر چادر اوڑھتا تھا اور ایرانی وضع کے کوٹوں، نیمچوں اور شملوں کا استعمال چھوڑ کر اپنے ملک کی آب و ہوا کے مطابق ہلکے پھلکے اور مہین کپڑوں کے لباس کی ترویج کی طرف مائل تھا۔

وہ دکن کو اپنا ملک اور وطن سمجھ کر اپنے کلام میں جگہ جگہ اس کا ذکر کرتا ہے۔ اگر ماہ نامے کی روایت صحیح ہے تو اس کی ماں بھاگ رتی ایک تلنگن ہی تھی۔ اور ایسی صورت میں تو دکن اور تلنگانہ سے اس کو خفیفی بھی محبت ہوتی کم تھی۔ اگرچہ اس کا تلنگی کلام اب تک دستیاب نہ ہوا لیکن اس کے اردو اشعار میں چند تلنگی لفظ مثلاً ورِر (آقا) ایم رے ایم (کیا ہے کیا) موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تلنگی بول چال سے واقف تھا۔ اس نے متعدد اشعار میں دکن کا ذکر کیا ہے جن میں سے چند یہ ہیں ؂

کالیاں گوریاں سکیاں کوں جگ میں نھیاں سو لبھیا   کھو نلی سکی کوں دیکھت میں سُدھ بھولیا دکھن میں
بھو تیک میا بیٹنے اپن دیتا قطب کوں سب دکن   سیسوں نبی کانت چرن جب لک ہے تن میا جیا
سو بارہ اماماں مدد ہے قطب کوں   اسی تھے یو سارا دکن ہے متابع

نبی صدقے نرکماں کوں میا تھے　　دیتے دکن کی شاہی پنجتن خاص

اسی طرح کلیاتِ محمد قلی کی تین نظمیں فتنہ دکھن (صفحہ ۳۲۱) ۔ ایک تلنگن سے (صفحہ ۳۲۲) اور دکن کی تیلی (صفحہ ۳۲۳) ظاہر کرتی ہیں کہ اس کو اپنے وطن سے کتنی محبت تھی ۔

اسی طرح حیدرآباد کی آبادی اور تہواروں کے ذکر میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ کس طرح وہ اپنے ملک کو آباد اور خوشحال دیکھنا چاہتا تھا ۔ اور اہل ملک کی ترقی اور فارغ البالی کے لیے وہ کیا کیا جتن کرتا تھا اس کا ایک شعر ہے ؎

مرا شہر لوگاں سوں معمور کر　　رکھیا جوں توں دریا میں مین یا سمیع

یعنی اے خدا تو میرے شہر کو لوگوں سے اسی طرح معمور کر دے جس طرح تو نے دریا میں مچھلیاں بھر دی ہیں ۔

ساتواں حصّہ

محمد قلی کی رنگا رنگ بزم آرائیاں، درباری طمطراق، اور شاہانہ جاہ وجلال اس کی خانگی زندگی پر ایسا چھایا ہوا ہے کہ وہ ہر جگہ ایک رومانی شخصیت یا تخیلی و تصوری کردار بن کر نمودار ہوتا ہے اس کی حیات کا شاعرانہ یا شاہانہ پہلو اتنا نمایاں ہے کہ اس کی روزمرہ کی زندگی کے وہ معمولی یا تلخ واقعات پس منظر میں چھپ گئے ہیں جو عام انسان کی زندگی کے لوازمات ہیں۔ لیکن اس حصہ میں اسی قبیل کے بعض واقعات کو روشنی میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

تاہل اور اولاد کے ذکر کے ساتھ ہی محمد قلی کی علالت، وفات، اور تجہیز و تکفین کا بیان اس لئے درج کر دیا گیا ہے کہ یہی وہ اہم اجزا ہیں جن پر فانی انسان کی حیاتِ مستعار مشتمل ہوتی ہے۔

اگرچہ مبداء فیاض نے محمد قلی کو اس کی فراخ دلی اور فیاضی کے شایانِ شان نعمتیں بخشیں لیکن صحت اور عمر کے بارے میں اس کو شاید اس لئے محروم رکھا کہ دنیا کے تمام کمالات اور قدرت کے جملہ عطیئے ایک ہی شخص کو نہیں دئیے جا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صرف سینتالیس سال کی عمر میں دنیا اور اس کی عشرتوں اور کامرانیوں کو اپنا سوگوار چھوڑ گیا۔

تاہل، اولاد اور وفات

محمد قلی قطب شاہ کی سیاست اور تدبر کے بیان میں اس امر کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ اس نے میر شاہ میر کی دختر سے جو شادی کی وہ اصل میں سیاسی اسباب کی بنا پر تھی۔ اس کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے شاہ میر کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا جائے۔ اور چونکہ وہ محمد قلی قطب شاہ کا پہلا وزیر مختار یا میر جملہ بھی تھا اس لئے اس کی نسبت محمد قلی کی تاریخ میں تفصیل سے کچھ لکھنا مناسب نہ ہوگا۔

میر شاہ میر طباطبا محمد قلی کا خسر اور پہلا میر جملہ

اس کا اصل نام میر شاہ تقی تھا[1] اور اس کی نسبت اس کے ایک ہمعصر علی ابن عزیز اللہ نے (جو احمد نگر کا مشہور مورخ تھا) لکھا ہے:-

"از مشاہیر فضلائے زماں و معارف ظرفائے دوراں بود"[2]

ایک اور جگہ لکھا ہے:-

"از جملۂ ندما و فضلاء دوراں بہ بلاغت بیان و طلاقتِ لسان امتیاز تمام داشت"[3]

---

[1] حدیقۃ السلاطین جلد اول صفحہ ۱۰۶ پر لکھا ہے:- "زبدۂ آل طٰہٰ و یٰسین میر شاہ تقی معروف بہ میر شاہ میر"

[2] برہان ماثر صفحہ ۱۵۱۴ [3] برہان ماثر صفحہ ۴۷۶ -

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عالم و فاضل ہونے کے علاوہ اچھا مقرر، ندیم اور ظریف بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان ابراہیم نے اس کو اپنا میر جملہ بنا کر اکثر مہمات سلطنت میں اس سے کام لیا تھا علم و فضل اور آداب مجلس کے علاوہ وہ بہادری اور سپہ سالاری میں بھی ممتاز تھا۔ اور ساتھ ہی وفادار ایسا تھا کہ نازک سے نازک موقعوں پر بھی ابراہیم قطب شاہ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ چنانچہ برہان مآثر میں اس کی وفاداری اور رفاقت کا ایک دلچسپ واقعہ درج ہے جس کو مورخ نے شاہ میر ہی کی زبان سے سنا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک وقت جب ابراہیم کی فوج نظام شاہیوں سے شکست کھا کر بھاگ نکلی اور قطب شاہی خیمہ و خرگاہ پر احمد نگر والوں کا قبضہ ہو گیا تو ابراہیم قطب شاہ کو بھی مجبوراً راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ اس وقت شاہ میر کے سوا اور کوئی اس کے ساتھ نہ تھا[1] اور بادشاہ اپنے ملازموں اور دوستوں کی بیوفائی پر بہت تاسف کر رہا تھا۔ اثنائے گفتگو میں اس نے شاہ میر سے کہا :۔

"این گروہ کہ با ما عہد و میثاق را بنقض پیمان و نفاق مبدل ساختند آیا شامت خلف ایمان بر روزگار شاں عائد نخواہد شد؟"

شاہ میر نے دلیری سے جواب دیا :۔

حالا نتیجہ آں بما عائد شدہ۔ زود تر خود را ازیں ورطہ بکنار باید کشید۔ مبادا کہ بوخامت آں گرفتار شویم۔" (برہان مآثر صفحہ ۴۵۲)

---

[1] چنانچہ شاہ میر کہتا ہے کہ "در روز فرار قطب شاہ از سپاہ ظفر پناہ از جملہ مقربان درگاہ جز من دیگرے با قطب شاہ ہم عنان و ہمراہ نبود" برہان مآثر صفحہ ۴۵۲۔

شاہ میر کی سفارتیں

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جب نظام شاہ اودگیر میں قیام پذیر ہوا تو ابراہیم قطب شاہ نے میر شاہ میر ہی کو سفیر بنا کر اس کے یہاں روانہ کیا تاکہ آیندہ دونوں سلطنتوں میں صلح و اتفاق قایم ہو جائے۔ جب نظام شاہ کو شاہ میر کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ اپنے سرداروں مثلاً چنگیز خاں، خان زماں، جمشید خاں، خداوند خاں، اور بحری خاں وغیرہ کو ساتھ لے کر اپنے لشکر سے باہر آیا اور اس قطب شاہی سفیر سے ملاقات کی۔ آخر کار میر شاہ میر اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر گولکنڈہ واپس ہوا۔[1]

ایک اور دفعہ بھی شاہ میر کو نظام شاہ کی بارگاہ میں سفارت کی خدمت انجام دینی پڑی۔ چنانچہ برہان مآثر میں لکھا ہے کہ جب نظام شاہ بالاپور پہنچا تو ابراہیم قطب شاہ نے شاہ میر کو شاہانہ تحفوں کے ساتھ اس کے یہاں روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ اگر قطب شاہ کی تائید میں نظام شاہ قلعہ بیجاپور پر حملہ کرے گا تو ہر منزل میں پانچ ہزار ہون بطور سفر خرچ کے ادا کئے جائیں گے اور اسی طرح بیجانگر کی طرف سے ساتھ لاکھ ہون نعل بہا کے طور پر دلوائے جائیں گے۔[2]

شاہ میر کی فتوحات

یہ تو سفارت کی خدمات کا ذکر تھا۔ شاہ میر کی بہادری اور سپہ سالاری کے سلسلے میں صرف اس واقعہ کا ذکر کافی ہے کہ جب ابراہیم قطب شاہ قلعہ کونڈبیر فتح کرنے کے لئے شاہ میر کو روانہ کیا تو اس نے حیدری اور حسینی توپوں سے اس قلعہ پر اتنا سخت حملہ کیا کہ فصیل ٹوٹ گئی

---

[1] برہان مآثر صفحہ ۴۷۶۔ [2] برہان مآثر صفحہ ۴۸۲۔

اور اسکے بعد ماہ صفر ۹۸۱ھ میں یہ قلعہ قطب شاہیوں کے قبضہ میں آگیا۔ شاہ میر بلتم راج داماد رام راج کو قید کر کے اپنے ساتھ سلطان ابراہیم قلی قطب شاہ کی بارگاہ میں لے آیا اور عواطف خسروی سے سرفراز ہوا۔ اس کامیابی کے بعد سلطان ابراہیم نے شاہ میر کو نلدرگ کے محاصرہ کے لئے بھیجا۔ اس وقت اس کے ساتھ دس ہزار جرار سواروں کی فوج روانہ کی گئی تھی[۱]۔ اور اس فوج نے شاہ میر کی سرداری میں بڑی دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ چنانچہ نظام شاہی مورخ لکھتا ہے :۔

"دلیران لشکر قطب شاہی درآں روز داد مردی و دلاوری دادہ داستان رستم داستاں را فسوخ ساختند۔ و چند مرتبہ حملہ ہائے مردانہ نیز تفرقہ در صفوف سپاہ کینہ خواہ عادل شاہ انداختند"[۲]

اسی طرح بیجاپوری فوجیں شکست پر شکست کھانے لگیں تو اب انھوں نے اس امر کی کوشش کی کہ نظام شاہیوں اور قطب شاہیوں میں پھوٹ ڈال دی جائے۔ چنانچہ سید مرتضیٰ امیر الامرائے نظام شاہی کو انھوں نے ہموار کر کے قطب شاہی فوج کو دھوکے سے تباہ کرنے کا معاہدہ کر لیا لیکن شاہ میر بھی غافل نہیں تھا۔ اس کو اس خفیہ معاہدے کی اطلاع مل گئی۔ اس لئے بھی جوابی کارروائی کی اور فوراً امرائے بیجاپور سے مراسلت شروع کر دی اور بہت جلد سید مرتضیٰ کی طرف سے ان کے دل میں شبہات پیدا کر دیئے۔ اس کے بعد وہ سیدھا سید مرتضیٰ کے خیمہ میں پہنچا اور خلوت میں لیجا کر اس معاہدہ کا حال دریافت کیا۔ سید مرتضیٰ کو مجبوراً سب باتیں کہنی پڑئیں۔

---

[۱] برہان ماثر صفحہ ۵۱۴ [۲] برہان ماثر صفحہ ۵۱۹

اس وقت شاہ میر ہی کی فراست وتدبر تھا جس نے سید مرتضیٰ کو بیجاپوریوں سے دوبارہ تڑوالیا چنانچہ مورخ لکھتا ہے کہ :۔

"چوں سید شاہ میر بحسن تقریر و لطفِ کلام مشہور و معروف خاص و عام بود سوئے تدبیرِ دشمنان را بعبارات دلپذیر بخاطر نشان میر مرتضیٰ نمودہ وخامت وندامت عاقبت آں را بدلائل وبراہین مبین و مبرہن ساخت تا سید مرتضیٰ از معاہدہ اعدا پشیمان گشتہ بہ تجدید عہد و پیمان شاہ میر و قطب شاہ پرداخت"[۱]

غرض اُدھر میدان جنگ میں شاہ میر ابراہیم قطب شاہ کی حکمت عملی پر کاربند ہو کر نظام شاہیوں کو اپنے موافق رکھنے کی ترکیبیں کر رہا تھا کہ ادھر گولکنڈہ میں خود ابراہیم قطب شاہ نے میدان ہستی کو خیر باد کہا۔ اور اس کا دوسرا لڑکا محمد قلی تخت نشین کر دیا گیا۔ اگر ابراہیم کے انتقال کے وقت شاہ میر گولکنڈہ میں موجود رہتا تو کیا تعجب کہ ابراہیم کا بڑا فرزند حسین قلی قطب شاہی تخت و تاج کا مالک ہوتا کیونکہ شاہ میر نے اس کو ولی عہد سلطنت سمجھ کر اپنی لڑکی اس سے منسوب کر دی تھی۔

شاہ میر کی گولکنڈہ کو واپسی اور محمد قلی سے ملاقات

بہر حال وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ محمد قلی قطب شاہ نے تخت نشین ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اپنے باپ کے پرانے رفیقِ کار، وزیر مطلق اور سپہ سالار میر شاہ میر کے یہاں ابراہیم قلی کے انتقال اور اپنی تخت نشینی کی اطلاع

---

[۱] برہان مآثر صفحہ ۵۲۵۔

روانہ کی۔ یہ دونوں خبریں اس بوڑھے مدبر اور میر جملہ کے لئے غیر متوقع نہیں۔ وہ بہت پریشان ہوا۔ چنانچہ علی بن عزیز اللہ طباطبا جو اس کا دوست تھا اور اس واقعہ کے چند روز بعد ہی اسی میدان جنگ میں شاہ میر سے اس کی دوستی ہوئی تھی لکھتا ہے کہ:۔

"این خبر در مقام نانگام نزدیک قلعہ تلدرگ بہ شاہ میر رسیدہ موجب ازدیاد مواد خوف و ہراسش گردید" (ب۔م صفحہ ۵۲۸)

لیکن شاہ میر بڑا عقلمند اور فریس تھا اس نے سید مرتضیٰ اور دیگر امرائے نظام شاہی سے موانقت و وفاق کا عہد و پیمان لے کر بیدر سے گولکنڈہ کا رخ کیا۔ اور اپنی روانگی سے قبل نظام شاہیوں کی طرف سے میرک معین سبزواری اور خواجہ محمد سمنانی کو مراسم تعزیت اور مبارکباد جلوس ادا کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔ اس سفارت سے شاہ میر کا ایک مقصد یہ بھی ہوگا کہ یہ لوگ نئے بادشاہ کو میدان جنگ میں شاہ میر کی اعلیٰ خدمات سے آگاہ کریں۔ بہر حال ان کے پہنچ جانے کے بعد خود شاہ میر بھی گولکنڈہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ حوالی گولکنڈہ میں پہنچا تو محمد قلی قطب شاہ نے تمام خیل و سپاہ کے ساتھ باہر نکل کر اس کا استقبال کیا اور قریب پہنچنے کے بعد گھوڑے سے اتر کر پیادہ چلتا ہوا شاہ میر سے بغل گیر ہوا۔ اس کے بعد جب قلعہ گولکنڈہ میں داخل ہوئے تو خلعت خاص عنایت کرکے جملہ امور سلطنت کا اس کو مختار یعنی میر جملہ بنا دیا[1] اور ہر معاملے میں اس کی رائے و مشورہ پر عمل کرنے لگا۔

---

[1] برہان مآثر صفحات ۲۲۸ و ۲۲۹۔ تاریخ قطب شاہی ورق ۲۲۷ ب۔

یہ سب اصل میں محمد قلی کی شاہانہ تدبیر و فراست تھی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شاہ میر قطعاً حسین قلی کا طرفدار ہے۔ اور اگر اس وقت وہ ناراض ہو جائے تو اس کی بادشاہت میں خلل ڈال سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب شاہ میر نے رائے دی کہ محمد قلی کو بہ نفس نفیس میدان جنگ میں نکلنا چاہئے تو وہ بخوشی گولکنڈہ سے نکل کھڑا ہوا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ میدان جنگ میں گولکنڈہ کی بہت بڑی فوج مصروف پیکار تھی اور محمد قلی اپنی اس اہم فوج کی باگ خود اپنے ہی ہاتھ میں لینا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کے باپ کی بھیجی ہوئی یہی فوج اس کی مخالفت اور حسین قلی کی موافقت کے لیے بھی آمادہ کرلی جاسکتی تھی۔

محمد قلی کے محاصرہ نلدرگ اور پھر گولکنڈہ کو واپسی کے حالات پہلے بیان کیے جاچکے ہیں اس سفر میں شاہ میر نے محمد قلی کو اپنا دوست بنانے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ اگرچہ اس کے مخالفین اور خاص کر امرائے بیجاپور نے بہت کوشش کی کہ محمد قلی قطب شاہ اس سے بدظن ہو جائے اور نلدرگ کے محاصرے میں جو ناکامی اور ندامت ہوئی تھی اس کا باعث شاہ میر ہی کو قرار دیا جائے۔

شاہ میر کی دختر سے شادی

گولکنڈہ واپس ہونے کے بعد محمد قلی قطب شاہ نے شاہ میر کے ساتھ اپنے تعلقات اور زیادہ استوار کرنے کے لئے اس کی لڑکی سے جو اصل میں اس کے بڑے بھائی حسین قلی سے منسوب تھی ۹۹۱ھ میں بڑی دھوم دھام سے

شادی رچائی۔ نظام شاہی مورخ لکھتا ہے:۔

"قطب شاہ چوں بمستقر سریر سلطنت خود رسیدہ بر مسند کامرانی تکیہ فرمودہ مخدرہ حجلۂ عصمت سید شاہ میر را کہ نامزد برادر بزرگش بود خطبہ نمودہ طوے بادشاہانہ ترتیب داد۔ والوائے مسرت و حضور برروے آشنا و بیگانہ کشاد" ب۔م۔ صفحہ ۵۳۵

تاریخ قطب شاہی اور بعد کی تاریخوں میں اس شادی کے تفصیلی واقعات درج ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مہینے تک اس کے جشن منائے گئے۔ اور دعوتیں ہوتی رہیں منجموں نے نیک ساعت دیکھ کر عقد نکاح کی تاریخ اور وقت مقرر کیا۔ جس کی بنا پر اصحاب علم و فضل جمع ہوئے اور مجلس نکاح منعقد ہوئی جشن کے اختتام پر بادشاہ نے شادی کی مسرت میں بڑی دریا دلی کے ساتھ اعیان و ارکان اور جملہ خدم و حشم کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا اور مقربان خاص کو شاہانہ خلعتیں اور مناصب ارجمند دیکر ان کے اعزاز میں اضافہ کیا۔

شاہ میر پر عتاب لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس شادی کے بعد بھی محمد قلی کو شاہ میر کے حرکات و سکنات پر اطمینان نہ ہوا۔ وہ اتنا ہوشیار اور زیرک اور با اقتدار تھا کہ محمد قلی اس سے ہمیشہ چوکنا رہتا۔ یوں بھی امیر شاہ میر کے بہت سے مخالف اور حاسد تھے جو برابر اس کی ٹوہ میں لگے ہوئے تھے۔ اور بادشاہ کو اس سے بدظن کراتے رہتے تھے۔ آخر کار وہ اپنے مقصد میں اتنے کامیاب ہوگئے کہ بقول صاحب برہان مآثر شاہ میر کی طرف سے ایک جعلی خط امرائے عادل شاہی کے نام

لکھ کر محمد قلی قطب شاہ کی بارگاہ میں پیش کیا مورخ لکھتا ہے۔

"دریں اثنا جمعے از حساد کہ با میر شاہ میر در مقام عناد بودند فرصت یافتہ در تہیج مادۂ فتنہ و فساد سعی نمودند و مکتوب مزور از زبان شاہ میر با امراء سپاہ عادل شاہ محتوی بر ترغیب و تحریص بمحاربہ و اظہار اتفاق غریباں با ایشاں دریں منازعہ ساختہ بنظر قطب شاہ در آوردند تیر تدبیر ارباب فساد و عناد بہدف مراد رسیدہ دیدن آں کتابت موجب تغیر مزاج قطب شاہ بر شاہ میر کہ رکن اعظم آں دولت بود گردید۔ و بر سبیل استعجال بگرفتن آں سید عدیم المثال مثال داد، شیوۂ تانی و تامل دراں قضیہ عملی در نیاورد" (ج۔م صفحہ ۵۲۶)

افسوس ہے کہ قطب شاہی تاریخ میں اس جعلی خط کے واقعہ کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا گیا۔ چونکہ برہان مآثر کا مصنف میر شاہ میر کا بہت دوست تھا اس لیے اس کے بیان پر پوری طرح بھروسہ کرنا مشکل ہے جب کہ اس امر کا امکان موجود ہے کہ شاہ میر نے محمد قلی کی کسی بات سے ناراض ہو کر اس کے خلاف امرائے عادل شاہی سے ساز باز کرنی چاہی ہو۔ چونکہ وہ اس سے قبل دوسرے حالات میں اسی قسم کی سیاسی چالیں چل چکا تھا اس لیے ممکن ہے کہ اب بھی کوئی ایسی ہی ترکیب کی ہو۔ ورنہ محمد قلی قطب شاہ اپنے خسر اور نفقدر میر جملہ کو محض شک و شبہ پر گرفتار کر کے قید نہ کر دیتا۔ اور اگر شاہ میر واقعی بے قصور تھا تو

اس کی گرفتاری کا سبب خود محمد قلی قطب شاہ کی سیاست وتدبر ہوگا۔ یعنی شاید وہ اپنے حریف سلطنت حسین قلی کے قدیم طرفدار کے کھٹکے سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہونا چاہتا تھا۔ بہرحال اس اہم واقعہ کا ذمہ دار بادشاہ اور وزیر دونوں میں سے کوئی ایک ضرور تھا محض حاسدوں کی سازش کی وجہ سے محمد قلی ایسا قدم نہ اٹھاتا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ برہان مآثر کے بیان کے مطابق شاہ میر کی گرفتاری کی خبر سن کر قطب شاہی فوج بددل ہوگئی اور عادل شاہیوں کے مقابلے میں امیر زنبیل کو تنہا چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔ علی بن عزیز اللہ کے بیان سے تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہ میر کے زوال میں دکن کے دیرینہ ملکی اور غیر ملکی جھگڑے کو بھی دخل تھا۔ چونکہ شاہ میر زیادہ تر اجنبیوں اور غریبوں (غیر ملکیوں) کی قدر و منزلت کرتا تھا اس لئے اہل ملک کا اس کے خلاف ہوجانا ضروری تھا۔ اور جب ان کی سیاست کی وجہ سے شاہ میر شکست کھا گیا تو قطب شاہی فوج میں جتنے غیر ملکی لوگ تھے وہ سب برخواستہ خاطر ہوگئے کیونکہ شاہ میر کی حکمت عملی کی وجہ سے قطب شاہی فوجیں ایسے ہی لوگوں سے معمور تھیں چنانچہ مورخ کہتا ہے :۔

"چوں خبر گرفتن شاہ میر صافی ضمیر در لشکر منتشر شد تزلزل در اساس صبر و تحمل غریباں کہ روے رزمئہ سپاہ قطب شاہ بودند راہ یافتہ پائے ثبات و قرار شاں از جائے برفت ......چوں اکثر دلیران سپاہ قطب شاہ غریب بودند و از گرفتن میر شاہ میر

پریشان خاطر...... در دفع اعدا سعی نہ نمودند" (ج ۔ ۴ ۔ ۵۳۶)

عجیب بات یہ ہے کہ قطب شاہی تاریخیں میر شاہ میر کے انجام سے متعلق خاموش ہیں البتہ تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قلی نے چند ماہ بعد شاہ میر کو معاف کر دیا لیکن ایسے شخص کا گولکنڈہ میں رہنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ اس لئے نوجوان بادشاہ نے حکم دیا کہ ضروری مال و اسباب کے ساتھ کشتی میں سوار کر کے شاہ میر کو اصفہان روانہ کر دیا جائے جو اس کا وطن تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ شاہ میر سفر کی صعوبت برداشت نہ کر سکا اور کشتی ہی میں بیمار ہو کر انتقال کر گیا۔ فرشتہ کے الفاظ ہیں :۔

"بعد از چند ماہ از سر گناہ او گزشتہ حکم فرمود کہ او را در کشتی سوار کردہ با موال و اسباب ضروری باصفہان کہ وطن مالوفش بود روانہ سازند شاہ مرزا در کشتی بیمار شدہ پیش از آنکہ بمنزل مراد رسد فوت شد" فرشتہ مطبع نول کشور ۱۸۸۴ء جلد دوم صفحہ ۱۷۲۔

میر شاہ میر کی دختر کا جس سے محمد قلی قطب شاہ نے اس تزک و احتشام کے ساتھ شادی کی تھی اور جو اصل میں اس کی ملکہ تھی کوئی حال معلوم نہ ہو سکا۔ تاریخیں اس بارے میں اتنی ساکت ہیں کہ محمد قلی کی حیات میں اس ملکہ کا عدم و وجود برابر معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ لڑکی بھی شاہ میر کے ساتھ ایران روانہ کر دی گئی ہو۔ کیونکہ محمد قلی تو عام روایت کے مطابق ایام شہزادگی ہی سے بھاگ متی پر فریفتہ تھا۔ اور اس کے والد ابراہیم قلی قطب شاہ نے

بڑی کوشش کی تھی کہ اس کا دل اس باکمال رقاصہ کی طرف سے پلٹ جائے اور ان حسین دوشیزاؤں میں سے کسی پر مائل ہو جائے جو نوجوان شہزادہ کا دل بہلانے کی خاطر اس کے محل میں مختلف ممالک سے بلوا کر جمع کر دی گئیں تھیں۔ لیکن محمد قلی تو بقول وجہی اس خیال پر اڑا ہوا تھا کہ ؎

یک ٹھائیں سہیلی مرنا دل دو جے پر نا دھرنا اُس پیو کوں اپنا کرنا اِس پاپی جیو کوں کھو کر

(یعنی اے سہیلی ایک ہی پر مرنا چاہئیے اور دوسرے کو دل نہ دینا۔ کسی طرح اسی محبوب کو اپنا بنا لینا چاہئیے خواہ اس میں اپنے پاپی جی کو کھو دینا ہی کیوں نہ پڑے)

یہ شعر اس غزل کا ہے جو شاعر نے اپنی مشہور مثنوی قطب مشتری میں محمد قلی کی زبان سے بھاگ متی کے فراق میں کہلوائی تھی۔

بھاگ متی یا حیدر محل

غرض بھاگ متی کی موجودگی میں شاہ میر کی دختر کا عروج ناممکن تھا اس لئے یا تو وہ باپ کے ساتھ ایران بھجوا دی گئی تھی یا اگر گولکنڈہ ہی میں رہی تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بہت گمنام زندگی بسر کی۔

کیونکہ اس کی شادی کے پانچ سات سال بعد جب محمد قلی قطب شاہ نے شہر حیدرآباد بسایا تو اس کا نام اپنی اسی قدیم محبوبہ کے نام پر بھاگ نگر رکھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس رقاصہ کے ساتھ اس کی محبت چند روزہ نہ تھی۔ بلکہ جب تک وہ زندہ رہی محمد قلی قطب شاہ اس کا

دیوانہ رہا۔ چنانچہ شہر بھاگ نگر کی تعمیر کے چند سال بعد جب اس کو حیدر محل کا خطاب دیا گیا۔
تو اس کی مناسبت سے بھاگ نگر کا نام پہلے حیدر نگر اور پھر شہر حیدر یا حیدر آباد سے بدل
دیا گیا۔ محمد قلی قطب شاہ نے اپنے دیوان میں یہ سب نام استعمال کئے ہیں۔ مثلاً

زتن قطبا کے ہیں زمول نہیں کس شہر میں ہول اس ۔۔۔ لے کر آؤں جو بکھرا ہوئے اس کا شہر حیدر میں

بریاں نظراں تجھے اس اسپند آتار و ۔۔۔ کہ حیدر نگر اُن انداں بھر ایا

دوسرے شعر میں صاف ظاہر کر دیا ہے کہ حیدر نگر اس کی خاطر امن و اطمینان سے
معمور کر دیا گیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس محبوب کو نظر لگے اس لئے نظر بد سے بچانے اس پر سے سپند آتارو
اسی طرح ایک اور شعر میں کہتا ہے کہ قطب شاہ نے تیری محبت میں جو شہر آباد کیا ہے
اسی میں وہ قیام پذیر بھی ہے کیونکہ اس کی نظر میں اس شہر سے بہتر اور پر لطف شہر کوئی اور نہیں

نبی صدقے تجھ نیہہ شہر میں ہے قطب ۔۔۔ نہیں کوئی شہر اس شہر تجھے الذ

محمد قلی قطب شاہ کی تخت نشینی کے بعد بھی بھاگ متی عرصے تک اپنے قدیم مکان ہی میں
قیام پذیر رہی جو ایک چھوٹے سے گاؤں چچلم میں واقع تھا۔ یہ گاؤں اس جگہ آباد تھا جہاں اب
چارمنار، مکہ مسجد، مغلپورہ اور مہاراجہ کشن پرشاد کی ڈیوڑھی واقع ہے اسی گاؤں سے ایک ہزار
سواروں کے جلوس کے ساتھ وہ محمد قلی کے دربار میں شریک ہونے کے لئے گولکنڈہ جایا کرتی تھی۔
چنانچہ اس کے تزک و احتشام کا ذکر بعض تاریخوں میں نظر سے گزرتا ہے اور بہت سی روایتیں زبانی

سننے میں آتی ہیں لیکن افسوس ہے کہ قطب شاہی تاریخیں اس بارے میں بالکل خاموش ہیں۔ البتہ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے محمد قلی قطب شاہ نے اپنے کلام میں اس محبوبہ کی طرف بعض جگہ اشارہ کیا ہے۔

بھاگ متی سے ملنے کے لئے خود محمد قلی بھی اس کے مکان کو جایا کرتا تھا اور اس آمد و رفت کے سلسلے میں بھی موضع چچلم کے اطراف و اکناف کا پُر فضا میدان اس کو اتنا بھایا کہ یہاں ایک عالیشان شہر کی تعمیر کا خیال اس کے دل میں پیدا ہوا، اور جب شہر اور محلاتِ شاہی بن گئے تو اس وقت غالباً بھاگ متی بھی "دولت خانۂ عالی" میں منتقل ہو گئی جس کے ایک آدھ سال بعد ہی اس کے بطن سے شہزادی حیات بخشی بیگم پیدا ہوئی۔ اس وقت یا اس سے قبل ہی شاید جلوہ کے وقت بھاگ متی کو حیدر محل کا خطاب دیا گیا ہوگا۔

ان دو شادیوں کے علاوہ محمد قلی قطب شاہ نے کئی اور حسینوں کے ساتھ شادیاں کیں اور ہر وقت دھوم دھام سے جلوہ، مہندی اور دیگر رسوم منا کر لطف اندوز ہوا۔ ان سب کا تذکرہ محمد قلی کی معشوقاؤں اور اس کے رسم و رواج کے بیانات میں کر دیا گیا ہے۔

اولاد

محمد قلی قطب شاہ کو عرصے تک کوئی اولاد نہ ہوئی۔ کسی تاریخ میں اس کی اولاد کی پیدائش یا موت کا تذکرہ نہیں ہے۔ حالانکہ دوسرے بادشاہوں مثلاً ابراہیم قلی قطب شاہ محمد قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ کے ذکر میں مورخوں نے شہزادوں اور شہزادیوں کی ولادت کا تذکرہ

اور قطعاتِ تاریخی وغیرہ درج کیے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محمد قلی کو پہلے تو اولاد ہوئی ہی نہیں اور اگر ہوئی بھی تو جلد انتقال کر گئی جس کی وجہ سے خوشی کے جشن منانے اور شاعروں کو مبارکباد پیش کرنے کا موقع نہ ملا۔ اس لئے خود محمد قلی قطب شاہ نے ایک موقعہ پر دعا کی تھی کہ ؎

بار دے میرے جھاڑ کوں یارب — پھول پھل ہوئے تا بھی گلزار

یہ شعر اس کے دیوان میں موجود ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا میرے درختِ زندگی کو باثمر بنا تا کہ اس کی وجہ سے ملک بارونق ہو جائے۔

عجیب بات یہ ہے کہ حیدرآباد کی تعمیر کے بعد اس کی اکلوتی شہزادی حیات بخشی بیگم پیدا ہوئی تھی لیکن مورخوں نے اس واقعہ کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ وہ لڑکی تھی اور دوسرے یہ کہ وہ بھاگ متی کے بطن سے پیدا ہوئی تھی جو اس وقت شاہی رقاصہ تھی اور ابھی حیدر محل کے خطاب سے سرفراز نہ ہوئی ہوگی۔

لیکن مورخوں کے اس سکوت کے باوجود خود محمد قلی قطب شاہ اپنے کلام میں اس امر کا ثبوت چھوڑ گیا ہے کہ اس کے یہاں کسی وقت ایک سے زیادہ بچے موجود تھے چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

راکھو تمھارے چھاؤں تل دایم خوشیاں سوں قطب کوں
قطب ہور فرزند قطب کے بندے تمھارے ہیں علی[۴]

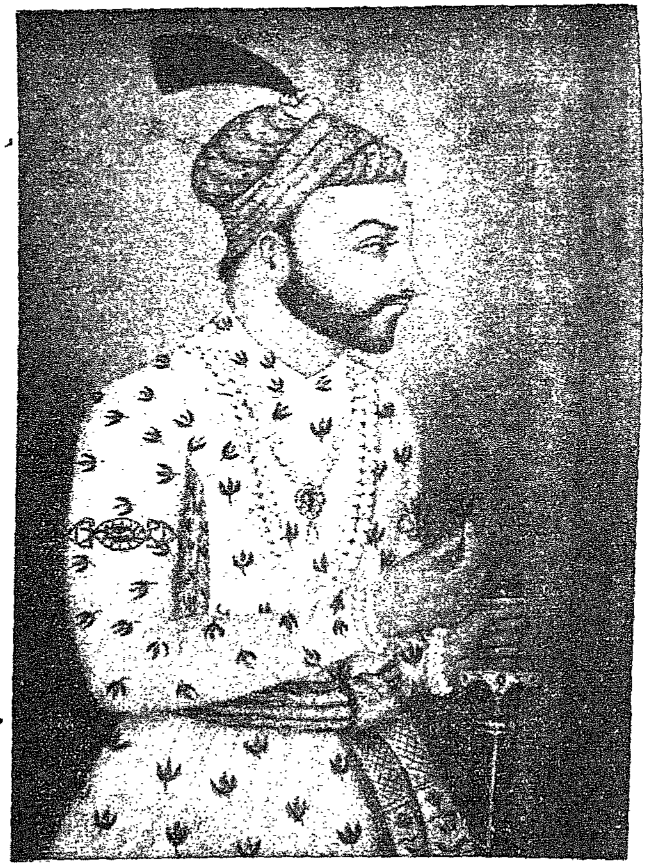
(یعنی اے علی! قطب شاہ اور اس کے فرزند تمھارے بندے ہیں اس لئے ان کو اپنے سایہ میں خوش و خرم رکھئے۔)

ممکن ہے کہ محمد قلی نے اس شعر میں اپنی دختر حیات بخشی بیگم کے علاوہ اپنے برادر زادہ شہزادہ مرزا محمد سلطان فرزند مرزا محمد امین کو بھی اپنا ہی لڑکا سمجھ کر صیغۂ جمع (یعنی قطب کے فرزند) استعمال کیا ہو۔ یا اس کا بھی امکان ہے کہ جس وقت محمد قلی نے یہ شعر لکھا حیات بخشی بیگم کے علاوہ اور بھی اس کے بچے زندہ ہوں۔

شہزادہ مرزا محمد امین حیدرآباد کی تعمیر کے بعد بروز چہارشنبہ ۲۳ رجب ۱۰۰۱ھ میں پیدا ہوا تھا اور حیات بخشی بیگم اس سے تخمیناً ایک آدھ سال ہی کی چھوٹی ہوگی۔ کیونکہ جب ۱۰۱۲ھ میں ایران کا سفیر حیدرآباد آیا تو اس وقت اس کی عمر دس سال سے کم تھی جب ہی تو شاہ ایران نے اپنے فرزند کے ساتھ شادی کے لئے پیام بھیجا تھا۔ لیکن اس لڑکی کی قسمت میں تو حیدرآباد کی ملکہ بننا اور تین بادشاہوں (یعنی باپ محمد قلی، شوہر سلطان محمد اور فرزند سلطان عبداللہ) کے زمانے میں حیدرآباد کی سیاست میں دخیل ہونا لکھا تھا۔

حیات بخشی بیگم کی شادی

غرض حیات بخشی بیگم کی شادی ہوئی تو اس کی عمر پندرہ سال سے زیادہ کی نہ تھی۔ کیونکہ وہ ۱۰۰۱ھ کے بعد پیدا ہوئی تھی اور ۱۰۱۶ھ میں شاہزادہ مرزا محمد سلطان کے ساتھ بیاہ دی گئی۔ اس بیاہ کے کچھ سیاسی اسباب بھی تھے جن کا تذکرہ محمد قلی قطب شاہ کے تدبر و سیاست اور سفیر ایران کی آمد کے سلسلے میں کر دیا گیا ہے۔



سلطان محمد قطب شاہ
۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵



سلطان عبداللہ قطب شاہ
۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ

محمد قلی کی زندگی میں خود اس کی شادی کے علاوہ اتنی بڑی تقریب اور کوئی نہیں منائی گئی۔ اس لئے اس وقت اس نے دل کھول کر اپنی شاہانہ فیاضیوں اور شان و شکوہ کا مظاہرہ کیا۔ اس موقع پر وہ جو بھی اہتمام کرتا کم تھا۔ کیونکہ پہلے تو یہ اس کی اکلوتی اولاد کی شادی تھی اور دوسرے اس کے چہیتے بھتیجے کے ساتھ ہو رہی تھی۔ تیسرے یہ کہ اس زمانے میں شاہ ایران کا ایلچی بھی حیدر آباد میں موجود اور اس تقریب میں مدعو تھا جس کو قطب شاہی شان دکھانا ضروری تھا[1] اور چوتھے یہ کہ شادی کے ساتھ ہی مرزا محمد سلطان کو ولیعہد سلطنت بنانا مقصود تھا۔

یہ تقریب ماہ ربیع الاول میں منائی گئی جس کے لئے پہلے ہی سے حکم دے دیا گیا تھا[2] کہ تمام شہر حیدر آباد کی آئین بندی کی جائے اور محلات شاہی کو آراستہ و پیراستہ کر کے محفل نشاط و شادی کے قابل بنا یا جائے۔ غرض پوری تیاریاں ہو جانے کے بعد ایک مہینے تک شاہانہ جشن منائے گئے اور محمد قلی قطب شاہ نے اپنے بے انتہا انعام و اکرام سے خاص و عام دونوں کو شاد کام کیا۔ بخششوں اور نوازشوں کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ اس جشن میں امراء و اکابر اور شرفاء و سلحداران کو تیس ہزار[3] خلعت تقسیم کئے گئے تھے۔

---

[1] بعض تاریخوں میں تو لکھا ہے کہ نظام شاہ، عادل شاہ اور عماد شاہ بھی اس تقریب میں شریک تھے۔ محبوب الزمن جلد دوم صفحہ ۴۸۰۔ [2] تاریخ قطب شاہی ورق ۲۶۴ ب۔

[3] بعض تاریخوں میں چالیس ہزار خلعتوں کی تعداد بتائی گئی ہے۔ دربار آصف۔ گلزار دوم صفحہ 195۔

جب شادی کی تیاریاں مکمل ہوگئیں تو نجومیوں نے دن تاریخ اور نیک ساعت کا تعین کیا۔ اور علما نے عقدِ نکاح پڑھایا۔ دلہا اور دلہن پر سے زر و جواہر نثار کئے گئے۔ اس موقع پر شعرا نے مبارک باد کے قصیدے اور تاریخی قطعے بھی پیش کئے تھے جن میں میر کی معین سبزواری کا قطعہ بہت مشہور ہوا جو گزشتہ صفحات میں محمد قلی کے تدبر و سیاست اور میر کی معین کی سفارت کے بیان میں درج کیا جا چکا ہے۔ مبارکبادیوں کے علاوہ امرا نے شہزادے کی خدمت میں ولیعہدی کی نذریں بھی پیش کیں۔

شادی کے بعد بیٹی اور داماد کے رہنے کے لئے محمد قلی قطب شاہ نے ایک عظیم الشان محل[1] کو پہلے ہی سے آراستہ و پیراستہ کرا لیا تھا۔ چنانچہ جلوہ کے بعد اس شاہی برات کو اسی محل میں بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ اتارا گیا۔ افسوس ہے کہ مورخ نے اس محل کا نام نہیں لکھا۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ محل دولت خانۂ عالی کی جانبِ جنوب اسی جگہ بنایا گیا تھا جہاں اب "محلہ مٹی کا شیر" اور قدیم قطب شاہی مسجد واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد حیات بخشی بیگم کے محل میں واقع تھی اور جہاں اب ایامِ عاشورہ میں مٹی کا شیر اور تعزیہ بٹھایا جاتا ہے اسی جگہ اس محل کا عاشور خانہ تھا۔

حیات بخشی بیگم اپنے شوہر کی وفات ۱۰۳۵ھ تک اسی محل میں قیام پذیر رہی۔ اس اثناء [illegible] نے موجودہ سرور نگر کی جانب مشرق ایک عظیم الشان قلعہ سلطان نگر بنانا شروع کیا تو اس ملکہ نے بھی اپنے لئے اس قلعہ سے آگے ایک محل، مسجد، اور شہر حیات نگر یا حیات آباد

---

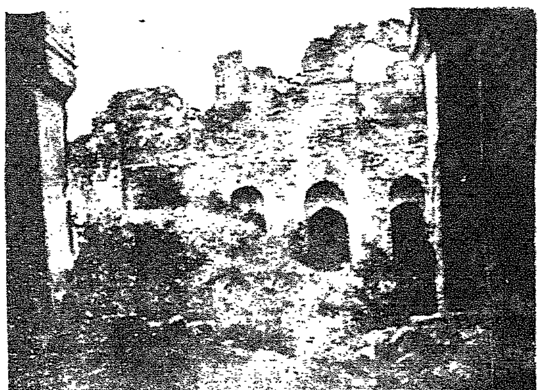
[1] حدیقۃ العالم صفحہ ۲۴۷



حیات بخشی بیگم کے محل کے آثار (گولکنڈہ)



محمد قلی کے محلات کی موجودہ حالت



محمد قلی قطب شاہ کے محلات کے کھنڈر

بنایا تھا جو اب تک موجود ہے۔ اسکے فرزند سلطان عبداللہ کے عہد میں حیات بخشی بیگم کا زیادہ تر قیام اسی حیات آباد میں رہتا تھا۔ چنانچہ وہیں اس نے عبداللہ قطب شاہ کی موتراشی کی تقریب بڑی شان و شوکت سے انجام دی تھی۔

عبداللہ قطب شاہ کے آخر عہد میں جب اورنگ زیب نے حیدرآباد پر حملہ کیا تو حیات بخشی بیگم قلعہ گولکنڈہ کے شاہی محلات میں سے اس خاص محل میں قیام پذیر رہی جو اس احاطہ "محلتان" کے بالکل اندرونی حصہ میں واقع ہے اور جس کی چھتیں فتح گولکنڈہ کے بعد خزانوں کی تلاش میں اڑا دی گئی تھیں۔ لیکن اس کی دیواروں کے اعلیٰ نقش و نگار اور خوبصورت طاقچے اب بھی باقی ہیں۔

اورنگ زیب سے صلح کرانے میں حیات بخشی بیگم کا بہت بڑا حصہ ہے چنانچہ وہ خود اس سے ملنے کے لئے مغلیہ لشکر میں گئی اور شرائط صلح کے طے کرنے میں مردانہ وار گفتگو کی۔ آخر کار سنہ ۱۰۷۷ھ میں ۲۸ شعبان شنبہ کے روز محمد قلی قطب شاہ کی اس واحد یادگار نے تقریباً بچھتر سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اسی کے ساتھ اس کے والد سلطان محمد قلی کی عظیم الشان سلطنت کا وقار اور شان و شوکت بھی دفن ہو گئی۔ محمد قلی کا اکلوتا نواسہ سلطان عبداللہ بھی اپنی ماں حیات بخشی بیگم کے انتقال کے صرف پانچ سال بعد ہی (سنہ ۱۰۸۳ھ) میں اس دنیا سے بغیر اولاد نرینہ چھوڑے کوچ کر گیا۔

حیات بخشی بیگم کے بطن سے غالباً دو ہی بچے پیدا ہوئے ایک عبداللہ قطب شاہ جو محمد قلی قطب شاہ کی وفات کے تین برس بعد دوشنبہ ۲۰ شوال ۱۰۲۳ھ میں عالم وجود میں آیا اور دوسری خدیجہ سلطان شہر بانو بیگم جو اپنے بھائی کے دو تین سال بعد پیدا ہوئی اور جس کی شادی ۱۰۴۲ھ میں سلطان محمد عادل شاہ والی بیجاپور سے ہوئی۔ خدیجہ سلطان نے بھی اپنی ماں کی طرح طویل عمر پائی۔ یہ بیجاپور میں اپنے فرزند علی عادل شاہ ثانی کے دور میں حاجی بڑے صاحب کے نام سے مشہور و معروف تھی۔

محمد قلی قطب شاہ کی علالت

محمد قلی قطب شاہ کی اولاد کے مختصر سے تذکرے کے ساتھ خود محمد قلی قطب شاہ کا بیان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس عظیم الشان فرمانروا کو اپنے آبا و اجداد کے مقابلے میں بہت کم عمر ملی تھی۔ اگرچہ دوسری تمام باتوں میں قدرت نے اس کے ساتھ بڑی فیاضی سے کام لیا۔ قلب و دماغ کی جتنی اعلیٰ قوتیں اس کو عطا کی گئی تھیں اس کے کسی پیشرو کو نصیب نہ ہوئیں۔ مال و دولت، عیش و عشرت، عروج و اقبال، فتح و کامرانی اور امن و اطمینان جتنا اس کو حاصل ہوا کسی قطب شاہی حکمران کو نہ ملا لیکن ایک ہی شخص کو دنیا کے تمام کمالات اور قدرت کے جملہ عطیے نہیں بخش دیے جا سکتے۔ یہ قانون فطرت کے خلاف ہے۔ اور محمد قلی کی ذات اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی عیش و عشرت کی زندگی نے اس کی صحت پر برا اثر ڈالا اور اس کی رندی و بے باکی نے اس کو اپنی صحت کی طرف سے



سلطان سکندر عادل شاہ
۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۷



سلطان علی عادل شاہ ثانی
(شاہی)
۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ

ہمیشہ لاپرواہ رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کثرت عشرت و شراب نوشی کی وجہ سے کمزور ہو گیا۔ اور کمزوری بیماریوں کی میزبان ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے آباواجداد کے مقابلے میں لاغر اور ضعیف نظر آتا ہے۔ اگرچہ تاریخیں اس کی بیماریوں کے تذکرے سے خالی ہیں لیکن اس نے اپنے کلام میں کئی جگہ اپنی علالت کا ذکر کیا ہے اور شفا کے کلی نصیب ہونے کیلئے دعائیں کی ہیں۔

کبھی وہ کہتا ہے کہ "اے خدا اپنے نبی کے صدقے میں قطب شاہ پر لطف و کرم کر کے اس کے دکھ درد کو دور کر اور آرام اور شفا بخش"

ایک وقت وہ یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے لیتا ہے کہ اے قطب شاہ تجھے کسی اور ذریعہ سے تو شفا ہوتی نظر نہیں آتی اس لئے نوبتی کے لنگر میں لنگر دار بن جا کیونکہ شاید اسی کے طفیل میں تجھ کو ایسی شفا حاصل ہو جائے جو دوسرے علاجوں کے ذریعے سے حاصل کی ہوئی ہزاروں اور لاکھوں شفاؤں کے برابر ہو۔

ایک اور موقع پر وہ حضرت علی کی مدح میں لکھتا ہے کہ اے امیرالمومنین تمھارے اوصاف بیچارے شاعروں کی شاعری کے ذریعے سے کیا ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اور میں تو شاعر سے زیادہ تمھارا بندا ہوں تم اپنے کرم سے میرا علاج کرو۔

محمد قلی کے دیوان میں جو غزل سب سے پہلے درج ہے اس میں بھی اس نے اپنی اسی صحت سے محرومی کا بڑی حسرت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ غزل حمد باری تعالیٰ میں لکھی گئی ہے اور اس کے ایک شعر

معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنی صحت سے ایک گونہ مایوسی ہو چکی تھی اور ہر طرح کی کامگاریوں اور خوشیوں کے باوجود علالت کی وجہ سے وہ اپنی قسمت کو حقیر سمجھنے لگا تھا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

اپن بخت حقیرے نکیے کدہیں دل میں نہ کر غم ۔۔۔ تجھے دارو ئے صحت سوں شفا جام دیوے گا

یعنی اے محمد قلی تو اپنی اس بدقسمتی کی وجہ سے اپنے دل کو غمزدہ نہ ہونے دے کیونکہ خدا میں بڑی قدرت ہے وہ ضرور دارو ئے صحت بھر کر تجھ کو شفا کا پیالہ پلائے گا۔

اس کے دوسرے شعر یہ ہیں ؎

صدقے نبی کے قطب کوں اپ لطف دیا تجھے ۔۔۔ دکھ درد بہی دور کر ہور سکھ شفا بخش

نبی لشکر میں لشکر دار ہو کر رہ معانی ۔۔۔ کہ لشکر داری میں تج کوں ہزاراں لک شفا ئے

شاعراں بیچارے تیرا وصف کہنے کاں سکیں ۔۔۔ میں بندا عاجز ہوں تم دارو کرو درماں ستی

بیماری کے اسی احساس کی بنا پر وہ بار بار اپنی درازی عمر کی دعا کیا کرتا تھا اس کا کلیات اس قسم کی دعاؤں سے بھرا پڑا ہے۔ اس نے اپنی متعدد نظموں کے آخری شعر صحت و عمر ہی کی دعا کے لئے وقف کر دیے ہیں۔ یہاں نمونے کے طور پر صرف چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

سدا توں راج کر قطبا انند کا ساج کر قطبا ۔۔۔ نبی کا کاج کر قطبا کہ تج بخشا نہارے ہیں

نبی کی دعا تھے قیامت لگ تم ۔۔۔ گنا دو نبی کے سو مولود لاکھاں

صدقے نبی کے قطبا جم جم خوشی انند سوں ۔۔۔ لک سال اچھ کہ اس تجھے ہے عیش شمع روشن

صدقے نبی کے سور چند رتا اچھے گگن — پت بیت سوں قطب کرو سولاکھ سال عید

نبی صدقے قطب لک برس جی توں — کہ نج تھے پاوے نت جیو دان بکرید

سدا جگ میں جیو شہ کر سکل حوراں کیاں سجدہ — ملک آمین کہہ کہہ رب دعا سوں ہت اچائے ہیں

قطب شہ کوں مبارک کر دیا سوں بجستن دایم — حیات ہور بخت و دولت سوں خضر نبی جلاتے ہیں

اباداں کر ملک ہیر اسو توں — بسا سو توں دے میر اس پا سیمیح

محمد قطب شہ ہور اس پری کوں — خدا یا رکھ چداں لک ہیں ستارے

صدقے نبی اعلیٰ محل میں قطب شہ جم جم اچھو — جب لک اچھے اسمان پر، چند سور زہرہ مشتری

ان متفرق اشعار کے علاوہ ایک مکمل نظم درازی عمر کے لئے دعا کے طور پر لکھی گئی ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے

سبحان کے بھومان سوں جیو تمیں راجے سدا — جم جم جیو و بہت منت سوں آنند خوشیاں کا سدا

وفات

آخر وہ روز آ ہی گیا جس کو دور سے دور تر رکھنے کے لئے محمد قلی قطب شاہ دعائیں مانگا کرتا تھا۔ کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے اس کے جسم کو گھن سا لگ گیا تھا۔ آخر کار ماہ رمضان ۱۰۲۰ھ میں وہ بیمار پڑا۔ اور ڈھائی مہینے[1] تک بخار کا سلسلہ جاری رہا۔ روز بروز اس میں شدت ہوتی گئی[2]۔ بادشاہ کی علالت اور نزاکت مزاج کا حال سن کر اس کے میر جملہ

---

[1] محبوب الزمن جلد دوم صفحہ ۷۴۹ -

[2] " از سموم حرارت تن بر بستر ناتوانی نہاد " تاریخ ظفرہ صفحہ ۲۱

مرزا محمد امین نے میدان جنگ کا خیال ترک کر کے حیدر آباد کا رخ کیا۔ لیکن محمد قلی تو دنیا ہی کو ترک کر رہا تھا۔ آخری دو روز میں اس کے مرض نے ایسی شدت اختیار کر لی کہ حد درجہ ضعف ہو گیا[1] اور پھر وہ سنبھل نہ سکا۔ غرض ہفتہ کی صبح میں بتاریخ ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۲۰ھ[2] اس کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں اور وہ صرف ۴۸ سال کی عمر میں دنیا اور اس کی عشرتوں اور کامرانیوں کو اپنا سوگوار چھوڑ گیا۔ تمام ملک اس جواں مرگ باذشاہ کا ماتم کرنے لگا کہ ؎

دریغ آں شہنشاہ ہندوستاں — جم تاج بخش و ممالک ستاں

دریغ آں کہ دیگر نہ بیند سپہر — نظیرش در آئینۂ ماہ و مہر (حدیقۃ العالم صفحہ ۲۶۰)

قطعات تاریخی | ماثر دکن میں اس کی وفات کی حسب ذیل تاریخ لکھی ہے۔

محمد رفت چوں از دار فانی — وصال آں شہ دیں سال فیاض

ز قطب آں فضل و فضل عام جستم — دگر بارہ زعالی جاہ فیاض[2]

قدیم تاریخوں میں یہ قطعہ تاریخ درج ہے اور اس میں محمد قلی کے تخلص معانی کی بھی رعایت رکھی گئی ہے ؎

ماہ تمام ملک بزیر نقاب شد — آب حیات خلق دریغا سراب شد

سرو سے زبوستانِ معانی فرو شکست — برجے ز آسمانِ مکارم خراب شد[3]

---

[1] "دو سہ روز مرض آنچناں قوی گشت کہ مزاج مبارک بضعف کلی گرائید" حدیقۃ العالم صفحہ ۲۶۰

[2] ماثر دکن صفحہ ۹۱ [3] تاریخ ظفرہ صفحہ ۲۱ و محبوب الزمن جلد دوم صفحہ ۷۴۹ ۔

علی ابن طیفور نے محمد قلی کی تاریخ وفات اس طرح نکالی تھی ؎

سال تاریخ فوت او جستیم — گفت رضواں کہ بادشاہ بہشت[1]

عمر انتقال کے وقت محمد قلی قطب شاہ کی عمر صرف سینتالیس سال دو مہینے کی تھی۔ لیکن تعجب کا مقام ہے کہ اکثر تاریخوں میں اس کی عمر انچاس سال بتائی گئی ہے۔[2] وہ ۱۴ رمضان ۹۷۳ھ کو پیدا ہوا اور سترہ ذیقعدہ ۱۰۲۰ھ کو وفات پائی۔ اس طرح ۱۴ رمضان ۹۷۳ھ کو قمری مہینوں کے حساب سے اس نے سینتالیس سال ختم کئے تھے اور اڑتالیسویں میں قدم رکھا تھا کہ بیمار پڑ گیا۔ شمسی مہینوں یعنی عیسوی یا فصلی سال کے لحاظ سے تو محمد قلی کی عمر وفات کے وقت اور بھی کم قرار پاتی ہے۔ اسی طرح زمانہ حکومت بھی اکثر تاریخوں میں غلط ہے یعنی چونتیس سال آٹھ ماہ اور اس کی قبر کے کتبے پر اکتیس سال لکھا گیا ہے۔ حالانکہ محمد قلی نے صرف بتیس سال چھ مہینے اور ۲۶ دن حکومت کی۔[3]

۱؎ حدائق السلاطین ورق ۱۱۴ ب

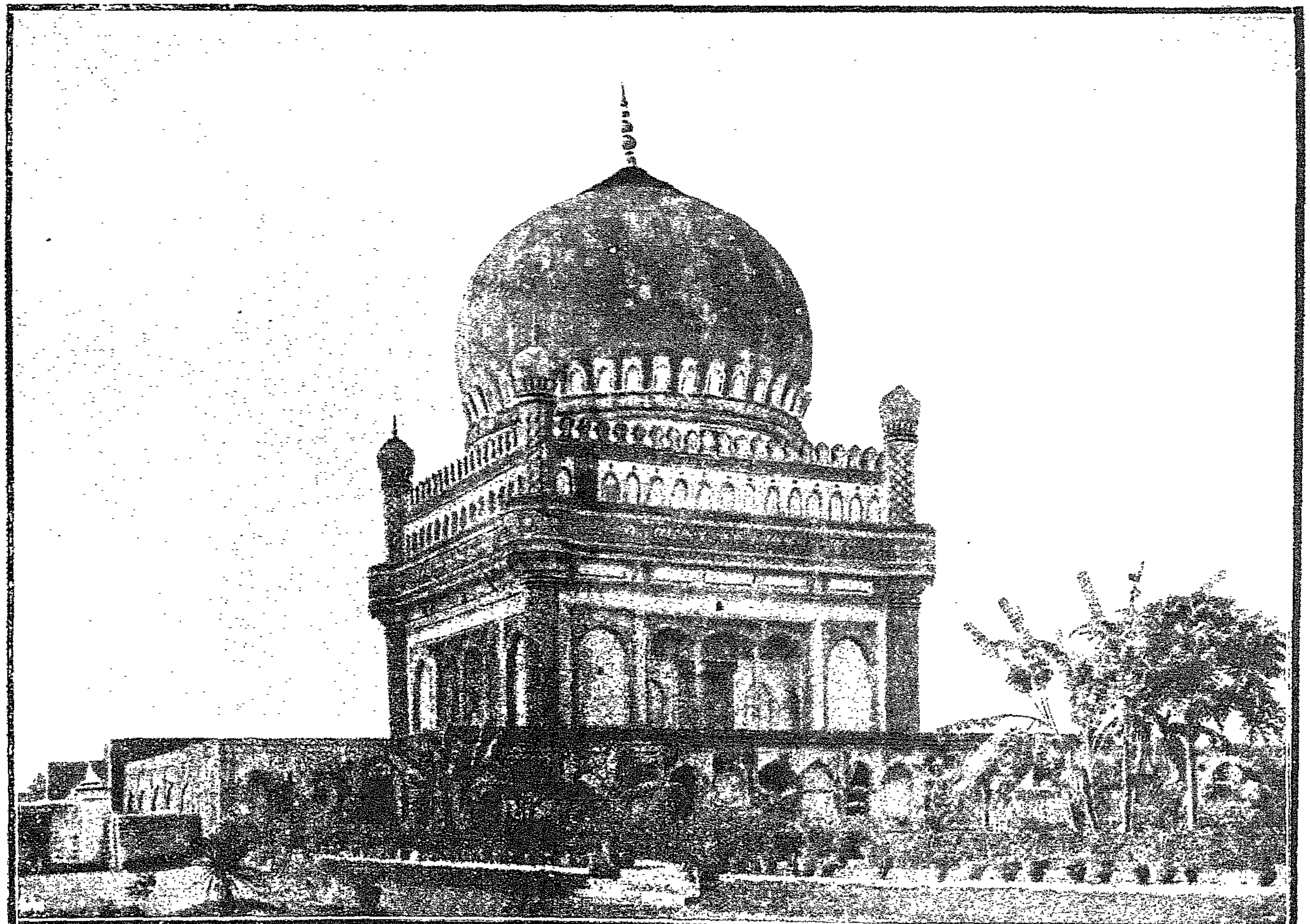
۲؎ (۱) تاریخ قطب شاہی (۲) حدیقۃ العالم صفحہ ۲۶۰۔ (۳) تاریخ ظفرہ صفحہ ۲۱۔ (۴) گلزار آصفی ۲۹ (۵) تاریخ دکن حصہ دوم سلسلہ آصفیہ صفحہ ۳۲۲۔ (۶) مآثر دکن صفحہ ۹۱۔

۳؎ کہا جاتا ہے کہ محمد قلی کو شاہی سراپا اور تاج پہنا کر دفن کیا گیا تھا جس کی بنا پر دفینوں اور خزانوں کے بعض شائقین نے تہہ خانے میں اس کی قبر کھولنے کی کوشش کی تھی لیکن تعویذ کے نیچے ایسے بڑے بڑے پتھر جمائے گئے ہیں جن کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا مشکل ہے۔

محمد قلی کا گنبد

محمد قلی نے شہر حیدرآباد کی سر بفلک عمارتوں کے علاوہ اپنے لئے ایک عالیشان گنبد بھی اپنے آباواجداد کے گنبدوں کے قریب بنوالیا تھا۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ جس طرح وہ اپنے خاندان میں سب سے بڑھ کر عظیم المرتبت حکمران تھا اسی طرح اس کا گنبد بھی مقابر سلاطین قطب شاہیہ میں سب سے زیادہ عظیم الشان ہے۔ یہ گنبد جس چبوترے پر واقع ہے وہ زمین سے ۱۳ فٹ ۶ انچ بلند ہے۔ اور اس کا ہر ضلع ۲۰۰ فٹ طویل ہے۔ اس چبوترے کے اوپر اور ایک چبوترہ ہے جس کا ہر ضلع ۱۲۶ فٹ ۳ انچ طویل ہے۔ اس اوپر کے چبوترے کے درمیان مقبرہ بنایا گیا ہے جس کے بیرونی حصے کا ہر ضلع ۱۷ فٹ ۳ انچ طویل ہے۔ اس کے ستونوں کی بلندی ۲۲ فٹ ہے۔ مآثر دکن میں صفحہ ۹۱ پر اس کی پوری تفصیل درج ہے۔ گنبد میں داخل ہونے کے لئے جنوب و مشرق دونوں طرف ۲ دو دروازے ہیں۔ بادشاہ کی اصلی قبر نیچے تہہ خانے میں ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے اوپر اور نیچے دونوں طرف سے راستے ہیں۔ دوسرے قطب شاہی بادشاہوں کے تہہ خانے بند ہیں۔ گنبد میں اوپر جو تعویز سنگ سیاہ کا مصفّٰی بنا ہوا ہے اس پر کلمہ آیت الکرسی، اور درود و شعر یعقیدہ کے علاوہ حسب ذیل عبارت کندہ ہے :۔

"اعلیٰحضرت جنت مکانی عرش آشیانی محمد قلی قطب شاہ بن ابراہیم قطب شاہ انار اللہ برہانہما۔"



گنبد سلطان محمد قلی قطب شاہ

بتاریخ روز شنبہ ہفدہم ماہ ذوالقعدۃ الحرام سنہ ۱۰۲۰ عشرین والف ہجری برحمت حق واصل شد۔

سن شریفش چہل و نہ سال و مدت سلطنتش سی و یک سال رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ کاملۃ"

یہ کتبہ محمد قلی کے جانشین سلطان محمد قطب شاہ نے لگوایا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ اس میں محمد قلی قطب شاہ کی عمر اور مدتِ سلطنت دونوں تاریخی نقطۂ نظر سے غلط ہیں کیونکہ ابراہیم قطب شاہ نے ۲۱ ربیع الثانی ۹۸۸ھ میں انتقال کیا اور محمد قلی تخت نشین ہوا۔ اس طرح ۷ ذیقعدہ ۱۰۲۰ھ تک ۳۲ بتیس سال ۶ چھ مہینے ۲۶ چھبیس دن ہوتے ہیں۔

محمد قلی کا گنبد اس قدر بلند ہے کہ دور دور سے نظر آتا ہے۔ اس کا چبوترہ نہایت وسیع اور پر فضا ہے۔ اور دوسرے گنبدوں کی طرح چاروں طرف سے مقبروں اور درختوں سے گھرا ہوا نہیں ہے بلکہ مشرق کی طرف تو اس سے ملحق کئی فرلانگ تک مسطح میدان واقع ہے جس کی وجہ سے یہ چبوترہ ایک عام تفریح گاہ بن گیا ہے۔ اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ سیر و تفریح کرنے والوں کی ٹولیاں وہاں نہ جمع ہوتی ہوں واقعہ یہ ہے کہ محمد قلی کے گنبد پر مقبروں جیسی اداسی یا بھیانک پن نظر ہی نہیں آتا۔

کہا جاتا ہے کہ جب اورنگ زیب نے قلعہ گولکنڈہ پر حملہ کیا تو اس گنبد پر بھی توپیں

چڑھادی تھیں کیونکہ کافی بلند اور وسیع ہونے کی وجہ سے یہ ایک اچھے مورچہ کا کام دے سکتا تھا اس گنبد کی توپوں کے گولے جب قلعہ میں پہنچنے لگے تو اہل قلعہ نے بھی ان کا جواب دیا مگر جب محمد قلی کے آخری نام لیوا ابوالحسن تاناشاہ کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے گنبد کو نشانہ بنانے سے منع کر دیا اور کہا کہ ہم جن کی سلطنت کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں ان کے گنبد کو کیونکر مسمار کر سکتے ہیں۔ یہ روایت صحیح ہو یا نہ ہو اتنا ضرور ہے کہ گنبد محمد قلی کے اس پہلو پر جو قلعہ گولکنڈہ کے مقابل ہے شکست وریخت کے چند نشانات اب تک پائے جاتے ہیں۔

جب تک قطب شاہی سلطنت باقی رہی محمد قلی کا عرس دھوم دھام سے ہوتا رہا۔ اسکی قبر کے اطراف روزانہ متعدد حفاظ تلاوت قرآن مجید میں مصروف رہتے تھے۔ قبر پر اطلسی چادر اور پھول چڑھائے جاتے تھے۔ زربفت کا شاہی شامیانہ طلائی ڈنڈوں پر تانا جاتا تھا۔ روشنی کا ایک عالیشان جھاڑ درمیان میں اور اس کے اطراف کئی چراغ دن رات روشن رہتے۔ بادشاہ کی کتابیں رحلوں پر رکھی رہتیں جن میں سے اکثر قرآن اور تفسیر اور دیگر مذہبی موضوعوں سے متعلق تھیں۔ گنبد میں چاروں طرف قیمتی قالینوں کا فرش ہوتا۔ اور اوپر کلس پر زرین ہلال لگا ہوا تھا جو بادشاہ کے گنبد کی علامت تھی۔[1]

---

[1] گولکنڈہ کے شاہی مقبروں کے تفصیلی حالات مشہور فرانسیسی سیاح موسیو تھیونو نے اپنے سفرنامے میں لکھے ہیں۔ یہ سیاح محمد قلی کی وفات کے پچپن سال بعد حیدرآباد آیا تھا۔ اس سفرنامہ کا ترجمہ سلسلہ آصفیہ کی جلد دوم کے طور پر شمس العلما سید علی بلگرامی کی نگرانی میں کیا گیا اور ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا تھا۔

اگرچہ یہ رونق اور اہتمام اب باقی نہیں رہا لیکن گولکنڈہ کے اطراف واکناف کے گاؤں کے اکثر لوگ زیادہ تر عورتیں ہر سال خاص خاص دنوں میں محمد قلی قطب شاہ کے مقبرے کی زیارت کو جوق درجوق آتے ہیں۔ اور ملیدہ اور جلیبیاں اپنے ساتھ لا کر یہاں فاتحہ دلواتے اور تقسیم کرتے ہیں۔ اس طرح تلنگانہ کے اس مشہور ہیرو، بھاگ متی کے سچے عاشق، اور دکن کے ہند قومی تمدن کے بانی کی یاد اب تک تلنگانہ کے غریبوں کے دل میں باقی ہے۔

محمد قلی کی نیکیاں دنیا کا یہ عجیب دستور ہے کہ کسی کی وفات کے تذکرے کے ساتھ ہی اس کی خوبیاں یاد آجاتی ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ کے بیان کے خاتمے پر بھی تمام مورخوں نے اس کی نیکیوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور چونکہ ان میں سے بعض کا ذکر ہمارے گزشتہ عنوانات کے تحت نہ آسکا تھا اس لیے ہم بھی یہاں قدیم مورخوں کی تقلید پر مجبور ہیں۔

محمد قلی کی سب سے اہم نیکی اس کی فیاضی اور داد و دہش تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ رقم عمارتوں کی تعمیر میں صرف کی۔ چنانچہ ناظر الملک میر ابوطالب جو اس کے دربار کا خاص انجینیر تھا محمد قلی قطب شاہ کی عمارتوں کے اخراجات ستر لاکھ ہون بتاتا ہے جو عہد حاضر کے تقریباً پانچ کروڑ روپیوں کے برابر ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ کی ان تعمیری دلچسپیوں کی وجہ سے رعایا کا وہ طبقہ کتنا خوش حال نہ ہو گیا ہو گا جو مزدور پیشہ تھا۔

ہر سال محرم میں محمد قلی قطب شاہ لنگر ائمہ اثنا عشر کے سلسلے میں ساٹھ[6] ہزار ہون خرچ کرتا تھا

یہ کثیر رقم مجاوروں اور خادموں کے وظائف اور ایام عاشورہ کے پکوان میں صرف ہوتی تھی۔ ہزارہا غریب اور مفلس لوگ محرم میں خوشحال ہو جاتے اور سال بھر کی مصیبتوں اور تکلیفوں کو بھول جاتے تھے۔ اس طرح اس نے اپنے دور حکومت میں صرف محرم کے لنگر میں ایک کروڑ چونتیس لاکھ چالیس ہزار روپے صرف کئے۔ مذکورہ رقم کے علاوہ ایام عاشورہ کے ختم پر مستحقوں اور مسکینوں میں زر عاشوری کے نام سے ہر سال بارہ ہزار ہون تقسیم کر دیے جاتے تھے۔ گویا محمد قلی نے زرِ عاشوری کے طور پر چھبیس لاکھ اٹھائیس ہزار روپے غریبوں اور مستحقوں کو عنایت کیے۔

تعمیر و محرم کے اخراجات کے علاوہ ہر سال ایک لاکھ ہون عید میلاد النبی کے جشن میں بارہ روز کے اندر صرف ہوتے تھے۔ اس عید کے اہتمام اور شان و شوکت کا بیان گزر چکا ہے۔ محمد قلی نے اپنے عہد حکومت میں عید میلاد النبی کے انعامات، طعام اور خوشبو وغیرہ کے سلسلے میں مبلغ دو کروڑ چوبیس لاکھ روپے خرچ کئے۔ اور اس کے علاوہ اتنی ہی رقم خیرات اور صدقے کے طور پر مسکینوں اور مستحقوں کو عنایت کی جاتی تھی۔

اس طرح گیارہ کروڑ روپے کا حساب تو تاریخوں میں صاف طور پر درج ہے۔ اس رقم کے علاوہ محمد قلی نے موقع بموقع جو انعامات عطا کئے یا خیرات دی اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا یہ معلوم ہے کہ وہ مقامات مقدسہ (مثلاً مکہ، مدینہ، نجف، کربلا، مشہد اور دیگر شہروں) کے غربا اور مجاوروں کے لئے التزام کے ساتھ ہر سال کپڑے اور نقد روپیہ روانہ کیا کرتا تھا۔

خود شہر حیدرآباد میں کوئی حاجتمند ایسا نہ تھا جو محمد قلی کی بارگاہ میں پہنچتا اور بے نیل ومرام واپس ہوتا۔ رعایا میں جب کسی کے یہاں شادی اور ختنہ کی تقریب منائی جاتی اگر وہ بادشاہ کو اس کی اطلاع کراتا تو فوراً انعام واکرام سے سرفراز ہوتا۔ بیرون مملکت سے جو لوگ حیدرآباد آتے ان کو وطن واپس جانے کے لئے کافی رقمیں دیجاتیں اور حسب حیثیت خلعت سے سرفراز کیا جاتا۔

محمد قلی کے عہد میں محصول اجناس کے طور پر دو لاکھ ہون یعنی چودہ لاکھ روپے سالانہ وصول ہوا کرتا تھا اور برہمن اس رقم کی وصولی میں رعایا کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتے تھے اس لئے تخت نشینی کے بعد چند ہی سال کے اندر محمد قلی نے یہ محصول معاف کردیا اور رعایا برہمنوں کے ظلم وستم سے محفوظ ہوگئی۔ اس طرح محمد قلی کی دریا دلی اور رعایا پروری نے حکومت کو تقریباً چار کروڑ روپے کی آمدنی سے محروم کردیا۔

ایک اور خصوصیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ محمد قلی نے اپنی تمام زندگی میں کسی کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ اور اگر کبھی کوئی ایسا مقدمہ پیش بھی ہوا تو اس کو دارالقضا کے سپرد کردیا تاکہ احکام شرع کے موافق وہاں سے تصفیہ کردیا جائے۔

محمد قلی کے دسترخوان کی بھی بڑی شہرت تھی اور کہا جاتا ہے کہ ہر وقت ایک ہزار آدمی اس کے دسترخوان پر موجود ہوتے اور کسی کو روک ٹوک نہ تھی۔ چنانچہ اکثر مسافر اور سیاح اس شاہی دسترخوان سے فیض یاب ہوتے تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محمد قلی قطب شاہ نے اپنے قلب و دماغ کی غیر معمولی خوبیوں کی وجہ سے تاریخ عالم میں اپنے لئے ایک خاص جگہ پیدا کر لی ہے۔

آٹھواں حصّہ

یوں تو محمد قلی قطب شاہ تین سو چالیس سال قبل ہی فوت ہو چکا لیکن صحیح معنوں میں وہ اب تک زندہ ہے، اور اُس وقت تک زندہ رہے گا جب تک کہ اُردو زبان دنیا میں موجود ہے۔

وہ اردو کا پہلا محسن تھا، اور اُس نے اس زبان کی اس وقت دستگیری کی جب کہ وہ اس کی بہت محتاج تھی۔ محمد قلی نے اردو پر وہ احسان کیا ہے جو بعد کے کسی بادشاہ یا شاعر سے نہ ہو سکا۔ اس نے نہ صرف اردو شاعروں اور ادیبوں کی قدر افزائی کی بلکہ خود بھی اُردو کا ایسا رسیا تھا کہ اس زبان میں پچاس ہزار شعر لکھے۔ گویا بارہ۱۲ سال کی عمر کے بعد سے اوسطاً ہر روز اس نے چار پانچ شعر ضرور لکھے ہوں گے۔

اس کے اردو کلام کی گوناگونی اور وسعت سے پتہ چلتا ہے کہ کاروبار سلطنت کے بعد اگر اس کو کسی چیز سے دلچسپی تھی تو وہ اردو شعر و سخن تھا کیونکہ یہی اس کے عشق و عاشقی کے جذبات اور عیش و عشرت کے بہترین ترجمان ثابت ہوئے تھے۔

اس حِصّہ کے مطالعہ سے محمد قلی کے اردو کلام کی مقبولیت اور اس کی چند اہم خصوصیتوں کا اندازہ ہو سکے گا کیونکہ اس میں اس بادشاہ شاعر کے کلام کے کچھ نمونے بھی درج کر دئے گئے ہیں۔

کلیّاتِ اُردو

محمد قلی قطب شاہ اپنے بعد جو عظیم الشان یادگاریں چھوڑ گیا ان میں سب سے زیادہ اہم اور پائیدار اس کا اردو کلام ہے۔ اس کی بنائی ہوئی پتھر چونے اور اینٹ کی اکثر عمارتیں صفحۂ ہستی سے نابود ہو گئیں۔ صرف حیدر آباد کا چار مینار، جلوخانہ عالی کی چار کمانیں، بادشاہی عاشور خانہ، دار الشفا، اور محمد قلی کا گنبد دستبرد ایام سے بچ گئے۔ لیکن نہ معلوم ان کی عمر بھی اب کتنی رہ گئی۔ اس کا صرف ایک ہی کارنامہ ایسا ہے جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا اور ہر جگہ کے اہل علم اس سے مستفید ہو سکیں گے اور وہ اس کا کلیات ہے۔

یہ گنجینۂ ادب بھی عرصہ تک علم و فضل کے خاص خاص خزانوں ہی میں محفوظ رہا لیکن یہ ایسی چیز نہ تھی کہ ہمیشہ چھپی رہتی۔ اردو ادب کی متوالی آنکھیں ہر وقت اس کی تلاش میں رہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ جس کو یہ متاع بیش بہا ہاتھ لگی اس نے اس کو ایسا عزیز رکھا کہ دوسروں کی پرچھائیاں بھی پڑنے نہ دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ کلیات عوام کی نظروں سے اتنا اوجھل ہو گیا کہ ہر شخص اس کے متعلق عجیب عجیب قیاس آرائی کرنے لگا۔ کسی نے اس کو

برج بھاشا زبان کا کلام قرار دیا اور کوئی اس کو محمد قلی کے سوا کسی اور شاعر معانی کا کلام سمجھتا رہا حالانکہ وہ ٹھیٹ اردو کلام ہے اور خود محمد قلی قطب شاہ کا نتیجۂ قلم۔ کیونکہ قطب کے علاوہ محمد قلی کے کئی اور تخلص بھی تھے جن میں معانی سب سے زیادہ اس نے استعمال کیا ہے۔

محمد قلی کا اردو کلام اس کی زندگی میں اور اس کے بعد بھی ہمیشہ مقبول رہا۔ لوگوں کو اس کی نظمیں زبانی یاد تھیں اور اب بھی دیہاتی عورتیں مختلف تقریبوں میں اس کے اشعار گاتی ہیں اس کے علاوہ اس کے کلیات کی کئی نقلیں بھی کی گئی تھیں جو بعد کو ہندوستان کے

کلیات کے نسخے

مختلف حصوں میں منتشر ہو گئیں چنانچہ اس وقت تک کلیاتِ محمد قلی کے آٹھ نسخوں کا پتہ چل سکا ہے۔

۱۔ نسخہ کتب خانہ شاہانِ اودھ لکھنؤ

۲۔ " " ٹیپو سلطان میسور

۳۔ " " ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

۴۔ " " آصفیہ حیدرآباد

۵۔ " " نواب سالار جنگ بہادر حیدرآباد

۶۔ " " " " " "

۷۔ ایک قدیم نسخے کے مختلف اوراق

" "

۸۔ نسخۂ کتب خانہ آقا حیدر حسن صاحب

ان میں سے موخرالذکر چار نسخے مصنف کے زیر استعمال رہے ہیں۔ ان آٹھوں نسخوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ نسخہ کتب خانہ شاہانِ اودھ

اس کتب خانہ کی فہرست اسپرنگر نے مرتب کی تھی جو ۱۸۵۴ء میں شایع ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہان اودھ کو جو نسخہ دستیاب ہوا تھا وہ جملہ تیرا سو آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ جس میں فی صفحہ ۱۴ سطریں تھیں۔ اور جس کی ترتیب حسب ذیل تھی۔

۱۔ مثنویاں ۳۳۶ صفحات۔ فی صفحہ ۱۴ بیتیں۔ جملہ چار ہزار چھ سو چوالیس بیتیں۔

آغاز صفت کوں (کہوں) اس یکتائے سبحان کا   کہ ناطق اپے حق ہے قرآن کا
خود جو

۲۔ قصیدے۔ ترجیع بند اور مرثیئے۔ ۱۰۰ صفحات

آغاز ع   جو بسم اللہ کر مطلع کہیا ہے ذات اس یکتا

۳۔ غزلیں ۸۶۰ صفحات

۴۔ رباعیاں ۱۲ صفحات

آغاز ع   دلا اننگ خدا کن کہ خدا کام دوے گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلیات نامکمل تھا۔ کیونکہ

ا۔ اس میں زیادہ سے زیادہ ۱۸۳۱۲ شعر ہوں گے بشرطیکہ فی سطر ایک شعر درج ہو۔
حالانکہ سلطان محمد قلی قطب شاہ مرتب کلیاتِ محمد قلی نے پچاس ہزار شعر جمع کئے تھے۔

ب۔ کتب خانۂ آصفیہ میں جو دیوان موجود تھا وہ اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل تھا۔

۲۔ نسخہ کتب خانہ ٹیپو سلطان

اس کتب خانہ کی فہرست اسٹوارٹ نے مرتب کی تھی۔ یہ نسخہ زوال ٹیپو سلطان کے بعد ایسٹ انڈیا آفس کو منتقل کر دیا گیا۔ اس کے متعلق گارساں دتاسی نے اپنی "تاریخ زبان و ادب ہندوستانی و ہندوی" جلد اول صفحہ ۳۹۸ مطبوعہ ۱۸۷۰ء) میں لکھا ہے کہ یہ ایک ضخیم خوبصورت جلد ہے جو سلطان محمد قطب شاہ کے لیے ۱۰۲۲ھ میں لکھی گئی ہے اس کی ترتیب حسب ذیل ہے

۳۳۶ صفحات مثنویوں کے (۱۴ ابیات فی صفحہ)

۱۰۰ صفحات قصیدوں، ترجیع بندوں، اور مرثیوں کے

۸۶۰ صفحات غزلوں کے

۱۲ صفحات رباعیوں کے

معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان کا نسخہ اور شاہان اودھ کا نسخہ دونوں بالکل ایک دوسرے کی نقل تھے۔ اور یہ ممکن ہے کہ خود سلطان محمد نے ۱۰۲۲ھ تک جو کچھ کلام جمع کیا تھا اس کے کئی نسخے نقل کرائے تھے تاکہ اپنے چچا کا کلام تلف نہ ہونے پائے۔ لیکن ان نسخوں کی ترتیب کے بعد

وہ خاموش نہ رہا بلکہ اور کلام جمع کرتا رہا یہاں تک کہ ۱۰۲۵ھ میں ایک مکمل کلیات جمع کر کے اپنے خطبہ کے ساتھ مرتب کر لیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

۳۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا نسخہ

اس نسخے کا ذکر اسپرنگر کے کیٹلاگ مذکورۂ بالا میں ملتا ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ ایشیاٹک سوسائٹی میں اس کلیات کا نمبر ۲۱ ہے اور یہ نہایت عالیشان نسخہ ہے جو مصنف کے جانشین کے لئے ۱۰۳۲ھ میں لکھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی تفصیل نہیں لکھی۔

ممکن ہے کہ یہ نسخہ بھی متذکرۂ بالا تین نسخوں کے مطابق ہو افسوس ہے کہ اس کے متعلق اور کوئی علم نہ ہو سکا۔

۴۔ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد

اس نسخہ پر مولوی عبدالحق صاحب نے ایک تفصیلی مضمون رسالہ اردو بابت ۱۹۲۲ء میں لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اٹھارہ سو صفحوں پر مشتمل تھا اور اس پر خود سلطان محمد قطب شاہ کے دستخط تھے۔ یہی نسخہ اس وقت مکمل ترین سمجھا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ اب کتب خانہ آصفیہ میں موجود نہیں ہے۔ اس کے متعلق مولوی عبدالحق صاحب کی تحریر سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں :۔

"یہ کلیات ایک نہایت قابل قدر اور نادر نسخہ ہے۔ بڑی تقطیع اور اعلیٰ درجہ کے قدیم کاغذ پر

بخط نسخ بہت خوشخط لکھا ہوا ہے۔ کتاب بہت ضخیم ہے۔ تقریباً اٹھارہ سو صفحے ہوں گے۔ اسے محمد قلی قطب شاہ کے جانشین اور بھتیجے محمد قطب شاہ نے بڑے اہتمام اور خلوص سے ترتیب دیا ہے۔ یہ نسخہ شاہی کتب خانہ کا ہے اور ہر ورق پر خود محمد قطب شاہ کے قلم کی لکھی ہوئی تحریر ہے ...... ورق کے سرے پر جو عبارت لکھی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نسخہ خاص کتب خانۂ شاہی کا ہے ان دو عبارتوں کے درمیان محمد قطب شاہ کی مہر ہے۔ مہر کی تحریر پڑھنا ذرا مشکل ہے .... کتابت کا سنہ خود قطب شاہ نے اپنی تحریر میں ۱۰۲۵ھ بتایا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اورنگ زیب نے حیدر آباد فتح کیا تو شاہی کتب خانے سے بعض کتابیں دوسرے مال غنیمت کے ساتھ دلی چلی گئیں اور وہاں کے شاہی کتب خانہ میں داخل ہو گئیں۔ اور جب دلی پر آفت آئی اور وہاں کا کتب خانہ برباد و غارت ہوا تو یہ کتاب پھرتے پھراتے کلکتہ پہنچی اور کلکتہ سے آخر پھر اپنے اصل مقام یعنی حیدر آباد پہنچ گئی ....

کلیات کے شروع میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کے بھتیجے اور جانشین سلطان محمد قطب شاہ نے ایک منظوم دیباچہ لکھا ہے۔ اس دیباچے میں اول اس نے یہ بتایا ہے کہ ان نظموں کو کس ترتیب سے درج کیا گیا ہے یعنی اول مثنویاں، پھر قصیدے، اسکے بعد ترجیع بند، ترجیع بند کے بعد فارسی مرثیے، اس کے بعد دکنی مرثیے، دکنی مثنویوں کے بعد فارسی غزلیں، فارسی غزلوں کے بعد دکنی غزلیں، اور سب سے آخر میں رباعیات"

رسالہ اردو بابتہ ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء

۵۔ کتب خانہ نواب سالار جنگ بہادر

اس کتب خانے میں جو نسخے ہیں ان میں پہلا نہایت قدیم اور شاہی مصور و مطلا نسخہ ہے اور خود سلطان محمد قلی قطب شاہ کی زندگی میں غالباً اسی کے حکم سے لکھایا گیا تھا۔ اس کے سرلوح پر لکھا ہے:۔

دیوان اعلیحضرت سلیمانی خلداللہ ملکہٗ

اس کے علاوہ جگہ جگہ لکھا ہے:۔

ولہٗ ایضاً مدظلہ العالی

اس لحاظ سے یہ نسخہ دوسرے تمام نسخوں سے زیادہ قدیم معتبر اور اہم ہے۔ لیکن یہ بھی مکمل نہیں ہے۔ چند ردیفیں اس میں شامل نہیں ہیں اور جلد بندی کے وقت اس کے صفحوں کو آگے پیچھے کرکے بغیر کسی ترتیب کے جلد بنا دی گئی ہے۔ چونکہ صفحوں پر نمبروں کا اندراج نہ تھا اس لئے بے ترتیبی پیدا ہوگئی زیادہ افسوس اس امر کا ہے کہ سلسلہ کے بعض صفحات کا پتہ نہیں چلتا معلوم ہوتا ہے کہ درمیان سے تقریباً ہر ردیف کے چند ورق جلد بندی کے وقت چھوٹ گئے۔

اس دیوان میں سلطان محمد قلی نے اکثر جگہ معانی اور صرف چند جگہ قطب یا قطب شہ وغیرہ تخلص استعمال کیا ہے۔ چونکہ معانی تخلص سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شائد دوسرا شاعر ہو اس لئے یہاں یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ معانی اور قطب ایک ہی شاعر کا تخلص تھا۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ کا ابتدائی تخلص معانی تھا۔ بعد کو اس نے قطب یا قطب شہ تخلص کو ترجیح دی۔ اس لئے اس زیر نظر دیوان کی ترتیب کے بعد جو دیوان مرتب ہوئے ان میں ہر جگہ معانی کو نکال کر قطب شہ لکھ دیا گیا ہے۔ اس تبدیلی اور اس کی نوعیت کی بحث اس کتب خانہ کے دوسرے دیوان کے سلسلے میں پیش نظر ہوگی۔

معانی ایک بادشاہ ہی کا تخلص تھا اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اکثر جگہ اس تخلص کے ساتھ بادشاہت اور لوازم شاہی کا ذکر کرتا ہے مثلاً ذیل کے شعر ملاحظہ ہوں:-

۱۔ جم عیش سوں کر راج سکل جگ میں معانی — کیتا ہے ترے دشمناں کا کام خدا تلخ

۲۔ ہمیشہ باد باتو معانی عروس عیش — قلقل کی صوت بجتی ہے مجلس شہانہ کر

۳۔ اے معانی تیرے رازاں تجھے ہوئے آگاہ سب — تاج تو رکھ سر اپر او ہے اماماں کا نشاں
وہ

۴۔ ہزار شکر الٰہی کا کرتا ہوں ہر دم — دمامے فتح کے بجتے معانی شاہ نشاں

۵۔ کہیا تمھاری سیوا معانی کی دولت ہے — کہئے کہ تم بھی سیوا برابر شہا کرو

۶۔ فلک فلاب سوں باندھیا ہے بیڑی — معانی نو دسے شاہ یگانہ

معانی نے بعض جگہ اپنے نام محمد قلی کی طرف بھی اپنے مقطعوں میں اشارہ کر دیا ہے مثلاً ذیل کے مقطعے ملاحظہ ہوں۔ (واضح ہو کہ محمد قلی کے لفظی معنی غلام محمد کے ہوتے ہیں)

۱۔ تم معانی کے گناہاں کا غم کرتے ہیں کی
کیوں — ہیں محمد تا نوں تجھے دو نوں جہاں میانے جگیا

۲۔ معانی تج کوں محمد غلامی ہے شاہی — توں غم نہ کر کہ مناجات میں نجات صریح

۳۔ معانی شکر خدا کر نہ کر توں غم ہرگز — نبیؐ کے ناؤ تھے آتا تجھے خوشی کا سراغ

۴۔ یہ سرفرازی بس ہے دو جگ منے معانی — منج سیس پر لکھا ہے اسم محمدؐ اللہ

۵۔ تج تخلص ہے معانی منی کے گنج سوں بھریا — تو محمدؐ میم تھے پایا دو عالم کا سر پر

معانی نے اپنے قصیدوں میں جہاں کافی وضاحت کی گنجایش ہوتی ہے، اپنی بادشاہت اپنے نام اور اپنے تخلص کو مختلف شعروں میں واضح کر دیا ہے۔ مثلاً عید قرباں کے قصیدے کے حسب ذیل تین شعر قابل ذکر ہیں:۔

تج محمد ناؤں تھے سہتا ہے تاج احمدی — دو بزرگی دیکھ پگ پڑتا ہے خاقاں عید کا

بخت و دولت تخت چوپھر چوک جوڑ ہے سدا — اس خوشی سے رات دن گرچے سو ایواں عید کا

اس قصیدے پر معانی عید جم قربان ہے — نیں کیا ہے آج لگ یوں کوئی درافشاں عید کا

اسی طرح ایک اور قصیدے کے حسب ذیل شعر بھی قابل مطالعہ ہیں جن میں پہلے قطب شہ کا تخلص استعمال کرتا ہے اور آخر یعنی مقطع میں معانی کا:۔

نظر ہے مصطفیٰ ہور مرتضیٰ کا قطب شہ اوپر — کہ دشمن کی پشانی پر لکھے حرف پشیانی

انوں کے دشمناں اوپر ازل سے لعن واجب ہے — اگر ہوئے سمرقندی بخارائی و ملتانی

نزاکت شعر کے فن میں خدا بخشیا ہے توں تج کوں — معانی شعر تیرا ہے کہ یا ہے شعر خاقانی

اب چند ایسے شعر پیش کئے جاتے ہیں جن میں محمد قلی نے اپنے نام یا لفظ قطب کے ساتھ لفظ معانی کی قریب ترین شکلیں استعمال کی ہیں مثلاً :-

اب پچھیے کا قطب معنی حال کیوں
قبلہ کوں اس کام میں بیچانہ کینا

ہر مکیں ہیں مست ہر یک وہات ہے
قطب معنا مست از روزِ الست

مج محمد ناؤں ہے معنی سو بولیا راستی
آؤ خوش یا ناؤ خوش ہے نام میرا آفتاب

آخر میں ہم ایسے مقطعے پیش کر دیتے ہیں جن میں معانی اور قطب دونوں تخلص ساتھ ساتھ استعمال کئے گئے ہیں مثلاً :-

اے قطب معانی کہ ترا قطب خطاب ہے
کر شکر خدا پر کہ قرار ہے سو ستارا

فلک سارے سکل تارے اپن رغبت سوں داس ہیں سب
سدا قطب سعادت کا معانی تج دیا ہے اب

سب دہر نہ کہہ تو قطب معانی کہ عاشق ہوں
اپنے حال نیر الطور سوں فریاد کرتا ہے

اماماں کی دعا ورد ہے دعا کا کوٹ چوگرد ہے
معانی قطب تجہ برد ہے علی کا حب حصاری ہے

قطب زماں معانی بس کر بڈی کی کہانی
شیطان کی ہے نانی اپس کوں آپ جالی

معانی قطب شہ کس دہر نہ کہہ رمز نہاں پیو کا
کہ ہے جو سرِ مجلس کا سو چلا حور دستاب

اس تمام بحث کے بعد اب کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ معانی محمد قلی قطب شاہ ہی کا تخلص تھا اور یہ دیوان محمد قلی کا ابتدائی دیوان ہے۔

اس دیوان میں زیادہ تر غزلیں اور مختصر قصیدے درج ہیں جو غزلوں کی شکل میں ردیف وار درج ہیں۔ مثنویاں، ترجیع بند مرثیے اس میں شامل نہیں۔ یہ اصل میں دیوان ہے۔ کلیات نہیں ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ کلیات بادشاہ کی زندگی میں مرتب ہی نہ ہوا ہو۔ چونکہ یہ سلطان محمد قلی قطب شاہ کا قدیم ترین دیوان ہے اور خود مصنف کی زندگی میں لکھا گیا ہے اس لئے ہم نے اس کو کلیات کے مقدمے میں یا خود کلیات میں نسخۂ قدیم یا حرف ق سے ظاہر کیا ہے اس میں ۳۴۹ غزلیں، قصیدے اور قطعے درج ہیں اور جملہ تعداد اشعار ۱۹۱۸ ہے۔ یہ دیوان مطلا و مذہب اور مصور ہونے کی وجہ سے بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔

اس دیوان کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر ہم اس کی ردیف وار تفصیل اصل ترتیب کے ساتھ معہ قافیہ و ردیف یہاں درج کرتے ہیں۔ (نوٹ صرف پہلے شعر یا مطلع کے قافیے اور ردیفیں درج ہیں)

(۳۶ غزلیں وغیرہ - ۳۴۶ اشعار) پایا - بجایا | آسے نا - یاسے نا

شاب ناب تھا - آفتاب تھا | آیا - پایا | پائیا - چھائیا

کام دیوے گا - جام دیوے گا | کنعاں غم نہ کھا - گلستاں غم نہ کھا | پیارا - اودھارا

پیارا - ہمارا | جا ہی کرن سکتا - شاہی کرن سکتا | ٹھارا - نتارا

گگیا - گیا
وپایا - پایا
موتین پیا - روتین پیا
دوا - شفا
وفا - جفا
کنارا - ہمارا
خدا دیتا - نوا دیتا
پیالا - دالا
سیوا - نیوا
سلطاں عید - ساماں عیدکا
عیدکا - امیدکا
آیا - سنایا
جاں عیدکا - گلستاں عیدکا
بن عیدکا - وطن عیدکا
خوشی کا - عسلی کا

چال کیوں؟ - مے خانہ کنتا
(ناقص الاول)
جام لیبا - مدام لیبا
صبا - بلا
کرتوں؟ - سہایا (ناقص الاول)
یارجانی کا - راز نہانی کا
تاب تھا - آفتاب تھا
جگت سارا - شسر فدارا
یکبارا - ٹھارا
عالم کا - آدم کا
افسانہ کیتا - دیوانہ کیتا

ب

(۱۰ غزلیں وغیرہ - ۱۰۸ اشعار)
کیا ہے اب - ساقیا ہے اب
آے طالب - دلاے طالب
زدرو ستاب - ہورو ستاب

جواب - حجاب
بن میں عجب - گلشن میں عجب
آب - شراب
مستجاب - ثواب
نقاب - باب
شراب - کباب
شراب آلو داب - شاب آلو داب

ت

(۱۶ غزلیں وغیرہ ۱۳۵ اشعار)
دولت - بولت
کام دیت - جام دیت
کجن مست پری مست - گلگن مست پری مست
مست - پرست
لیایا بسنت - آیا بسنت
بہشت - گنشت

پرست ۔ وست
مست ۔ بدست
ہات ۔ بھلات
صحبت ۔ قدرت
شکایت ۔ حکایت
رات ۔ بات
کھلیا بسنت ۔ چھڑکیا بسنت
بات ۔ کھلات

ث

(۸ غزلیں وغیرہ ۔ ۵۶ اشعار)
تبخانہ ہے باعث ۔ میخانہ ہے باعث
کیا حوادث ۔ ہیا حوادث
اچھو وارث ۔ سنو وارث
حارث ۔ وارث
بے غیاث ۔ لے غیاث

مدام بحث ۔ کلام بحث
کھولو حدیث ۔ بولو حدیث
کام عبث ۔ دام عبث

ج

(۹ غزلیں وغیرہ ۔ ۶۷ اشعار)
تابوج ۔ نابوج
آج ۔ حاج
آج ۔ تاج
جاناں کا احتیاج ۔ رضواں کا احتیاج
آج ۔ کاج
خیال کج ۔ خال کج
بالاں کج ۔ ہلالاں کج
دکھو رنج ۔ نکو رنج
رنج ۔ گنج

چ

(۲ غزلیں ۔ ۱۵ شعر)
کچ ۔ رچ
ناچ ۔ پاچ

ح

(۸ غزلیں وغیرہ ۵۵ اشعار)
مباح ۔ نجاح
سوا صبح ۔ دعا صبح
صحیح ۔ قبیح
بات صریح ۔ مات صریح
صبوح ۔ نصوح
دعائے قدح ۔ برائے قدح
سمن مجروح ۔ تن مجروح
چیاروح ۔ دواروح

خ

(۵ غزلیں وغیرہ ۳۶ اشعار)

روئے فرخ ۔ موئے فرخ
شاخ ۔ سنگلاخ
ڈلناگستاخ ۔ ہمناگستاخ
دہن تلخ ۔ سخن تلخ
نواتلخ ۔ حیاتلخ

د

(۱۱ غزلیں ۔ ۹۱ اشعار)

انند ۔ بلند
کلہ قند ۔ بندبند
ہلال عید ۔ وصال عید
آیاجیوں تواچند ۔ لگایاجیوں تواچند
سنایاعیدکرید ۔ آیاعیدکرید
فریاد ۔ آزاد
بنیاد ۔ فریاد
فریاد ۔ داد

فریاد ۔ افتاد
پدید ۔ عید
درد بیورد

ر

(۲۳ غزلیں وغیرہ ۔ ۲۰۴ اشعار)

منورکر ۔ ورکر
غدیر ۔ کبیر
یار ۔ دار
یار ۔ دلدار
پرور ۔ سرور
پرکار ۔ یکبار
منور ۔ بھر
امیر ۔ کبیر
نظر ۔ خبر
اپکر ۔ زرکر

سنگاراں کر ۔ دھاراں کر
پیکر ۔ گھر
بار ۔ زار
باہر ۔ ذاکر
غدیر صغیر
نوبہار ۔ اختیار
نظر ۔ قمر
خانہ کر ۔ بہانہ کر
پیک آیا بھار ۔ جیک آیا بہار
ڈر ۔ گھر
نور ۔ سپور
آرام پر ۔ جام پر
پورکر ۔ دورکر

ز

(۴ غزلیں وغیرہ ۔ ۲۷ اشعار)

جانی ہنوز ۔ پہچانی ہنوز
تیز ۔ گلریز
دریاز ۔ نماز
جاوداں ہم عید وہم نوروز ۔ عیاں ہم
عید وہم نوروز

س
(۳ غزلیں ۔ ۱۶ اشعار)
پاس ۔ الیاس
کہنا ہوس ۔ سننا ہوس

ش
(۱ غزل ۔ ۱۹ اشعار)
سرکش ۔ ترکش

ص
(۱ غزل ۔ ۷ شعر)
خاص ۔ اخلاص

غ
(۱ غزل ۔ ۹ شعر)
داغ ۔ باغ

م
(۶ غزلیں وغیرہ ۔ ۵۱ شعر)
بھگاووتم ۔ مگاووتم
نام ۔ کام
کام ۔ جام
کرم ۔ علم
نام ۔ صیام
دام ۔ نام

ن
(۲۷ غزلیں وغیرہ ۔ ۲۱۴ شعر)
دورتوں ۔ فغفورتوں
آب سوں ۔ شاب سوں
بستاں ۔ دستاں
غمخوارکوں ۔ انورکوں
جاں سوں کرتے ہیں ۔ قرباں سوں کرتے ہیں
ہندوستاں کوں ۔ ناداں کوں
شکرستاں سوں ۔ راساں سوں
روں روں ۔ گروں
بے دیں ۔ آبیں
ارغواں ۔ جواں
چمن ۔ یون
رتن ۔ جتن
کماں ۔ دستاں
نہالاں سوں ۔ جاناں سوں
نین ۔ سمن
خاراچھیں ۔ سرشاراچھیں
نوراں ستیں ۔ حوراں ستیں

لیایا بسنت بکرید سوں - بھایا بسنت بکرید سوں
خوشیاں سیتیں - نوراں سیتیں
بھوماں سوں - پرماں سوں
خوشیاں سبھی اس عید میں
نھاٹیاں سبھی اس عید میں
پلاتی نبی کوں - سہاتی نبی کوں
ناداں سوں - ناناں سوں
گادیں - بجادیں
عشرت کیتے ہیں - صحبت کیتے ہیں
ادھار سوں - نادار سوں
اپنے میں - چھپنے میں

و

(۹ غزلیں وغیرہ - ۶۷ اشعار)
پھیری عجائب سوں - تیری عجائب سوں
نوجواں کرو - جاں کرو

محبوب دکھو - خوب دکھو
بو - مو
کو - تو
مناؤ - پلاؤ
خوشیاں کرو - مہماں کرو
کجاؤ - بجاؤ
گاؤ - بجاؤ

ہ

(۱۰ غزلیں وغیرہ - ۷۷ اشعار)
چروہ - ہروہ
ناہ - گاہ
اللہ - پناہ
آگاہ - گمراہ
دلخواہ - سحرگاہ
آشیانہ - خانہ

نرگاہ - درگاہ
آیا برس گانٹھ - لیایا برس گانٹھ
آیا برس گانٹھ - پایا برس گانٹھ
آیا برس گانٹھ - سہایا برس گانٹھ

ی

(۶۰ غزلیں وغیرہ - ۴۳۴ اشعار)
نکلے - سکلے
بہاری ہے - ساری ہے
کنعاں تھے - بستاں تھے
رانی - بھانی
میزبانی - شہانی
ٹھکتی کھڑی - ٹھکتی کھڑی
بھرانی - پھرانی
آئی - پلائی
کھلائی - جھلائی

ملے ۔ کھلے	بھایا دے ۔ سہایا دے	جام لی ئے ۔ مدام لی ئے
لے ۔ رے	سنکھری ۔ گکری	ناشاد کرتہ ہے ۔ بیداد کرتہ ہے
گاتی ہے ۔ سہاتی ہے	ساری ۔ سنگاری	سنگاون جوناچھے ۔ انگاون جوناچھے
کھٹری ۔ زرزری	باندے ۔ باندے	یار خوش ندلیے ۔ بھار خوش ندلیے
آنیا سر نچھے ۔ جھمکا بیا سر نچھے	سوماں کا عبد ہے ۔ دوستاں کا عبد ہے	نیکا دسے ۔ نیکا دسے
نین پتلی ۔ یوں پتلی	آوے ۔ دکھاوے	گلالی ۔ لالی
گری تھے ۔ کری تھے	لیایا ہے ۔ آیا ہے	جھلتے ۔ کھلتے
پری ۔ استری	ہمارے ۔ تمارے	دوری ہے ۔ صبوری ہے
بجیری ۔ گوری	تماری ۔ واری	علم پکڑے ۔ خشم پکڑے
قطب شہ سوں مل رہی ہے اے کوئی	آتی اہے رے ۔ بھاتی آہے رہے	تیری ۔ دیری
بھید ہے ۔ خورشید ہے	دکھاتی جگاتی	بدنے ۔ پدمنے
پلاتی ہے ۔ دکھاتی ہے	بناتی اہے ۔ لکھاتی اہے	نگاری لگی دسے ۔ سنگاری لگی دسے
ساجے ۔ باجے	بھاوے ۔ جاوے	خاقانی مجے ۔ سلطانی مجے
کھول ساجے ۔ مدن کے باجے	نھواتی ۔ نہاتی	مدعا ہے ۔ روا ہے
دیائے ۔ پلائے	بہانے جائے ۔ جانے جائے	قمر ہے ۔ ثمر ہے

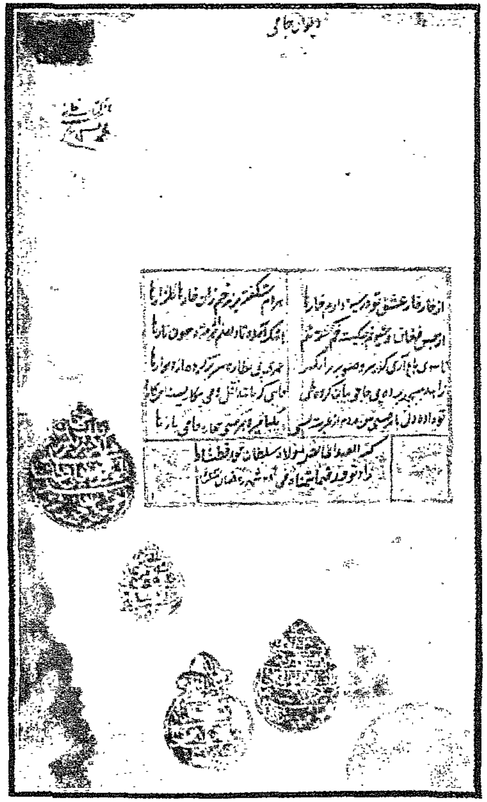
کھلاتے ۔ پلاتے	دورکرساقی ۔ پرنورکرساقی	سات ہے ۔ دھات ہے
نورتھے ۔ پورتھے	دھن کے ۔ من کے	بہانے جائے ۔ جانے جائے

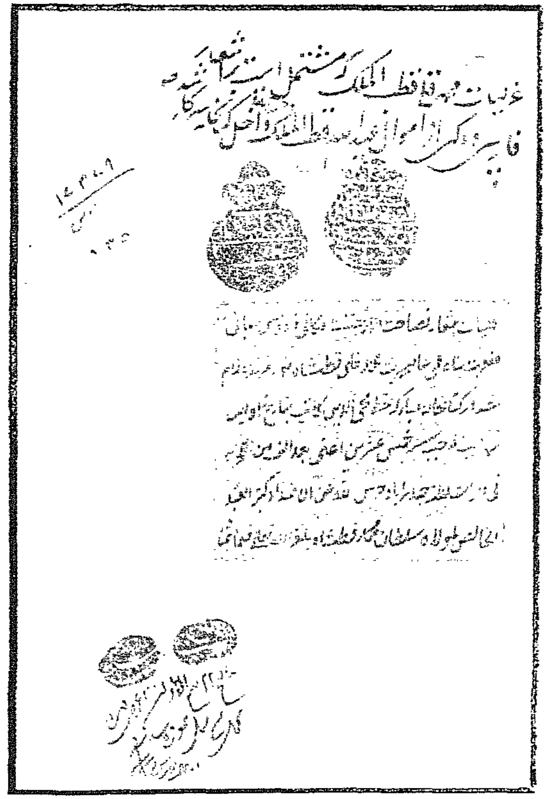
اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قدیم ترین دیوان میں حروف ذ ۔ض ۔ط ظ ۔ع ۔ف ۔ق ۔ک ۔گ اور ل کی ردیفوں میں غزلیں موجود نہیں ہیں ۔ یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ ان ردیفوں میں بادشاہ نے اس وقت تک غزلیں لکھی ہی نہ تھیں یا یہ غزلیں درج تھیں اور بعد کو جلد سازی کے وقت تلف ہوگئیں ۔

کتب خانہ نواب سالارجنگ بہادر کا دوسرا نسخہ

نواب سالارجنگ بہادر کے کتب خانہ کا دوسرا نسخہ بھی شاہی ہے اور بادشاہ کی وفات کے بعد مرتب ہوا ہے اور بہت ممکن ہے کہ سلطان محمد قطب شاہ نے ۱۰۳۲ھ میں جو نسخے مرتب کرائے (اور جو ٹیپو سلطان کے اور دیگر کتب خانوں میں موجود تھے) ان کے ساتھ کا ہو ۔ یہ ناقص الاول ہے اس لئے مثنویاں طویل قصیدے اور ترجیع بند اس میں شامل نہیں ہیں البتہ رباعیات مکمل حالت میں موجود ہیں ۔ ہمارے مرتب کردہ کلیات میں جن جن نظموں کے آخر میں ج لکھا ہے وہ اسی دیوان سے ماخوذ ہیں اور جو غزلیں قدیم دیوان میں نہ مل سکیں وہ اسی سے حاصل ہوئی ہیں ۔ چونکہ اس میں قدیم دیوان کے مرتب ہونے کے بعد کا کلام بھی درج ہے اور مصنف کے جانشین نے اس کو مرتب کیا ہے اس لئے







عکس تحریر سلطان محمد قطب شاه بدیوان محمد قلی وغیره